

1875

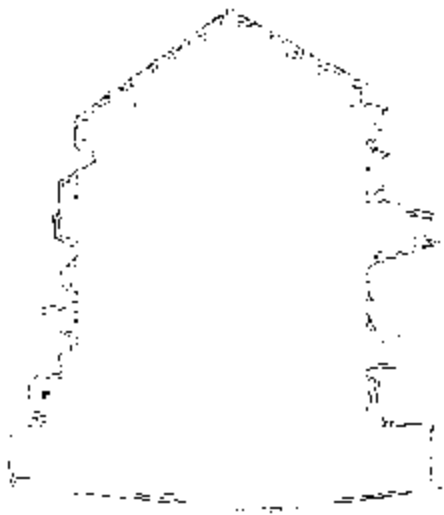
1876

1877



**Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.**

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ





دلی اور طب یونانی



مصنف

حکیم سید ظل الرحمن



ادارہ مطبوعات سلیمانی

رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

132440

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

حافظ طلحہ وحید سلیمانی

ناشر

اے این اے پرنٹرز

مطبع

(بھارت) ۱۹۹۵ء

طبع اول

(پاکستان) اگست ۱۹۹۷ء

طبع دوم

۵۰۰

تعداد

03007444904 حکیم محمد

فہرست



صفحہ		صفحہ	
۵۰	حکیم محمد امین شیرازی	۱۲	حرف آغاز
۵۱	حکیم معصوم خاں	۱۵	تقدیم
۵۲	حکیم نعمت خاں عالی	۲۷	دہلی میں عہد سلطنت میں طب کی ترقی
۵۴	نواب خیر اندیش خاں	۳۵	عہد مغلیہ طب کا دور زریں
۵۵	شیخ عبدالحق کرناٹی	۳۶	حکیم رکن کاشی
۵۶	حکیم حسن علی	۳۷	حکیم صدر امیح الزماں
۵۶	حکیم ارشد	۳۸	حکیم مومنا شیرازی
۵۶	حکیم محمد بادی	۳۹	حکیم ابوالقاسم گیلانی
۵۶	حکیم محمد تقی ذوالفقار خاں	۴۰	حکیم معصوم تستری
۵۷	حکیم اکبر ازانی	۴۰	حکیم محمد بن احمد گیلانی
۵۸	حکیم شیخ حسین شہرت	۴۱	امان اللہ خاں
۵۹	حکیم محمد حسین شیرازی	۴۲	حکیم حاذق
۶۰	حکیم یار علی خاں شفا	۴۳	حکیم خوشحال
۶۰	حکیم حاذق خاں	۴۴	سنتی النساء خانم
۶۲	حکیم کمال الدین اصفہانی	۴۴	حکیم فتح اللہ شیرازی
۶۲	حکیم محمد جعفر جوہنوری	۴۵	حکیم داؤد تقرب خاں
۶۳	حکیم محمد حسین	۴۶	حکیم نور الدین
۶۳	حکیم محمد جعفر مشہدی	۴۹	حکیم محمد مہدی اردستانی
		۵۰	حکیم محمد کاظم

۸۴	حکیم اکمل خاں	۶۳
۸۵	حکیم اجل خاں ثانی	۶۴
۸۵	حکیم قوام الدین خاں	۶۴
۸۵	حکیم امام الدین خاں	۶۴
۸۶	حکیم رضی الدین خاں	۶۵
۸۶	حکیم مہابت خاں	۶۶
۸۸	حکیم راضی خاں	۶۶
۸۸	حکیم مظہر مظفر	۶۶
۸۹	شاہ اہل اللہ	۶۶
۹۰	حکیم اسحق خاں	۶۹
۹۱	حکیم سلامت علی خاں	۷۰
۹۲	حکیم محمد ہاشم	۷۱
۹۳	حکیم غلام علی	۷۳
۹۴	حکیم سراج الدین	۷۳
۹۴	حکیم غلام رسول حکمت	۷۴
۹۴	حکیم مرزا محمد حسین سخن	۷۴
۹۵	حکیم میر محمد سجاد	۷۴
۹۶	حکیم مانشاہ اللہ مصدر	۷۸
۹۶	حکیم انشا اللہ خاں انشا	۷۸
۱۰۱	حکیم عوض علی مدعا	۸۰
۱۰۲	حکیم شریف خاں	۸۱
۱۰۵	حکیم محمد ہمدی خاں	۸۲
۱۰۵	حکیم محمد شرف خاں	۸۳

حکیم محمد کاظم
حکیم ابن رمضان بیگ
حکیم مرزا محمد گیلانی
حکیم ہدایت اللہ
حکیم عابد سرہندی
حکیم عزیز اللہ نیوتنی
خاندان شریفی
حکیم واصل خاں
حکیم بقا خاں
حکیم محمد وفا خاں
حکیم محمد ذکا خاں
حکیم محمد بقا خاں
حکیم خوشحال رائے
حکیم میر امام الدین
حکیم سید حکمت خاں
حکیم علی اکبر شیرازی
حکیم علوی خاں
خاندان بقائی
حکیم بقار اللہ خاں
حکیم معالج خاں
حکیم اعجاز خاں
حکیم محمد داہم خاں
حکیم لطف الدین

۱۲۶	حکیم غلام نبی خاں	۱۰۷	حکیم عبد الشافی خاں
۱۲۷	حکیم ثناء اللہ فراق	۱۰۷	حکیم اسرائیل خاں
۱۳۲	حکیم پناہ خاں حکیم	۱۰۸	حکیم کریم اللہ
۱۳۲	حکیم قدرت اللہ قدرت	۱۰۸	حکیم اسد علی
۱۳۳	حکیم محمد حسین حکیم	۱۰۹	مرزا ظہیر الدین اظفر
۱۳۳	حکیم محمدی ظاہر	۱۰۹	حکیم مظہر علی خاں مظہر
۱۳۴	حکیم قطب الدین باطن	۱۱۰	حکیم محسن رضا
۱۳۵	حکیم شرف الدین خاں	۱۱۰	حکیم فضل اللہ مرزا
۱۳۶	حکیم عزت اللہ عشق	۱۱۰	حکیم میر حسین حسینی
۱۳۸	حکیم سید محمد تعشق	۱۱۱	حکیم مرزا محمد کاظم
۱۳۹	حکیم عبداللہ علوی	۱۱۲	حکیم گلزار علی
۱۴۰	حکیم نصر اللہ خاں وصال	۱۱۲	حکیم محسن
۱۴۲	حکیم محمد علی خاں وصل	۱۱۳	حکیم قدرت اللہ خاں قاسم
۱۴۳	حکیم محمود علی فرحت	۱۱۸	حکیم عبدالحق نعمت
۱۴۴	حکیم اسلام بیگ شیدا	۱۱۹	حکیم باقر علی جعفری
۱۴۴	حکیم امان علی	۱۱۹	حکیم غلام محمد راقم
۱۴۵	حکیم رستم علی	۱۲۰	حکیم اکرام الدین یاس
۱۴۶	حکیم اکبر علی شیون	۱۲۰	حکیم واصل خاں ثانی
۱۴۶	حکیم آغا جان عیش	۱۲۱	حکیم ذکار اللہ خاں
۱۵۱	لاکہ حکیم زاین کھنزی	۱۲۳	حکیم صادق علی خاں
۱۵۱	حکیم مرزا محمد عشق	۱۲۵	حکیم منور خاں
۱۵۲	حکیم محب اللہ جوان	۱۲۵	حکیم غلام حیدر خاں
۱۵۲	حکیم غلام نقشبند	۱۲۶	حکیم غلام حسن خاں

۱۹۸	حکیم غلام حسین بیدل	۱۵۲	حکیم محمد اسمعیل خاں
۱۹۹	حکیم میر علی جان	۱۵۴	حکیم قاسم علی خاں
۱۹۹	حکیم محمد احسن خاں احسن	۱۵۴	حکیم آغا علی خاں
۱۹۹	حکیم اکبر علی فروغ	۱۵۵	حکیم پیر بخش خاں
۲۰۰	حکیم رحیم بخش طرب	۱۵۵	حکیم حسن بخش خاں
۲۰۰	حکیم محمد علی بیگ عاقل	۱۵۶	حکیم عبدالحق
۲۰۰	حکیم غلام علی حیدری	۱۵۶	حکیم رضی الدین خاں
۲۰۱	حکیم عبد القادر	۱۵۸	حکیم مومن خاں مومن
۲۰۱	حکیم حسام الدین	۱۶۰	حکیم اکرام اللہ خاں اکرام
۲۰۲	حکیم اسد علی خاں	۱۶۱	حکیم امام الدین
۲۰۳	حکیم مرزا منور علی خاں	۱۶۵	حکیم غلام محمد خاں
۲۰۴	حکیم اجدر علی احمد	۱۶۶	حکیم غلام مرتضیٰ خاں
۲۰۵	حکیم سید محمد سعید خنجر	۱۶۶	حکیم احسن اللہ خاں
۲۰۵	حکیم غلام محمود خاں	۱۹۱	حکیم غلام نجف خاں
۲۱۳	حکیم غلام رضا خاں	۱۹۳	حکیم رکن الدین خاں
۲۱۵	حکیم محمد تقی خاں سوزاں	۱۹۳	حکیم رحیم بیگ رحیم
۲۱۶	حکیم نادر علی برعد	۱۹۳	حکیم عبداللہ خاں منظر
۲۱۶	حکیم اسمعیل خاں ذبیح	۱۹۴	حکیم سکھاندر رقم
۲۱۶	حکیم محمد حسن خاں شفا	۱۹۴	حکیم امیر سنگھ
۲۱۶	مرزا احمد اختر	۱۹۴	حکیم منور علی آشفندہ
۲۱۶	حکیم تاجل رسول خاں	۱۹۶	حکیم عبدالکریم سوز
۲۱۸	حکیم غلام مولیٰ بخش قلنق	۱۹۶	حکیم اکرام الدین رند
۲۲۰	حکیم خیر الدین یاس	۱۹۸	حکیم عبدالکریم بسمل

۲۲۱	حکیم واصل خاں	۲۲۰	حکیم مرزا محمد خاں
۲۲۳	حکیم اجمل خاں	۲۲۱	حکیم مہر علی ضابط
۲۵۸	شریف منزل	۲۲۱	حکیم قیام الدین
۲۶۴	حکیم رضی الدین احمد	۲۲۱	حکیم لیلیٰ حسین خاں
۲۶۸	حکیم اشتقاق احمد	۲۲۲	حکیم ظہیر الدین خاں
۲۶۸	دیوان مان سنگھ	۲۲۳	حکیم عنایت اللہ شوق
۲۸۱	حکیم پیر جی عبد الرزاق	۲۲۴	حکیم منور لال مانڈر شاد
۲۸۲	حکیم عبد البنی خاں	۲۲۴	حکیم مدن لال مدن
۲۸۳	حکیم عبد الرشید خاں	۲۲۵	حکیم محمد حسن خاں
۲۸۴	حکیم منیر الدین	۲۲۵	حکیم اشرف علی
۲۸۵	حکیم احمد سعید خاں	۲۲۶	حکیم سعد الدین احمد خاں
۲۸۶	حکیم اسد علی مضطر	۲۲۶	حکیم کاظم علی خاں
۲۸۶	حکیم ناصر تندر فراق	۲۲۸	حکیم رام نرائین جبران
۲۸۶	حکیم غلام کبریا خاں	۲۲۸	حکیم سینل پر شاد بھین
۲۸۸	حکیم عبد الوہاب انصاری	۲۲۹	حکیم غلام نبی خاں
۲۹۰	حکیم عبد الرزاق انصاری	۲۳۰	حکیم بدر الدین خاں
۲۹۱	حکیم جمیل الدین	۲۳۲	دلی کے طبی خاندان
۲۹۲	حکیم آزاد انصاری	۲۳۲	گوسوامی جینی لال
۲۹۳	حکیم امین الدین	۲۳۲	پنڈت شیونرائین مذاق
۲۹۵	حکیم امجد علی خاں	۲۳۵	حکیم انوار احمد انوار
۲۹۶	حکیم علی رضا خاں	۲۳۶	حکیم الہی بخش
۲۹۶	حکیم محمد احمد خاں	۲۳۶	حکیم عبد المجید خاں
۲۹۸	حکیم مرزا نعیم بیگ	۲۳۶	مدرسہ طبیبہ
۳۰۲	حکیم نزلوک ناتھ اعظم	۲۳۶	

۳۴۰	حکیم رام لہجھایا	۳۰۲	حکیم عبدالجبار
۳۴۱	حکیم شریف الدین	۳۰۳	حکیم محمد اسمعیل سرور
۳۴۲	حکیم عبدالجلیل صدیقی	۳۰۴	حکیم ظفر احمد خاں
۳۴۴	حکیم حاذق راستے	۳۰۴	حکیم طالب احمد
۳۴۴	حکیم ہری کشن لال	۳۰۶	حکیم ناصر الدین خاں
۳۴۶	حکیم محمد عبدالرزاق	۳۰۷	حکیم محمد اسمعیل
۳۴۹	حکیم گنگارام گاندھی	۳۰۸	حکیم لچھمن پرشاد
۳۵۰	حکیم عبدالحمید	۳۰۹	حکیم مدن موہن لال
۳۵۴	دہلی کے مشاہیر علم کاتب سے تعلق	۳۰۹	حکیم ایسا س خاں
۳۴۳	غالب اور طب	۳۱۲	حکیم مولانا عبدالغفار
۳۶۴	دہلی میں عطاری کی روایت	۳۱۵	حکیم محمد عبدالواحد
۳۶۶	شاہ	۳۱۶	حکیم محمد جمیل خاں
۳۶۸	امین الدین امین	۳۱۹	حکیم محمد کبیر الدین
۳۶۸	میر صادق علی	۳۲۲	حکیم کیف دہلوی
۳۶۹	جعفر علی حسرت	۳۲۳	حکیم حبیب اشعر
۳۸۰	حکیم عبدالرحیم	۳۲۳	ڈاکٹر مرزا احمد علی
۳۸۱	میر ضیاء الحسن	۳۲۶	حکیم بی این شرما
۳۸۱	حکیم میر الوار احمد	۳۲۷	حکیم منسارام شکلا
۳۸۵	عطار برادری	۳۲۸	حکیم ذکی احمد خاں
۳۸۶	چند مشہور جراح	۳۳۰	حکیم موتی رام
۳۸۶	بندر ابن جراح	۳۳۱	حکیم خلیل الرحمن نار
۳۸۸	بندہ علی جراح	۳۳۲	حکیم محمود احمد خاں
۳۸۸	منزسین ناگر	۳۳۵	حکیم محمد شریف خاں
		۳۳۷	حکیم گوردن سنگھ

۳۸۸	سید فضل علی
۳۸۹	غلام ناصر
۳۸۹	ولی محمد طبیب
۳۸۹	پورن سنگھ پورن
۳۹۰	تلسی داس صمیم
۳۹۰	دلی کی طبی عمارتیں اور آبنار
۳۹۰	دارالشفقا
۳۹۱	دارالشفقائے یونانی
۳۹۲	انجمن اشاعت علوم
۳۹۷	الہاکی یادگار عمارات
۴۰۰	طبیبوں کی تعمیر کردہ مساجد و مندر
۴۰۴	شجرہ خاندان شریفی
۴۱۰	شجرہ خاندان بنفائی
۴۱۱	کتابیات

حرف آغاز

ہندوستان کے مختلف صوبوں میں قائم اردو اکادمیوں میں دہلی کی اردو اکادمی اس لیے زیادہ ہی زیر بحث رہتی ہے کہ وہ دار الخلافہ دہلی میں سرگرم عمل ہے اور ایک طرح سے ایک ماڈل کے طور پر کام کرنے کی کوشش میں لگی ہے۔ اس اکادمی کا دائرہ کار خاصا متنوع اور وسیع ہے۔ اس کے بنیادی مقاصد میں دہلی شہر کی ادبی تاریخ کے احوال کو اس کی ثقافتی اور سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مبسوط اور دستیاب تاریخی اور دستاویزی مواد کو مرتب کرنے اور اسے کتابی صورت میں محفوظ کرنے کی سرگرمی خاص طور سے شامل ہے۔ اردو اکادمی کا اپنا ایک انتظامی ڈھانچہ اور دستور بھی ہے۔ دہلی کے وزیر اعلیٰ اس کے چیئرمین ہیں جو زبان و ادب میں اعتبار کے درجے کو پہنچے ہوئے اہماب کو اکادمی کی گورننگ کونسل کے لیے دو سال کے لیے نامزد کرتے ہیں۔ انہی نامزد افراد پر مشتمل اکادمی کی مختلف کمیٹیاں ہیں جو متعلقہ امور کے بارے میں فیصلے کرتی ہیں۔

اکادمی دہلی کی ادبی ثقافتی اور سماجی زندگی سے اپنی گہری دلچسپی کے ساتھ ساتھ ملک گیر زاویے سے بھی کام کرتی ہے اور اپنی مختلف سرگرمیوں میں پوری اردو دنیا اور تخلیق کاروں سے اپنا قریبی رشتہ اور تعلق قائم رکھتی ہے۔

کل ہند نو عیت کے مشاعرے، ہینار، انعام و اعزاز اور ایوان اردو اور آئنگ جیسے مقبول ماہ ناموں اور اہم عصری موضوعات پر کتابوں کی مسلسل اشاعت نے دہلی کی اردو اکادمی کو زبان و ادب کی ترویج میں مصروف ایک بے حد فعال اور متحرک اکادمی بنا دیا ہے۔

● دہلی کی سماجی اور تہذیبی زندگی میں اظہار کا ایک اہم کردار رہا ہے صحت مند اور بیماریوں سے پاک معاشرے کا خواب انسانی آنکھ کا دیکھا ہوا ایک پرانا خواب ہے جس کی تعبیر پانے کے لیے اس نے علاج معالجے کی دیکھی ان دیکھی بے شمار راہیں اور مسافریں طے کی ہیں۔ اس انسانی سفر میں جن کے قدموں نے رفاقتوں کا تخت ادا کیا ان کے ذکر و فکر سے ہماری بہت سی کتابوں کے ورق خالی ہیں۔

وہ دن ہمارے حافظوں میں محفوظ ہیں جب اہل اے وقت اپنے آراستہ مطلب میں
 نبض دیکھنے، نسخے تجویز کرنے اور مریض کو بیماری سے نجات دلانے کے حیرت انگیز کارنامے انجام
 دیتے تھے طب ان کے لیے ذریعہ معاش نہیں تھی وہ ذریعہ عزت تھی۔ مریض کی نبض پر کسی حاذق
 طبیب کی انگلیوں کا رکھا جانا مرض سے نجات کی ضمانت بن جاتا تھا، بیماروں کو شفا بخشنے والے
 یہ اطباء ہماری سماجی اور تہذیبی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتے تھے کہ یہ اپنے عہد کے سب سے
 باعزت شہری بھی تھے سماجی زندگی میں ان کی مسجانی زندگی کی ہر سطح پر قبول کی جاتی تھی اور انہیں
 عزت اور اعزاز کی مسندوں پر بٹھایا جاتا تھا کہ وہ سب بے لوث اور بے غرض ہو کر اپنے علم سے
 پورے معاشرے کو فیض پہنچاتے تھے۔

دلی قدیم کم اور جدید زمانوں میں طب یونانی کا ایک اہم مرکز رہی ہے یہاں اپنے وقت کے
 سب سے معتبر اور مقبول اطباء عیسائی نفسی کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے دلی کی تہذیبی زندگی میں اپنا
 ایک افسانوی کردار ادا کیا ہے یہ پہلو بھی دلچسپ ہے کہ ہمارے ماضی قریب تک پڑھے لکھے
 گھرانوں اور طبقتوں میں طب سے واقفیت بڑی حد تک شخصیت کا ایک حصہ تھی، غالب اس کی ایک
 اچھی مثال ہے۔ اہل اے دلی کے تہذیبی زندگی میں ان کے افسانوی کردار کو بھی اس کتاب میں
 موضوع بنایا گیا ہے یہ کتاب نہ صرف دلی کے اہم طبی گھرانوں اور سلسلوں کا تفصیلی احاطہ کرتی ہے
 یہ حکیم محمد اجمل خاں شہدادپلوئی سے حکیم عبد الحمید دہلوی تک طب یونانی کے سفر اور اس میں
 ہونے والے تغیرات اور تجربات کا ذکر بھی کرتی ہے۔ طب یونانی کی یہ دونوں اپنے اپنے دور
 میں "داستان بن جانے والی شخصیتیں اس کتاب کا خصوصی موضوع بھی ہیں۔ اس لیے بھی کہ مرحوم
 حکیم محمد اجمل خاں اور محترم حکیم عبد الحمید دہلوی نے طب یونانی کو نئے آفاق سے ہمکنار کیا۔ امراض
 اور ان کی تشخیص کے نئے باب لکھے۔ اکادمی ان عہد ساز شخصیات کے کارناموں اور دلی اور
 طب یونانی کے گہرے تہذیبی رشتوں کی وضاحت کی خاطر یہ کتاب شائع کر رہی ہے حکیم ظل الرحمن
 صاحب نے دلی اور طب یونانی جیسے وسیع موضوع کو بڑی تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے اور ایسے
 سوا اور گوشے بھی سامنے آئے ہیں جن پر مزید لکھنے، بحث کرنے کی گنجائش بہر حال ہے۔

اردو اکادمی اپنی اس پیش کش کو دلی کے عہد ساز اطباء کے نام معنون کرتی ہے۔

زبیر رضوی

تقدمہ

دلی کا شمار ہندوستان کے قدیم ترین اور تاریخی شہروں میں ہے۔ اسے ہمیشہ مرکزی مقام کا درجہ حاصل رہا۔ پندرہ سو برس قبل مسیح راجہ جہ ہشتر نے پانڈوں کی ایک بڑی سلطنت قائم کر کے جمنہ کے مغربی کنارہ پر اپنی راجدھانی بنائی اور اس کا نام اندرپرست رکھا۔ جہ ہشتر کا خاندان تیس پشت تک حکمراں رہا۔ اس کے بعد دسروا خاندان نے پانچ سو برس حکومت کی۔ پھر گوتم بنی برہمراقتدار آئے۔ بنی خاندان کے ایک امیر سروپ دت نے اپنے راجہ دیو (۳۷۸ ق م) کے نام پر دلی شہر بسایا۔ ۶۷۳ء میں شنوار خاندان کے انگ پال اول نے دلی کی از سر نو تعمیر کی۔ آگے چل کر ۱۰۵۲ء میں اسی خاندان کے انگ پال دوم نے پھر دلی کو آباد کیا۔ اور وہ شمالی ہندوستان کے ایک خاص علاقہ کی راجدھانی بنی رہی۔

۶۱۰ء سے ۱۱۹۱ء تک اگرچہ ہندوستان میں غزنی حکومت کا دور دورہ تھا۔ لیکن ہندوستان میں مسلم حکومت کا آغاز شہاب الدین غوری کے ہاتھوں ۱۱۹۱ء میں ہوا۔ اس کے بعد یہاں غلام خاندان کی پہلی باقاعدہ مسلم سلطنت قائم ہوئی۔ سلطان قطب الدین ایبک ۱۲۰۵ء میں سربراہ آئے۔ سلطنت ہو اور دہلی پایہ تخت قرار پایا۔ مورخین اور سیاحوں کے بیانات سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہیں لگتی ہے کہ محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملہ کرنے کے وقت تک دلی کی بہت اہمیت نہ تھی۔ نئی قائم شدہ سلطنت نے نہ صرف دلی کو رونق و شادابی بخشی بلکہ ہندوستان کو فوجی اعتبار سے اس

قدر مطلق اور تمدنی و تہذیبی لحاظ سے اس درجہ آراستہ کیا کہ اس زمانہ کے نہایت
 تمدن اور ترقی یافتہ ممالک میں اس کا شمار ہو۔ سلاطین نے مملکت کی سرحدوں ہی کو وسیع
 نہیں کیا۔ ایک مہذب سیاسی نظام قائم کرنے پر توجہ دی۔ ترقی کی نئی سمتیں تلاش کیں
 اور دوسرے ممالک بالخصوص وسط ایشیا اور جزیرۃ العرب سے سیاسی و تجارتی روابط
 کے ساتھ علمی و فنی رشتے بڑھائے۔

ہندوستان اور ممالک عربیہ کے تہذیبی، تمدنی اور تجارتی روابط کا سلسلہ زمانہ
 دراز سے قائم تھا۔ ان کے تجارتی قافلوں کی ایک دوسرے ملک میں آزادانہ نقل و حرکت
 رہتی تھی۔ ان کے ذریعہ علمی و فنی معلومات کے تبادلہ کا عمل بھی انجام پاتا تھا۔ ظہور اسلام
 کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ مسلمانوں کی آمد یہاں پہلی صدی ہجری سے شروع ہو گئی
 تھی اور سندھ اور مالا بار میں ان کی آبادیاں قائم ہو گئی تھیں۔ مسلم فاتحین کے ساتھ جو
 ہزاروں افراد یہاں آئے ان میں سے بہت سے اسی خاک کے ہوئے۔ لیکن شہاب الدین
 غوری کے بعد جس کی مملکت کی سرحدیں آج کے ہندوستان سے کہیں زیادہ وسیع
 تھیں۔ اس ملک سے مسلمانوں کے محبت و تعلق کے نئے رشتے کی بنیادیں استوار
 ہوئیں۔ مسلم حکومت تقریباً آٹھ سو برس قائم رہی۔ یہ حکومت کسی ایک خاندان تک
 محدود نہیں تھی۔ غلاموں کے بعد غلامی پھر تعلق، سید لودھی اور آخر میں مغل حکمران ہوئے
 ان سب کا پایہ تخت کم و بیش دہلی تھا۔ دلی نے سلطنتوں کے عروج و زوال کا جو نقشہ
 دیکھا ہے اور اس کو جو سیاسی اہمیت حاصل رہی ہے اس سے قطع نظر یہ شہر ارباب
 کمال اور مشاہیر علم و فن کا مسکن رہا ہے۔ بڑے بڑے علماء صوفیا اور اطباء کو اس سے
 نسبت ہے حکومت کے مستقر کے ساتھ تہذیب و تمدن کا آفتاب بھی وہاں صوفشاں
 رہا۔ اسی طرح علوم و معارف نے ایسا فروغ پایا کہ پورا ملک ان کی ضیاء باریوں سے
 منور ہوا۔ سلاطین کے درباروں اور درس و تدریس کے اداروں کے علاوہ امر کے
 دیوان خانے، علماء کی مجلسیں، صوفیا کی خانقاہیں اور اطباء کے مطب علم و فن کی اشاعت
 کا مرکز تھے۔ سائنسی، طبی و اسلامی علوم، شعر و ادب اور تہذیب و تمدن کی جو گراں قدر

خدمات اس شہر میں انجام پاتیں ان کی وجہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ ممالک غیر کی تہذیب کا وہ مرکز بنا اور دور دور سے شائقین علم اس شہر کا رخ کرتے اور یہاں کے باکمال اساتذہ کے دامن فیض سے مستفید ہوتے۔ اس کی تہذیبی اقدار کی منزلت کا یہ حال تھا کہ پورے ملک کے لیے وہ معیار اور نمونہ سمجھی جاتی تھیں اور ایک عام آدمی سے لے کر ملک کے چھوٹے بڑے درباروں میں ان آداب کو تہذیب و شائستگی کے اعلیٰ معیار کے بطور برتنا جانا تھا۔

ابتدائی مغل حکمرانوں اکبر اور جہانگیر کا مستقر آگرہ رہا۔ دلی کی موجودہ حیثیت شاہ جہاں کے زمانہ سے شروع ہوئی۔ ۹ محرم ۱۰۲۹/۱۶۳۹ء کو لال قلعہ کی بنیاد رکھی گئی۔ ۹ برس میں مکمل ہونے پر ۱۶۴۸ء میں شاہ جہاں نے اس میں جلوس کیا۔ شاہ جہاں آباد شہر کی بنا پر ڈی۔ میتر بیجی کاشی نے "شد شاہ جہاں آباد از شاہ جہاں آباد" (۱۰۵۸) سے تاریخ نکالی ہے شاہ جہاں آباد نام انگریزوں کی شروع عملداری ۱۸۰۳ء تک رہا اس کے بعد یہ دہلی کہلانے لگا۔

دہلی میں جن علوم و فنون نے فروغ پایا اور جن سے اس شہر کو خاص نسبت حاصل رہی ان میں بہت اہم علم طب ہے۔ اس شہر سے طب کی تاریخ کی کرپیاں مسلم سلطنت کے قیام کی ابتدا سے جڑی ہوئی ہیں۔ دہلی نے اس فن کی ترقی اور فروغ میں جہاں گہری دلچسپی دکھائی ہے وہاں عالمین طب یونانی نے شہر کی علمی و ثقافتی زندگی شعری و ادبی روایت اور سیاسی و سماجی شعور کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ جدوجہد آزادی اور پھر قومی تحریروں میں بھی ان کا بیش قدر حصہ ہے۔ شائستگی، نفاست، شریفانہ اطوار اور گنگا جمتی تہذیب کے جو نمونے انہوں نے پیش کئے ہیں وہ بہت انمول اور گراں مایہ ہیں۔

وہ نہ صرف فن طب کے ماہر اور اعلیٰ درجہ کے طبیب تھے بلکہ دوسرے علوم کے ماہر کی حیثیت سے بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ مسلم تہذیب کا ایک بڑا امتیاز اس کا ایسا جامع نظام تعلیم ہے جس کی تکمیل کے بعد جہاں ایک طرف سائنسی، طبی مضامین مثلاً علم ریاضی، علم ہندسہ، علم ہیئت، علم کیمیا، علم طب و تشریح کی معلومات حاصل ہوتی تھیں

وہاں منطق، فلسفہ، علم کلام کے ساتھ اسلامی علوم تفسیر حدیث، فقہ وغیرہ میں مہارت پیدا ہوتی تھی۔ یہ نظام ایک اکائی اور وحدت کے تصور پر مبنی ہے۔ اس میں علوم کی ساری شاخیں مل جاتی ہیں۔ اس تہذیب کا ہر قابل ذکر عالم دیگر علوم میں بھی کافی دخل رکھتا تھا۔ دوسری اقوام کے ہاں علم کی تقسیم اس طرح ہے کہ ایک شاخ کا دوسری شاخ سے کوئی تعلق نہیں رہتا ہے اور ایک علم کے ماہر کی دوسرے علوم سے واقفیت نہیں ہوتی ہے۔ طب یونانی میں اس تہذیبی روایت کو آسانی سے تلاش کیا جاسکتا ہے، اہل جہاں جس طرح اور علوم میں امتیاز رکھتے تھے اسی طرح دوسرے علوم کی شخصیتیں طب سے کما حقہ واقف ہوتی تھیں۔ طب کو اسلامی تہذیب کے اس مخصوص نظام فکر میں دیکھنے سے اس کا پورا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

دہلی کی خاک سے جو منتخب اور بالکمال طبیب پیدا ہوئے انہوں نے نہ صرف ہندوستان میں طب کی عظمت و رفعت میں اضافہ کیا بلکہ ان سے عربی و ایرانی دور زریں کے اطباء کی یاد تازہ ہوئی، ان کے اثر کا دایرہ محض اس شہر تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر گوشہ میں ان کے اثرات پھیلے ہوئے ہیں۔ شاہ جہاں آباد کے ابن دار قیام سے لے کر مغلیہ عہد کے آخر زمانہ تک اور اس کے بعد برطانوی ہند اور آزاد ہندوستان میں بھی دار الخلافہ کو طب کی مرکزیت کا درجہ حاصل رہا۔ دہلی اور طب یونانی کے تعلق سے سب سے اہم شریف خانی خاندان کے اہل کاسلسلہ ہے۔ اس خاندان پر اب تک جو کام کیا گیا ہے۔ وہ زیادہ تر مسیح الملک حکیم اجل خاں کے اجداد کے تعارف کے طور پر انجام پایا ہے۔ اس کی حیثیت ایک طرح سے کرسی نام کی ہے۔ اس میں ان کے جد امجد حکیم واصل خاں حکیم اکمل خاں حکیم شریف خاں حکیم صادق علی خاں حکیم محمود خاں اور ان کے بھائی حکیم عبدالمجید خاں اور حکیم واصل خاں شامل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی شخصیت یقینی طور پر بہت ممتاز ہے اور اپنے محاسن اور کمالات کی وجہ سے وہ اس کی بجائے مستحق ہے۔ مسیح الملک کے تذکرہ نگاروں نے ان کی شاخ کے تعلق سے صرف انہی کے حالات بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے چنانچہ ان کی سوانح پر جو مستقل

کتاب میں تصنیف کی گئی، پس مثلاً جیات اجمل قاضی عبد الغفار، جیات اجمل شفا الملک حکیم رشید احمد خاں، تذکرہ مسیح الملک شفا الملک حکیم محمد حسن قرشی، سیرت اجمل حکیم جمیل خاں، حکیم اجمل خاں کوثر چاند پوری، مائثر مسیح مولانا ابرار حسین فاروقی ان سب میں اجمل خاں کے اسلاف میں صرف ان لوگوں کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے۔

ان کتابوں میں حکیم شریف خاں سے اوپر کے لوگوں مثلاً حکیم فاضل خاں کے بھائی حکیم اجمل خاں اول جن کے شاخ میں حکیم بقا خاں، حکیم وفا خاں، حکیم لقا خاں، حکیم وارث علی خاں، حکیم حمزہ خاں، حکیم برکت علی خاں، حکیم احمد علی خاں جیسے صاحب مرتبت طبیب گزرے، ہیں، جن کا رتبہ حذاقت ایسائی اور امارت دریاست میں دوسری شاخوں سے کم نہیں ہے اور جنہوں نے شروع میں دہلی میں اور بعد میں گوالیار میں بڑی شہرت و ناموری حاصل کی، ان سے کسی واقفیت کا اظہار نہیں ملتا ہے اسی طرح حکیم اجمل خاں دوم یعنی حکیم شریف خاں کے چچا کا اولاد جس میں حکیم عادل خاں، حکیم مہدی خاں، حکیم مظفر حسین خاں، حکیم واصل خاں ثنائی، حکیم عبد اللطیف خاں، حکیم محمد عظیم خاں، حکیم محمد سلیم خاں جیسی شخصیتیں تھیں، ان کا تذکرہ نہیں کیا جاتا ہے یہ صورت حال بعد میں بھی نظر آتی ہے۔ چنانچہ حکیم شریف خاں کے بھائیوں مثلاً حکیم محمد اشرف خاں اور حکیم حسین بخش خاں کی شاخ کے طبیبوں حکیم خواجہ جان، حکیم آغا جان، حکیم قاسم جان، حکیم عبد الغفار، حکیم عاقل خاں، حکیم کامل خاں، حکیم جیسب اشعر، حکیم ہاشم جان کیف یا حکیم مشرف خاں، حکیم منور خاں، حکیم بر علی خاں، حکیم اسد علی مظفر، حکیم نجل حسین، حکیم قائم حسین سے صرف نظر کیا گیا ہے۔ خود حکیم محمود خاں کے بھائیوں حکیم غلام محمد خاں اور حکیم غلام مرتضیٰ خاں کے خاندان کے طبیبوں حکیم غلام اللہ خاں، حکیم غلام نبی خاں، حکیم عبد العزیز خاں، حکیم غلام رضا خاں، حکیم احمد سعید خاں، حکیم عبد الغنی خاں، شفا الملک خاں بہادر حکیم عبد الرشید خاں، حکیم زکریا خاں، حکیم غلام کبیر خاں، حکیم عبد الرحیم خاں کے احوال سے بے اعتنائی برتی گئی ہے۔

حکیم شریف خاں کے اسلاف و اخلاف میں جو طبیب گزرے، ہیں میرے مطالعہ

کی روشنی میں ان کی تعداد سو اسو سے بجاوڑ ہے۔ اور دہلی اور ہندوستان، ہی نہیں دینا کی کسی ملک کی طبی تاریخ ایسے بے مثل اور بے نظیر سلسلۃ الذہب کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اتنی بڑی تعداد میں اس خاندان کے طبیبوں کا آج تک ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ دہلی کا یہ خاندان علم و دانش اور طب و حکمت کا خاندان ہے۔ اس گھرانہ میں جو نادر روزگار شخصیتیں پیدا ہوئیں اور جو کارہائے نمایاں ان سے انجام پائے بالخصوص ہندوستان میں طب یونانی کی ترویج و اشاعت اور اسے مقبول عام بنانے اور دہلی کو قدیم مراکز فن میں اعلیٰ درجہ عطا کرنے میں ان کا جو زبردست حصہ ہے وہ مستقل مطالعہ کا موضوع ہے اس کتاب کے صفحات اس دو دمان گرامی کی طبی خدمات کے تفصیلی احاطہ کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اطبائے خاندان شریقی کے نام سے یہ عنوان ایک علیحدہ کتاب کا متقاضی ہے۔ مدرسہ طبیبہ اور طبیبہ کالج کی سو برس سے زیادہ عرصہ پر پھیلی ہوئی تاریخ اسی خاندان کے گرد گھومتی ہے۔ ان کی یادگار اس ادارہ سے جو لایق اساتذہ و ابستہ رہے اور فروغ طب کے لیے انہوں نے جو کوششیں کیں، ان کا تذکرہ بھی اس مجوزہ کتاب کے ایک حصہ کے بطور ضروری ہوگا۔ پیش نظر کتاب میں دہلی کے دوسرے اطبا کی طرح خاندان شریقی کے صرف ان افراد کے مختصر حالات درج ہیں جنہوں نے دلی میں ناموری حاصل کی ہے۔ البتہ پہلی مرتبہ اس خاندان کی تمام شاخوں کا شجرہ یہاں ضرور پیش کیا جا رہا ہے۔ خاندان بقائی کے مطالعہ کے سلسلہ میں بھی ابھی تک کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی تھی۔ اس کے متنازع اطبا کے تذکرہ کے ساتھ ان کا تفصیلی شجرہ بھی سامنے لایا گیا ہے۔

راقم سطور کا دہلی آمد و رفت کا سلسلہ اگرچہ بچپن سے قائم تھا۔ گلی مدرسہ حسین بخش اور محلہ خان خانان میں ہمارے دو مکان تھے۔ لیکن ۱۹۶۳ء میں جب جامعہ طبیبہ میں لیکچرر کی حیثیت سے میرا تقرر ہوا اور وہاں چند برس قیام کا موقع ملا، اس وقت اگرچہ دہلی کی طبی بہار اجڑ چکی تھی لیکن اس خزاں رسیدہ چمن کی آبیاری کرنے والی کچھ شخصیتیں موجود تھیں۔ بزم کو برہم ہوئے مدت نہ گزری تھی بہت۔ میں نے

وہاں اس وقت جن صاحبان فن کو دیکھا وہ میرے لیے ہمیشہ فخر کا باعث رہے گا۔ حکیم
 جمیل خاں مسیح الملک حکیم اجل خاں کے اکلوتے صاحبزادہ اور عظمت فن کے گواہ۔ حکیم
 عبدالرحیم خاں گونا گوں اوصاف کے حامل، دہلی کی تہذیب و معاشرت کا نمونہ، حکیم
 عاقل خاں حسن و جمال کا مجسمہ اور عقل و خرد میں یگانہ، حکیم محمود سعید خاں حکیم بھورے
 میاں کے عالی قدر فرزند، پابند وضع اور رکھ رکھاؤ کے بزرگ، حکیم محمود احمد خاں
 حکیم محمد احمد خاں کے صاحبزادہ، روایات خاندان کے امین، حفظ وضع کا خاص خیال
 رکھتے تھے۔ حکیم محمد شریف خاں منجم، نیک شعار، ممتاز سیاسی و سماجی کارکن،
 ان اراکین خاندان شریفی کے علاوہ جن دوسرے اطباء سے نیاز کی سعادت حاصل
 ہوئی ان میں حکیم خلیل الرحمن خاں شاعری میں سائیل دہلوی کے شاگرد، سیاست
 اور ملی مسائل میں مولانا حفظ الرحمن مرحوم کے ساتھ پیش پیش رہے، سر اپاہر و محبت
 مٹھے حکیم موتی رام نہایت شریف، بامروت اور نرم گفتار، ان کا مطلب مرجع خلافت
 تھا، حکیم بی این شرما آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس کے جنرل سکرٹری، طبی سیاست
 کے شہسوار اور مسائل طب کے واقف کار۔ حکیم سید جمیل شاہ قادری خوش شکل
 خوش لباس، خانقاہی سلسلہ تھا اور اس حلقہ میں مقبول و محترم تھے۔ حکیم عبدالجلیل
 صدیقی دلکش اور جاذب نظر شخصیت، کامیاب مطلب، مخابرہ سون روز نامہ، الجمعیت
 کے طابع و ناشر رہے۔ حکیم محمد انجم خاں طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پہلے
 پرنسپل (۱۹۲۷ء) سے تعلق تھا۔ قزول باغ طبیہ کالج کے لایق استناد، ملنساری اور
 خوش طبعی کی وجہ سے پانچویں دہائی کے پر آشوب دور میں ایسے علاقہ میں ہر
 دل عزیز بن کر رہے جب دوسروں کے لیے وہاں رہنا آسان نہیں تھا۔ حکیم گوردن سنگھ
 الگ متعدد طبی کتابوں کے مصنف، ذمی شعور طبیہ، ان کا تعلق غیر مسلم طبیوں کی
 اس نسل سے تھا جس نے اس فن میں علاجی میدان ہی میں نہیں تدریسی اور تفسیفی
 طور پر بھی نفوشس قائم کئے ہیں۔ مشہور افسانہ نگار اور صاحب قلم حکیم کوثر چاند
 پوری بھی دہلی میں موجود تھے۔ ان کی ذات میں ایک انجمن آباد تھی۔ برٹے

سلسلہ کے آدمی تھے۔ دل کھول کر داد سخن دیتے اور خردوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ حکیم ذکی احمد خاں اگرچہ دہلی کے قدیم باشندہ نہیں تھے۔ لیکن ساری عمر دہلی میں گزری۔ طب کے دہلی اسکول کے نمائندہ سمجھے جاتے تھے۔ حکیم سید حسین ایک زمانہ تک طبی سیاست میں سرگرم رہے۔ جمعیتہ العلماء اور دوسری ملی تحریکوں سے دلچسپی تھی۔ ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔ حکیم رام لہیا یا حکیم ایاس خاں مرحوم کے وفادار شاگرد تھے۔ ادویہ کی شناخت اور دوا سازی کے ماہر، طبی و سماجی تنظیموں سے تعلق تھا۔ ایک وضع پر سدا قائم رہے۔ حکیم گنگارام گاندھی گنگا جمنی تہذیب کے علمبردار طبیوں کی قدیم روایت کے پابند، کامیاب معالج تھے۔

طب یونانی ایک مشترکہ تہذیب کی علامت اور ایک قیمتی وراثت علم ہے۔ یونانی طبیوں کی کاوشیں اور ان کا دائرہ کار معالجہ اور طبی درس و تصنیف تک محدود نہیں رہا۔ انہوں نے زندگی کے ہر شعبہ پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ ان کا شمار سماج کے نہایت باشعور افراد میں ہے۔ کیمیا، طبیعیات، حیاتی علوم، تاریخ، تذکرہ، مذہب، تصوف اور شعر و ادب پر بیش قدر کاموں کے علاوہ سیاسی اور ملکی مہمات، قومی و ملی مسائل، علمی و تعلیمی امور اور تحریک آزادی میں ان کا حصہ ناقابل فراموش ہے۔ دہلی ہندوستان میں طب کا سب سے بڑا مرکز رہا۔ صحیح معنی میں دارالطب، اس شہر سے اس کا گہرا رشتہ ہے۔ اطباء دہلی کی تہذیبی اور معاشرتی زندگی کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ ان کا شمار عمائدین شہر میں ہونا تھا۔ ان کی سیاسی بصیرت اور تعبیرات زمانہ پر ان کی نظر سے لوگوں کو رہنمائی ملتی تھی۔ دہلی کا حسن و امنیاز اور شناخت و نشان اور وہ خصوصیات جن سے دہلویت عبارت ہے ان کی زندگی میں پوری طرح جلوہ گر ہیں۔ انہوں نے وہاں جو علمی فنی اور ادبی فضا قائم کی تہذیب و ثقافت کو جو اعلیٰ معیار عطا کیا اور اس سے زیادہ ذہن و فکر کی تعمیر میں جو خدمات انجام دیں، ان کے مطالعہ کے بغیر اس شہر کا مطالعہ ادھورا رہے گا۔

دلی میں سیکڑوں باکمال طبیب گزرے ہیں۔ کسی ایک کتاب میں ان سب کا احاطہ

آسان نہیں ہے۔ خصوصاً جبکہ اس موضوع پر پہلے کوئی کام بھی نہ کیا گیا ہو لیکن اس کے باوجود دہلی کے بیشتر قابل ذکر نمائندہ طبیوں پر تیر نظر کتاب میں لکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے مطالعہ سے دلی میں یونانی طبیوں کی گونا گوں دلچسپیوں کا تعارف سامنے آئے گا۔ اور دلی اور طب یونانی کے تعلق سے کتاب کی تصنیف کا مقصد پورا ہونے میں مدد ملے گی۔

دلی کا یہ طرہ امتیاز آج بھی حکیم عبدالمجید کے شاندار اور بے مثال کارناموں کی وجہ سے برقرار ہے۔ دوسرے شہروں کی نسبت سے وہاں یونانی سرگرمیاں زیادہ تیزی سے جاری ہیں۔ کافی تعداد میں اطباء معالجہ و اسازمی، تدریس اور اعلیٰ تحقیق کے میدان میں کام کر رہے ہیں۔ دلی میں اس وقت طب کے جو اہم ادارے موجود ہیں ان میں طبیہ کالج، جامعہ ہمدرد، سینٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، مرکزی وزارت صحت کا یونانی شعبہ، سینٹرل کونسل آف انڈین میڈیسن اور آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس قابل ذکر ہیں۔ طب کی ترقی کے سلسلہ میں ان کی خدمات کا اعتراف ضروری ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ اردو اکادمی دہلی نے ”دہلی اور طب یونانی“ کے موضوع کو اپنے اشاعتی منصوبہ میں شامل کیا اور راتم سطور کو یہ خدمت سپرد کی۔ دہلی اکادمی نے دہلی پر مختلف جہتوں سے کام کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اور اس کے زیر اہتمام دہلی سے متعلق جو قابل قدر مواد سامنے آیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ کتاب اس میں مزید اضافہ کا باعث بنے گی۔ میں اردو اکادمی کے ذمہ داران اور خاص طور پر اس کے سکریٹری زبیر رضوی کا شکر گزار ہوں۔ انہوں نے اس موضوع کا انتخاب کر کے دوسرے صوبوں کی اکادمیوں اور اداروں کو راہ دکھائی ہے۔

دہلی میں عہد سلطنت میں طب کی ترقی

ہندوستان میں محمد بن قاسم سے لے کر سلطان شہاب الدین غوری تک پانچ سو سال میں مسلمانوں کی جو حکومتیں قائم ہوئیں ان کا اصل مرکز دمشق، بغداد یا غزنہ تھے۔ سندھ اور پنجاب تک ان کی عملداری تھی۔ شہاب الدین غوری پہلا فرمانروا ہے جس نے دہلی کو فتح کر کے اسلامی حکومت کے نئے سلسلہ کا آغاز کیا۔ شہاب الدین غوری کے بعد خاندان غلامان کی حکومت سے ہندوستان میں مسلم فرمانروائی کا غیر ملکی اثرات سے آزاد خود مختار دور شروع ہوتا ہے۔ اور اسی دور سے لاہور اور ملتان کے بجائے دہلی کی حیثیت ابھرتی ہے۔ غوری سے پہلے کے عہد کا اگرچہ دہلی سے براہ راست تعلق نہیں ہے لیکن اس میں علماء، صوفیا اور دوسرے مشاہیر فن کے ساتھ اظہار بھی بڑی تعداد میں ہندوستان آئے۔ اور یہاں انہوں نے علاج و معالجہ کے فرائض انجام دیئے۔ امرا اور خواص کے علاج کے لیے ظاہر ہے قابل اعتماد ہم وطن طبیبوں کی ضرورت تھی۔ اس عہد کی کوئی باضابطہ تاریخ مرتب نہیں ہے۔ اس زمانہ میں جو بکثرت طبیب ہندوستان آئے ان میں ابن سینا کا معاصر ابو ریحان البیرونی (۱۰۵۱-۶۹۷۶) خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

ہندوستان میں پہلے طبیب کے طور پر جو نام ملتا ہے وہ ضیاء الدین عبدالرافع ابو الفتح ہرومی ہے۔ رافع اگرچہ ہندوستان میں آخری غزنی تاجدار خسرو ملک (۱۱۸۶-۱۱۶۰) کے عہد کا حادثہ معالج اور درباری طبیب تھا۔ لیکن مؤلف

مانٹر لاہور کے مطابق اس نے شہاب الدین غوری (وفات ۶۱۲۰ھ) کا زمانہ بھی پایا۔ نور الدین عونی نے اس کے فضل و دانش اور علم طب میں کامل مہارت کے ساتھ فن لغت میں بھی اس کے مرتبہ کی تعریف کی ہے بلکہ اس پہلے طبیب کی طرح ہندوستان میں جس پہلی طبی کادشس کا پتہ چلتا ہے وہ ابو رحمان البیرونی کی کتاب البیہدہ کا فارسی ترجمہ ہے۔ اس ترجمہ کے فرائض سلطان شمس الدین التمش (۱۲۳۵-۶۱۲۱ھ) کے عہد میں ابو بکر بن علی بن عثمان اسفر کاسانی نے انجام دیئے ہیں۔ عہد التمش میں دہلی میں اطباء اور علماء و فضلا کے بے نظیر اجتماع کو دیکھ کر عصامی نے کہا تھا ہے

حکیمان یونان طبیبان روم بسی اہل دانش زہر مرز و بوم
در آن شہر فرخندہ جمع آمدند چوپروا نہ بر نور شمع آمدند
عہد شمسی کے ایک نہایت برگزیدہ طبیب حکیم شمس الدین بایں یہ بڑے
حاذق معالج تھے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے شرف بیعت رکھتے تھے
عہد سلطنت میں طب پر لکھنے والے کسی بھی فاضل نے ان کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔
خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (وفات ۱۲۴۷ھ / ۶۳۳ھ / ۶۱۲۲۶ھ) کی طبیعت
ناساز ہوئی تو ان کے مرید حکیم شمس الدین کو جو اپنے زمانہ کے بڑے حاذق طبیب
تھے، بلا یا گیا تھا۔

غیاث الدین بلبن کے زمانہ (۱۲۸۶-۶۱۲۶۶ھ) میں طب فیروز شاہی کے نام
سے ۶۱۲۸۱ھ میں ایک کتاب لکھی گئی تھی۔ اس کا موضوع اگرچہ علاج پرندگان ہے

۱۔ تاریخ روابط پزشکی ایران و پاکستان صفحہ ۱۲ بحوالہ مانٹر لاہور ص ۱۲۹

۲۔ لباب الالباب جلد ۲ ص ۱۲۷

۳۔ کبلاک عربک اینڈ پرنسپل لٹریچر جلد ۲ حصہ ۲ ص ۲۰۳ مزید طب فیروز شاہی ص ۱

۴۔ واقعات دارالحکومت جلد ۳ ص ۲۸۵ بحوالہ رسالہ اصول السماع فخر الدین زراوتی خلیفہ نظام الدین

لیکن ادویہ کے سلسلے میں اس سے پیش قیمت معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان آنے کے فوراً بعد یونانی طبیبوں نے ادویہ کے مترادف مقامی ناموں کے بارے میں واقفیت حاصل کر لی تھی بشاہ قلی کے نام سے منسوب یہ کتاب ہندوستان میں طبی تاریخ اور بالخصوص مفرد دواؤں کے مطالعہ کے اعتبار سے اولین ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ادویہ کے بارے میں ہندوستان کے اطباء کے ذہن، جغرافیائی لحاظ اور نئی سمت میں ان کے انداز کار کے تعین میں اس سے مدد ملتی ہے اس کے مطالعہ کا دوسرا پہلو بھی کم اہم نہیں ہے۔ اس کا تعلق تاریخ لسانیات سے ہے۔ یہ اردو زبان کی ابتدا اور اس کے تجزیہ کے لحاظ سے لسانی ماہرین کے لیے دلچسپ ہو سکتا ہے، اس کا سی کتاب میں جس طرح ہندوستانی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے غالباً کسی فارسی تصنیف میں اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ آگے چل کر اسی طرز سے اردو کا خمیر تیار ہوا اور فارسی اور ہندوستانی کے بڑھتے ہوئے اختلاط نے اردو کا روپ اختیار کیا۔ یہاں میں اس نکتہ کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہیے کہ صوفیا کے ملفوظات کے استثنیٰ کے ساتھ میرے خیال میں دوسرے موضوعات کے مقابلہ میں طب پر لکھی گئی فارسی تصانیف میں سب سے پہلے کثرت سے ہندوستانی الفاظ و اصطلاحات کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس طرح ابتدائی عہد کی طبی کتابوں کے ذریعہ لسانی تحقیق کو ایک نیا رخ عطا کیا جاسکتا ہے۔ علامہ الدین خلجی (۱۳۱۶-۱۹۹۶ء) کے عہد میں دہلی میں علماء کی کثرت اور ان کے فضل و کمال کے بارے میں فیض الدین برنی نے لکھا ہے کہ ”دہلی میں اس زمانہ میں جو یگانہ عصر علما موجود ہیں ان کی نظیر پیش کرنے سے بخارا، سمرقند، بغداد، مصر، خوارزم، دمشق، تبریز، اصفہان، رے، روم اور دوسرے شہر قاصر ہیں۔ برنی نے دوسری جگہ اس عہد کی دلی کو ”رشد بغداد، غیرت مصر، قسطنطنیہ موزمبیٹ المقدس“ لکھا ہے

لہ تاریخ فیروز شاہی ص ۳۵۲

کے ایضاً ص ۳۶۱

علامہ الدین خلجی اطبا کا بڑا قدر داں اور مربی تھا۔ برنی کے مطابق وہ ان سے نہایت اعزاز و اکرام سے پیش آتا تھا۔ اس کے زیر اہتمام قانون اور قانون پختہ کی تدریس کا آغاز ہوا۔ کافی تعداد میں اطبا، جراح، کحال اور ہندی طب کے ماہر اس کے دامن دولت سے وابستہ تھے۔ ان اطبا کی حذاقتا کے بارے میں برنی نے لکھا ہے کہ "عصر علانی کے طبیبوں میں سے ہر ایک علم طب میں مہارت رکھتا تھا۔ علاج امراض میں نفاذ اور جالیٹوس بھی ان کے آگے بے حقیقت تھے۔ ایسے سرآمد اطبا کسی زمانہ میں دیکھنے میں نہیں آئے تھے۔" برنی نے اس دور کے ممتاز طبیبوں میں مولانا حکیم بدرالدین دمشقی، مولانا حکیم حمید مطرز، مولانا حکیم صدر الدین اور ان کے والد مولانا حسام مار بکلی، حکیم علم الدین، یعنی طبیب، حکیم اعزاز الدین بدایونی، مہ جنڈر طبیب، جاجا جراح علم الدین کحال کے نام گناے ہیں اور لکھا ہے کہ اس زمانہ میں پورے ملک میں کوئی ان کا ہمسر نہیں ہے۔

حکیم بدرالدین دمشقی دہلوی کے بارے میں برنی نے لکھا ہے کہ وہ استاد الاطبا تھے۔ شہر کے طبیب ان سے طبی کتب کا درس لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم طب میں بڑی مہارت عطا کی تھی۔ محض مریض کی نبض سے وہ مرض کی تشخیص کر لیتے تھے۔ صاحب نزہۃ الخواطر کے مطابق حذاقتا ندبیر اور نبض اور قارورہ کے ذریعہ شناخت امراض میں وہ اپنے عہد کے بے مثل طبیب تھے کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ مختلف جانوروں کا پیشاب ملا کر ان کے سامنے لایا گیا۔ دیکھتے ہی پہچان گئے۔ مسائل کی تشریح میں منفرد تھے۔ طب کے دقیق مسائل بہت آسانی سے حل کرتے اور طلبہ کے

۱۔ تاریخ روابط پزشکی ایران پاکستان ص ۱۳

۲۔ تاریخ فیروز شاہی ص ۳۵۲

۳۔ ایضاً ص ۳۶۲

۴۔ ایضاً ص ۳۶۲

ذہن نشین کراتے تھے۔ قانون ابن سینا کے درس میں خاص طور پر درجہ کمال حاصل تھا، علامہ الدین خلیجی کے زمانہ میں دہلی میں رہتے تھے۔ طبی درس اور معالجہ کی ریاست ان پر ختم تھی۔ اس فضل و حذاقت کے ساتھ مرد صالح اور صاحب کشف و کرامات تھے۔ حکیم حمید مظہر کے فنی مرتبہ پر روشنی ڈالتے ہوئے برنی نے لکھا ہے کہ نبض اور فارورہ کی معرفت میں مولانا دمشقی کی طرح دہلی میں کوئی ان کا مقابل نہیں تھا۔ اپنے حسن تقریر کی وجہ سے وہ قانون، قانون پنچہ اور دیگر طبی کتب اس قدر تشریح اور وضاحت سے پڑھاتے تھے کہ شاگردان کے حسن تقریر اور خوش بیانی پر حیرت زدہ رہ جاتے تھے۔ علم طب میں مہارت کے باوجود تصوف سے گہرا تعلق تھا۔

حکیم صدر الدین ماریکلی دہلوی ابوحسام الدین تصوف و عرفان میں رتبہ عالی رکھنے کے علاوہ عمدہ ترین اطباء کے وقت میں تھے، علامہ الدین خلیجی کے عہد میں پایہ تخت دہلی میں مطب کرتے تھے اور درس دیتے تھے۔ نہایت ذکی اور ذہین تھے۔ مریض کو دیکھتے ہی مرض کی تشخیص کرتے تھے۔ دست شفا حاصل تھا، بعد الحق محدث دہلوی نے بھی انہیں فن طب میں ماہر و کامل لکھا ہے۔ انہوں نے چند کتابیں فصیح و سلیس عبارت میں تصنیف کی ہیں جن میں معارف، حقائق، وعظ و نصیحت اور حکمتیں قلبند کی ہیں ان کے خطوط بھی تصوف اور معارف سے پر ہیں۔

حکیم صدر الدین خواجہ نظام الدین اولیا کی دعا سے پیدا ہوئے تھے۔ پیدا ہونے پر حضرت نے شفقت سے گودی میں لیا، اپنے پیرا، سن کے ایک ٹکڑے سے ان کے پلے

۱۔ نزہتہ النواطر جلد ۲ ص ۱۶

۲۔ تاریخ فیروز شاہی ص ۳۶۲

۳۔ نزہتہ النواطر جلد ۲ ص ۶۱

۴۔ اخبار الاخبار ص ۲۶۲

۵۔ تذکرہ علماء ہند ص ۹۳

کرنہ بنوایا اور مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی سے فرمایا اس بچہ کی تعلیم و تلقین تمہارے ذمہ ہے اس کو تم اپنا خلیفہ اعظم بنانا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور خلافت چشتیہ سے مشرف فرمایا یہ طبیب دہلا سے بھی مشہور تھے۔ ان سے بہت لوگوں نے فیض پایا ان کا مزار حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے روضہ کے پاس ہے۔ ان کے والد حسام الدین ماریکلی بھی علم طب میں مہارت تار کھتے تھے یہ حکیم علم الدین شیرازی کے بارے میں صاحب نزہتہ الخواطر نے لکھا ہے کہ علوم حکمت اور فن طب میں ماہر تھے علاء الدین خلجی کے عہد میں دہلی میں فرایض در کس انجام دیتے تھے۔ برنی نے شیراز کی طرف ان کی نسبت نہیں کی ہے۔ لیکن تاریخ فرشتہ میں انہیں شیرازی لکھا ہے یہ خلجی کے بعد بھی بہت عرصہ تک زندہ رہے۔ محمد شاہ تغلق نے انہیں اپنا ندیم بنایا، انہیں قرب و اختصاص حاصل تھا اور محمد تغلق ان سے علوم میں مذاکرہ کرتا تھا۔

حکیم بمبئی دہلوی حاذق معالج تھے۔ اور عہد علاء الدین خلجی میں دہلی میں ندرسی خدمت پر مامور تھے۔

خلجی دور کی ایک کتاب صحت علانی ہے شہاب بن عبد الکریم کی کتاب طب شہابی (تالیف ۶۱۳۸۸) میں اس کا حوالہ ملتا ہے۔

عہد تغلق میں دہلی میں طبی سرگرمیاں بہت بڑھ گئی تھیں اس خاندان کے فرمانرواؤں کا طب سے ذاتی تعلق تھا۔ غیاث الدین تغلق (۱۳۲۵-۶۱۳۲۰) کی عملی دلچسپی کا یہ حال تھا کہ خسرو خاں کے مقابلہ میں فتح حاصل ہونے کے بعد اس نے

۱۔ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۷۵

۲۔ تاریخ فیروز شاہی ص ۳۴۲

۳۔ نزہتہ الخواطر جلد ۲ ص ۸۵

۴۔ نزہتہ الخواطر جلد ۲ ص ۱۷۸

۵۔ طب فیروز شاہی ص ۲

دشمن زخمیوں کی مرہم پٹی کی اور ان کا علاج کیا۔ ان زخمیوں میں نمر نام کا ایک آدمی تھا۔
غیاث الدین نے اپنے ہاتھ سے اس کے زخم پر مرہم رکھا اور پٹی باندھی امیر خسرو
نے اس موقع پر کہا تھا ہے

بدست خود جراح تھا شش میست

دوا با بہر جراح تھا شش میست

سلطان محمد شاد تغلق (۱۳۵۱-۱۳۲۵ء) کو طب سے خاص تعلق تھا، وہ نہ صرف نظری
طب میں دسترس کا مل رکھتا تھا، بلکہ حاذق معالج تھا اور اس کے ہاتھ میں شفا
تھی۔ اس کے علاج سے بہت سے مریضوں نے شفا پائی۔ سلطان معاصر اہلبا سے طب
کے کلی اور جزوی مسائل پر بحث و مباحثہ کرتا تھا اور اپنے فکری نکات سے انہیں
آگاہ کرتا تھا۔ حکیم عبید جیسا طبیب اس زمانہ میں موجود تھا۔ اس کے عہد میں
دہلی میں، شفا خانے قائم تھے۔ اور ایسے اعلیٰ کی تعداد جو سرکاری ملازمت سے
وابستہ تھے بارہ سو تھی یہ

فیروز شاہ تغلق (۱۳۸۸-۱۳۵۱ء) کی طبی دلچسپی محض شفا خانوں کے قیام اور
فن کی قدردانی کی حد تک نہیں تھی۔ اس نے جہاں اپنے دور مملکت میں دہلی میں
پانچ شفا خانے تعمیر کرائے، حاذق طبیبوں کو گراں قدر مشاہرہ پر مقرر کیا، مریضوں
کے لیے دواؤں کی فراہمی کا نظم قائم کیا، وہاں نبض نفیس علاج معالجہ کے فرائض
انجام دیئے، فیروز شاہ ہیئت، نجوم اور طب کا خاص دلدادہ تھا، سیرت فیروز شاہی

۱۔ تاریخ روابط پزشکی ایران پاکستان ص ۱۷ بحوالہ تغلق نامہ ص ۱۰۲

۲۔ تاریخ فیروز شاہی ص ۲۶۲

۳۔ تاریخ فیروز شاہی ص ۲۶۰

۴۔ اخبار عہد مغلیہ ص ۱۲: نیز مسالک الابصار ص ۲۲

۵۔ ہفت اقلیم جلد ۲ ص ۵۲۹

سے ان علوم پر اس کی وسیع معلومات کا اظہار ہوتا ہے۔ علم نجوم اور اس کے
دقائق پر اسی طرح اصطلاحات پر اس علم کے قواعد و قوانین کی روشنی میں اس نے
املا کے انداز پر کتاب لکھی ہے۔ اس موضوع کی ایک ہندی کتاب کا دلائل فیروز
شاہی کے نام سے اس کے حکم سے فارسی میں ترجمہ کیا گیا تھا۔ اصطلاحات پر ایک
کتاب میزان فیروز شاہی اس کی یادگار ہے۔ اس کی مشہور کتاب فتوحات
فیروز شاہی بھی اس کی تصنیفی حیثیت پر شاہد عدل ہے۔

سلطان نے دینی مدارس کے ساتھ طب کے مدارس بھی قائم کئے، اور طبی تعلیم
کا اہتمام کیا۔ اس کے عہد میں دہلی میں تیس مدارس تھے۔ ان میں سب سے ہمت
بالشان مدرسہ فیروز شاہی تھا جو حوض خاص میں واقع تھا۔ اس میں جن علوم کی تعلیم
دی جاتی تھی ان میں دینی علوم، ریاضی و طبعیات کے ساتھ طب بھی شامل تھی۔ اس
کی تصنیف طب فیروز شاہی کے بارے میں صاحب سیرت فیروز شاہی نے لکھا ہے
کہ معالجات امراض پر مشتمل اس کتاب میں بعض ایسے امراض کا ذکر ہے جو قانون ذخیرہ
(خوارزم شاہی) اور اعراض میں مذکور نہیں ہیں۔ بعض ایسی بیماریاں جو ماہرین فن
سے ٹھیک نہیں ہو سکی تھی، سلطان کے علاج سے ان میں مبتلا مریض شفا یا ب
ہوئے۔ مختلف امراض کے جو نسخے اس نے ترتیب دیئے ہیں ان میں ایک کحل فیروز
شاہی ہے جسے سلطان ہی کے نام سے معنون کیا گیا ہے اس کے تجویز کردہ نسخے اصول
علاج کے مطابق ہیں اور ان سے صحیح فنی شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔ امراض اور ادویہ
کی وضاحت میں بعض ہندی مترادفات بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ مثلاً استنقا کے

۱۔ سیرت فیروز شاہی ورق ۱۵۳ (الف)

۲۔ ایضاً ورق ۱۵۳ (ب)

۳۔ ایضاً ورق ۳، (ب)

۴۔ ایضاً ورق ۳، (ب)

جلد ہر، بسا کہ کے لیے جاوتری، قشار الحار کے لیے بندال، جدوار کے لیے زربسی وغیرہ۔
 عہد تعلق میں طب پر جو اہم کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں مجموعہ ضیائی اس معنی میں
 بہت اہمیت کی حامل ہے کہ اس سے بعض پیش رو مصنفین کی کتابوں کی اطلاع ملتی
 ہے۔ یہ کتاب محمد بن تعلق کے درباری طبیب ضیا محمد مسعود رشید زنگی کی ہے جسے
 اس نے ۶۱۳۳۶/۳۷۷۳۷ میں لکھا ہے۔ اس کے ماخذ سے اس کے چچائشمن مستوفی کی
 تصنیف مجموعہ شمسی کا پتہ چلتا ہے۔ یقینی طور پر اس تصنیف کا تعلق عنایت الدین تعلق
 کے زمانہ سے ہے۔

محمد بن تعلق ہی کے دور کا ایک مصنف ضیا الدین نخشی بدایونی (وفات ۱۳۵۰)
 ہے جسے طب موسیقی اور شعر و انشا میں ید بیضا حاصل تھا۔ متعدد کتابوں کا مصنف
 ہے۔ کتاب الکلیات والجزئیات کے علاوہ لذت النصار کے نام سے اس نے
 ایک کتاب تخریر کی ہے۔ اس کی ایک یادگار صناعت الطبینہ بھی ہے۔
 سلطان فیروز شاہ کے نام معنون راحت الانسان اس دور کی قابل قدر تصنیف
 ہے۔ ایسا بن شہاب الملقب بہ ضیا (۶۱۳۸۵/۳۷۸۷) اس کا مصنف ہے۔ ایشیا ٹک
 سوسائٹی کلکتہ میں اس کا نسخہ محفوظ ہے۔

سلطان سکندر لودھی (۱۵۱۷-۶۱۲۸۹) نے اپنے طبی شغف کی وجہ سے وزیر
 بہوہ بن خواص خاں سے آیور ویدک نظریات اور طریقہ علاج پر مشتمل کتاب لکھنے
 کی فرمائش کی۔ اس کی تعبیل میں ۶۱۵۱۲ میں معدن الشفا سکندر شاہی جیسی پایہ
 کی کتاب وجود میں آئی۔ اسی دور کے ایک اور امیر اور عالم طب میاں طہ جو نہ صرف
 اسلامی علوم و سائنس میں بلند مرتبہ رکھتے تھے بلکہ ہندوستانی موسیقی، طب اور دوسرے
 ہندی علوم کے ماہر تھے۔ ان کی آیور ویدک میں مہارت کا یہ عالم تھا کہ انہیں چوبیس
 ہزار طبی اشلوک یاد تھے اور وہ اس فن کے ماہرین کو طب ہندی کا

درس دیتے تھے۔ امرامن چشم پر ایک رسالہ آئینہ سکندری بھی اس عہد کی تصنیف ہے۔ اس کا واحد مخطوطہ طبیبہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں محفوظ ہے۔ یہ سلطان سکندر لودھی کے بیٹے سلطان ابراہیم لودھی (۱۵۲۶-۱۵۱۷ء) کے زمانہ میں خواجگی اصلاح اللہ نے طب ابراہیم شاہی جیسی ضخیم کتاب لکھی۔ ۵۷۵ صفحات پر مشتمل اس کا مخطوطہ سید عبدالقادر پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور کے ذخیرہ میں محفوظ تھا۔

عہد سلطنت کی کتابوں کے مطالعہ سے ہندوستان میں تہذیب فن کے لیے کی جانے والی شعور می کوشش کا پتہ چلتا ہے۔ یہ کاوشس انفرادی یا کسی ایک مصنف کا امتیاز نہیں ہے۔ عمومی اور اجتماعی طرز ذہن کا آئینہ دار ہے۔ اس سے معاشرہ کی ذہنی رفتار اور تہذیبی وثقافتی اقدار کے ساتھ سماجی اور ادبی علوم کی طرح طبی محرکات کا نہ صرف اندازہ ہوتا ہے بلکہ اس دور میں زبان اور علم و فن میں مختلف سطح پر کئے جانے والے تجربوں کی بھی نشاندہی ہوتی ہے، ان تصانیف کا مطالعہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ ان سے قدیم طرز فکر کے انحراف اور عصری تقاضوں کا احترام ہی سامنے نہیں آنا ان کے ذریعہ فن کی تشکیل نو اور نئی اساس فراہم کرنے کی کوشش کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ اس مطالعہ کے دوسرے اہم پہلو کا تعلق اطباء کے اس ذہنی رویہ سے ہے جسے ہندوستان میں پہلے سے موجود نظام طب سے تصادم کا پروردہ کہا جاسکتا ہے اس تصادم اور رد عمل کے مضمرات کا جائزہ ان کتابوں کے ذریعہ آسانی سے لیا جاسکتا ہے۔ ان کتابوں میں اس عہد کے پیشہ ورانہ تقاضوں کی جھلک بھی ملتی ہے اور اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ان تقاضوں کو طبی عاملین کے ساتھ طبی مصنفین نے بھی محسوس

۱۔ مقدمہ اسٹڈیز ان عربک اینڈ پرشین میڈیکل لٹریچر ص ۳۹ بحوالہ تاریخ مشرقی ورق ۶۹ ب

۲۔ علی گڑھ کے طبی مخطوطات ص ۱۲۸/۹

کہنا شروع کر دیا تھا۔ اس وقت کے طبی نظام میں مخصوص برتری اور مقام حاصل کرنے کے لیے یہ ان کی جدوجہد اور علمی کاوشوں کا ثبوت ہے۔ ہندوستان میں یونانی طبیوں کو عرب، ایران اور وسط ایشیا کی مملکتوں کے برخلاف آیور ویدک کی وجہ سے جس صورت حال کا سامنا کرنا پڑا وہ ان کے لیے بالکل نئی تھی۔ اس عہد کے طبیوں کے ذہنی بلوغ، بصیرت اور رفتار زمانہ پر ان کی نظر کی داد ضروری ہے کہ تہذیب یافتہ اور مستحکم نظام طب رکھنے کے باوجود انہوں نے نئے تقاضوں کا احساس کیا۔

عہد مغلیہ طب کا دور زریں

مغلیہ عہد ہندوستان کی طبی تاریخ کا دور زریں ہے، بابر (وفات ۱۵۳۰ء) کے زمانہ میں جسے خود طب کا خاص ذوق تھا، خواجہ نظام الدین علی خلیفہ حکیم میسر ابوالنقا، حکیم محمد بن یوسف ہرومی، حکیم یوسف بن محمد ہرومی، یوسفی، حکیم محمد بن اشرف حسین لایق، نرین طیب موجود تھے، انہوں نے بابر اور ہمایوں کے عہد میں ہندوستان میں طب کی عظمت کو چار چاند لگاتے، دہلی میں مولانا اسمعیل عرب نے جو طب حکمت اور ہیئت کے بے مثل عالم تھے، اور جنہیں حدیث اور تفسیر میں بھی ملکہ حاصل تھا، طبی درس و افادہ میں شہرت پائی۔ دہلی میں مدرسہ ہمایوں قائم شدہ ۹۵۳ھ/۱۵۴۵ء میں وہ درس دیتے تھے، بڑی تعداد میں طلبہ نے ان سے فیض اٹھایا۔

جہانگیر کے عہد تک اگرچہ دہلی پایہ تخت نہیں تھا اور اکبر اور جہانگیر کے عہد کے گرامی منزلت کا اظہار براہ راست دہلی سے وہ رشتہ قائم نہیں تھا جو عہد شاہجہانی اور اس کے بعد کے اظہار دہلی سے رہا، لیکن اس ابتدائی مغل زمانہ میں بادشاہوں کی معارف پروری اور مستحکم حکومت کی وجہ سے جس کثرت سے ایران اور وسط ایشیا سے اطبا کی ہندوستان آمد کا سلسلہ شروع ہوا، شاہجہاں

اور مغل سلطنت کے اضمحلال تک قائم رہا۔

شاہ جہاں (۱۶۵۱-۱۶۵۸) اور اس کے بعد کے زمانہ میں جن ممتاز طبیبوں نے دہلی میں طب کی ترقی میں حصہ لیا اور اپنے علمی، ادبی اور سیاسی کارناموں کی وجہ سے وہاں شاندار روایت قائم کی ذیل میں ان کا مختصر تذکرہ پیش کیا جا رہا ہے۔

حکیم رکن کاشی

حکیم رکن الدین مسعود جو حکیم رکن کاشی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے آباء واجداد اگرچہ شیرازہ کے رہنے والے تھے۔ لیکن کاشان میں توطن اختیار کر لیا تھا۔ طبابت خاندانی پیشہ تھا، اسی میں نخلص کرتا تھا، ایران میں شاہ عباس صفوی کا ندیم خاص تھا، مگر کسی وجہ سے مکرہ ہو کر ہندوستان چلا آیا، اور اکبر اور جہانگیر کے خوان کرم کی زلہ ربائی کی۔ شاہ جہاں جب تخت نشین ہوا تو حسب ذیل قطع لکھ کر بارہ ہزار روپیہ انعام میں حاصل کیا۔

بادشاہ زمانہ شاہ جہاں خرم و شاد و کامران باشد
بہر سال جلوس اولگتتم در جہان باد تا جہان باشد

شاہ جہاں کی اجازت سے وطن واپس گیا اور وہیں ۱۰۵ برس کی عمر میں وفات پائی۔ ملک الشعراء مرزا صاحب نے شاعری میں حکیم رکن کاشی سے استفادہ کیا تھا۔ رکن کاشی کے بھائیوں حکیم قطبا اور حکیم نصیرا کا خاندان بھی شاہی جو دو سخا سے فیضیاب ہوتا رہا، حکیم قطبا کا بیٹا حکیم ضیاء الدین رحمت خاں شاہ جہاں

۱۔ ماثر الامرا جلد ۲ ص ۲۸۳

۲۔ ماثر الکرام دفتر ۲ ص ۹۰

۳۔ صاحب رکن کاشی کے علاوہ حکیم شفقانی کا بھی شاگرد تھا۔

اور عالمگیر کے منصب داری امر میں تھا اور ابوطالب کلیم کی بیٹی اس کے جہالہ عقد میں
تھی لہٰذا سنہ ۱۰۴۴ھ میں انتقال ہوا۔ رفت بسوئے فلک باز مسیح دوم سے تاریخ برآمد
پورا خاندان شاہجہاں کے عہد میں ممتاز رہا۔ آخر میں اپنے وطن کا شان چلا گیا تھا وہیں
۱۰۴۴ھ/۱۶۵۵ء میں انتقال ہوا۔ رفت بسوئے فلک باز مسیح دوم سے تاریخ برآمد
دیوان مسیح کا نسخہ مکتوبہ ۱۱۶۶ھ/۱۷۵۲ء ذخیرہ سبحان اللہ مولانا
ہوتی ہے۔
آزاد لاہری علی گڑھ میں ہے۔

حکیم صدر ایح الزماں

اپنے والد حکیم فخر الدین شیرازی اور نامور طبیب حکیم محمد باقر خلیف حکیم عماد الدین
محمود شیرازی کا شاگرد تھا۔ اکبر کے آخری زمانہ میں ۱۰۱۱ھ/۱۶۰۳ء میں ہندوستان آیا
اور حکیم علی گیلانی سے استفادہ کیا، جہانگیر نے اسے مسیح الزماں کا خطاب اور بیچ
صد ذات اور سی صد سوار کے منصب سے ممتاز کیا۔ اس کی حیثیت و مرتبہ کا یہ حال تھا
کہ ۱۰۳۰ھ/۱۶۲۰ء میں جہانگیر کشمیر میں شدید صیق النفس کی شکایت میں مبتلا ہوا تو اس
نے درباری طبیب ہونے کے باوجود جہانگیر کے علاج سے انکار کر دیا تھا جہانگیر کو
اس کے اس رویہ سے بہت صدمہ پہنچا۔ تیزک میں جہانگیر نے اپنے رنج کا اظہار کیا
ہے۔ عذر کے طور پر اس نے کہا تھا کہ مجھے اپنی عقل اور حذاقت پر اس قدر اعتماد
نہیں ہے کہ علاجی فراموشی انجام دے سکوں۔
شاہجہاں نے تخت نشین ہونے پر حکیم صدر ایح کے اعزاز میں اہناقہ کیا اور وہ
عرض مکرر جیسے منصب رفیع پر فائز ہوا، حکیم صدر ایح پر شاہجہاں نے الطاف و عنایات

۱۔ بزم نیمبور یہ ص ۱۹۷

۲۔ تیزک جہانگیری ص ۷۴

۳۔ ایضاً ص ۳۲۰

کی بارش کی۔ اٹھارویں جلوس شاہ جہانی میں جہاں آرا کے آگ سے بری طرح جلنے پر حکیم صدر نے کامیاب علاج کیا۔ اس کے صلہ میں اس کا سالانہ مشاہرہ تیس ہزار سے بڑھا کر پچاس ہزار کر دیا گیا۔ اور دس ہزار روپیہ بطور انعام عطا کئے گئے۔ ۱۰۶۱ھ کو کشمیر میں وفات پائی۔

حکیم صدر کا سلسلہ نسب عہد نبوی کے طبیب حارث بن کلدہ تک پہنچتا ہے یہ طب کے ساتھ عقلی و نقلی علوم میں امتیاز رکھتا تھا، شرح ہدایتہ الحکمتہ اس کی مشہور کتاب ہے۔ ملا نظام الدین سہالوی نے اس پر حاشیہ لکھا ہے، صدر نے جہانگیر کے زمانہ میں دوسرے حج کی سعادت حاصل کی تھی۔

حکیم مومن انبیرازی

مہابست خاں کے توسط سے ۱۰۳۱ھ/۱۶۹۲ء میں جہانگیر کے دربار سے وابستہ ہوا۔ یہ فصد کا ماہر تھا۔ متعدد موقعوں پر جہانگیر کی فصد کھولنے کے صلہ میں انعامات سے نواز گیا۔ اور ایک ہزاری منصب پر سرفراز ہوا۔ شاہ جہاں کے زمانہ میں ترقی پا کر اس کا سالانہ مشاہرہ تیس ہزار تک پہنچ گیا تھا۔

اورنگ زیب کے عہد میں بھی بہ دربار شاہی سے وابستہ رہا۔ اورنگ زیب کے آخری ایام میں بھی اس نے علاجی فرالغض انجام دیتے رہے۔

۱۔ عمل صالح جلد ۲ ص ۳۲۰

۲۔ عمل صالح جلد ۳ ص ۳۸۶

۳۔ عمل صالح جلد ۳ ص ۳۸۷

۴۔ بادشاہ نامہ جلد ۲ ص ۲۳۲

۵۔ عالمگیر نامہ ص ۹۲۶

حکیم الملک حکیم ابوالقاسم گیلانی

حکیم شمس الدین کا بیٹا اور حکیم علی گیلانی کا ماموں زاد بھائی تھا۔ جہانگیر کے زمانہ میں اگرچہ بحیثیت طبیب شہرت ہو چکی تھی لیکن شاہ جہاں کے عہد میں عروج و اقبال کی بلندی تک پہنچا۔ مغلیہ عہد کی طبی تاریخ میں غالباً یہ واحد مثال ہے کہ بادشاہ کے حکم کے باوجود کسی طبیب نے علاج سے انکار کیا ہو، حکیم ابوالقاسم کی جہانگیر کے علاج سے بے توجہی کے نتیجے دربار کی سازشیں اور طبیب کا شاہ جہاں کی طرف التفات نظر آتا ہے۔ ۱۰۳۰ھ/۱۶۲۰ء میں جہانگیر کشمیر میں ضیق النفس میں مبتلا ہوا، حکیم روح اللہ اور حکیم رکن کاشی کے علاج سے فائدہ نہیں ہوا۔ سینہ میں بائیں طرف ہوا کی نالی میں گرائی محسوس ہوتی تھی اور سانس رکنا تھا۔ کمزوری بہت بڑھ گئی تھی۔ حکیم صدرا اور حکیم ابوالقاسم شاہی احسانات کے باوجود علاج پر آمادہ نہیں ہوئے، جہانگیر نے اپنی نزدیک میں اس واقعہ کا جس طرح ذکر کیا ہے اس کے ایک ایک لفظ سے رنج اور مایوسی کا اظہار ہوتا ہے۔

شاہ جہاں کے پہلے ہی جلوس میں آبائی خطاب حکیم الملک اور دو ہزاری منصب عطا ہوا، اور پانچ ہزار روپے نقد مرحمت ہوئے۔ ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۰ء میں یہ سفر حج کے لیے روانہ ہوا، شاہ جہاں نے ساٹھ ہزار روپیہ وہاں مستحقین کو تقسیم کرنے کے لیے اسے دیئے۔ حکیم ابوالقاسم شاہ جہاں کے نہایت معتمد اور راز دار اہلبا میں تھا۔

۱۔ تزک جہانگیری ص ۳۲۰

۲۔ عمل صالح ص ۷۸۰ نہ ہنہ الخواطر جلد ۵ ص ۳۱

۳۔ اہلباۓ عہد مغلیہ ۲۲

حکیم محمد معصوم تستری

حکیم محمد معصوم بن کریم الدین علوم حکمت میں فاضل عصر تھا۔ شیراز میں پیدا ہوا اور وہاں کے اساتذہ کے دامن فیض سے مستفید ہو کر شاہ جہاں کے زمانہ میں ہندوستان آیا۔

قرابادین معصومی اس کی مشہور تصنیف ہے۔ اسے اس نے ۱۰۵۰ھ/۱۶۴۰ء میں مکمل کیا تھا۔

حکیم محمد بن احمد گیلانی

حکیم محمد بن احمد بن حکیم الملک شمس الدین گیلانی مکہ میں پیدا ہوا۔ وہیں نشوونما پائی۔ سلطان شریف محسن کا وہاں تقرب حاصل رہا۔ شریف احمد کے برسر اقتدار آنے کے بعد ۱۰۳۹ھ/۱۶۲۹ء میں ہندوستان آیا۔ بہترین شاعر تھا۔ اس کے قصیدے مشہور ہیں۔

عبدالحمید نے بادشاہ نامہ میں اس کی بڑی تعریف کی ہے، لکھا ہے کہ یہ صالح اور فاضل شخص تھا اپنے اخلاق و عادات کی وجہ سے اسے مقبولیت حاصل تھی۔ شاہ جہاں نے دہلی کے دارالقضا کی ولایت اسے عطا کی تھی۔ خلاصتہ الاثر کے مطابق ۱۰۵۰ھ/۱۶۴۰ء میں فوت ہوا۔

۱۔ نزہتہ النواظر جلد ۵ ص ۳۹۰

۲۔ نزہتہ النواظر جلد ۵ ص ۳۲۵

امان اللہ خاں

امان اللہ خاں المتخاطب بہ خان ترمان فیروز جنگ (ابن مہابت خاں خانخانان) اپنی مشہور طبی تصنیف گنج باد اور دکی وجہ سے دہلی کی طبی تاریخ کا نہایت ممتاز نام ہے۔ پون درجن کتابوں کا یہ مصنف طب میں دستگاہ کامل رکھتا تھا اور تلوار کا بھی دھنی تھا۔ اس نے کابل کی نایب امارت اور بالاکھاٹ کی امارت (گورنری) کے فرائض انجام دیئے۔ شاہ جہاں کی طرف سے دکن کی جنگ میں سرگرم رہا۔ اور وہیں بالاکھاٹ میں ۱۰۲۶ھ/۱۶۳۶ء میں سفر آخرت کیا۔ شاہ جہاں نے پنج ہزاری منصب اور خان زمان کا خطاب عطا کیا تھا۔

گنج باد اور دطب کے قرا بادینی ذخیرہ کی ان مہتمم بالشان کتابوں میں ہے جو ہندوستان میں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ اس ضخیم کتاب کی تصنیف میں اس نے ۱۰۵ کتابوں سے مدد لی ہے۔ ماخذ کی اس طویل فہرست سے کتاب کے معیار اور مصنف کے مطالعہ کی وسعت اور ذوق تحقیق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اس کا مکمل نسخہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں محفوظ ہے۔ اس کی کتاب دستورالاطبار (تالیف ۱۰۳۸ھ) کا ایک خطی نسخہ راقم الحروف کے ذخیرہ کی زینت ہے۔

امان اللہ کی دوسری کتابوں میں دستور الہند سنسکرت کی کتاب مدن ونود کا فارسی ترجمہ ہے، یہ ترجمہ اس نے ۱۰۲۳ھ/۱۶۳۵ء میں کیا تھا۔

ام العلاج اس کی ایک اور طبی تصنیف ہے۔ یہ زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے اس کا سال تالیف ۱۰۳۶ھ/۱۶۲۷ء ہے۔ مفتاح الحدود اس نے اپنے والد

لے علی گڑھ کے طبی مخطوطات ص ۵۱/۱۲۸ نیز ص ۲۰/۱۲۸۔ طب اسلامی برصغیر میں ص ۸۶

گرامی مہابت خاں کے نام معنون کیا ہے رقصات امان اللہ حسینؒ، ہم عصر صوفیاء کے نام خطوط کا مجموعہ ہے۔ جن میں تصوف اور عرفان کی بہت سی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ انشائے خانہ زاد خاں۔ اس کے خطوط کا دوسرا مجموعہ ہے اس میں سیاسی اور ملکی مسائل سے گفتگو کی گئی ہے۔ چہار عنبر دانش، ضخیم لغت ہے اور دیوان امائی اس کی شاعری اور کلام پر دسترس کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کی ایک کتاب تاریخ عالم بھی ہے۔

حکیم حاذق

حکیم کمال الدین متخلص بہ حاذق حکیم ہمام کا بڑا بیٹا اور حکیم ابوالفتح گیلانی کا بیٹے نہایت ذہین اور دانش مند تھا۔ فچپور سیکری میں پیدا ہوا، منطق، حکمت اور شعر میں مرتبہ کمال رکھتا تھا۔ امام قلی خاں کے دربار میں بلخ کی سفارت پر بھیجا گیا۔ ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۱ء میں حکیم مسیح الزماں کی جگہ عرض مکر کے عہدہ پر فائز ہوا، سہ ہزاری منصب تھا۔ سلطنت کے کاروبار سے علاحدہ ہونے پر بیس ہزار سالانہ وظیفہ مقرر ہوا جو بعد میں بڑھ کر چالیس ہزار سالانہ تک پہنچ گیا۔ یہ وراثت میں طبابت اور امارت کے علاوہ علم و ادب کا بھی ذوق پایا تھا، کچھ دنوں درباری مورخوں کے ساتھ اس عہد کی تاریخ لکھنے میں بھی شریک رہا۔ اس کے اشعار صاف اور پاکیزہ ہوتے تھے۔ رعونت اور خود پسندی میں مشہور تھا۔ خود بینی کی بنا پر شاعری میں اپنے کو انوری سے بہتر تصور کرتا تھا۔ اپنے دیوان کو بڑی زینت اور آرائش سے لکھو اگر ایک مرصع طشت پر رکھتا تھا۔ اور مطلقاً رحل پر رکھ کر اپنا کلام سناتا تھا۔ مولانا آزاد علی گڑھ میں اس کا نسخہ ہے۔ ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۷ء کے قریب وفات ہوئی۔

لہ ماثر الامرا جلد ۱ ص ۵۸۵

نہ بزم تیموریہ ص ۲۰۲

حکیم نوشال

حکیم نادوں کا چھوٹا بھائی تھا اپنے باپ اور چچا ابو الفتح بن عبد الرزق سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ شاہ جہاں نے تخت نشینی پر اسے ایک ہزار سی و دو صد سوار منصب عطا کیا تھا۔ ۱۰۵۰ھ/۱۶۴۱ء میں وفات پائی۔ یہ دکن کی واقعہ نویسی اس کے سپرد تھی۔

سنتی النساء خانم

ملک الشعرا طالب آملی کی بہن اور حکیم نصیرا کاشی کی بیوی تھی۔ مسائل طبیہ اور معالجہ امراض میں درک تھا۔ پیچیدہ بیماریوں کے علاج میں خصوصی مہارت رکھتی تھی۔ طب میں امتیازی دستگاہ کے ساتھ فارسی شعر و ادب، قرآن و تجوید، امور خانہ داری اور حسن و معاشرت میں بے نظیر تھی، انہی خوبیوں کی بدولت شاہ جہاں کی بیٹی جہاں آرا کی تعلیم و تربیت اس کے سپرد ہوئی۔ وہ ممتاز محل سے بھی وابستہ رہی، ممتاز محل کے انتقال کے بعد شاہ جہاں نے اسے حرم کا مختار کل بنا دیا تھا۔ ۱۰۵۶ھ/۱۶۴۶ء کو لاہور میں وفات ہوئی، بادشاہ نے جو خود لاہور میں موجود تھا، ٹھہر و تکفین کے لیے دس ہزار روپیہ عطا کئے۔ وہاں ایک برس نعش محفوظ رکھنے کے بعد آگرہ میں تاج محل کے مغربی جانب تیس ہزار روپیہ

۱۔ نزہتہ النواظر جلد ۵ ص ۴۳

۲۔ عمل صالح جلد ۲ ص ۷۷

۳۔ نزال الامرا جلد ۲ ص ۷۹۲

کے صرف سے تعمیر کردہ مقبرہ میں اسے دفن کیا گیا۔ مقبرہ کے سالانہ اخراجات کے واسطے شاہ جہاں نے بیس ہزار کی آمدنی کا ایک گاؤں وقف کیا تھا۔ کوئی اولاد نہیں تھی اپنے بھائی طالب آملی کی دو بیٹیوں کو گود لیا تھا۔ بڑی کی شادی عاقل خاں سے اور چھوٹی کی شادی حکیم ضیاء الدین مخاطب بہ رحمت خاں ابن حکیم قطبا سے ہوئی تھی۔

حکیم فتح اللہ شیرازی

حکیم ابوالفہم شیرازی کا پیشا تھا، شیراز میں پیدا ہوا، وہاں کے اساتذہ سے تحصیل علم کی۔ امام قلی بن اللہ وردی خاں کی امارت سے وابستہ تھا، اس کے انتقال کے بعد شاہ جہاں کے زمانہ میں ہندوستان آیا اور شاہ جہاں کے درباری اطباء میں شامل ہوا۔ یہ فن طب کا دقیقہ شناس اور مشکل امراض کے علاج کا ماہر تھا، دوا کی ترکیب استعمال اور تشخیص مرض میں ثانی نہیں رکھتا تھا۔ شاہ جہاں اس کے فضل و کمال سے متاثر تھا۔ ۱۰۵۵ھ/۱۶۴۵ء کو ہزاری منصب عطا ہوا۔ ۱۰۶۳ھ/۱۶۵۳ء میں اس کی وفات کے بعد شاہ جہاں نے اس کے بیٹے محمد صالح کو صالح خانی خطاب اور یک ہزاری منصب سے ممتاز کیا اور نگ زیب کی طرف سے بھی عنایت و نوازش کا سلسلہ رہا۔ اور نگ زیب جب شجاع کو شکست دے کر کچھوہ سے آگرا آیا تھا اور باغ نو منزل میں ٹھہرا ہوا تھا تو حکیم صالح کو مرصع خیر عطا کیا، جشن جلوس کے موقع پر ایک ہفتی انعام میں دی گئی۔ اور یہ ہزار پانصدی و یک صد سوار کے رتبہ کو پہنچا۔ ۱۰۸۲ھ/۱۶۷۲ء میں اس کی وفات پر اور نگ زیب نے حکیم محسن اور اس کے دوسرے بیٹوں کو ممانعتی

۱۔ بادشاہ نامہ جلد ۲ ص ۲۹۔

۲۔ آثار الکریم دفتر دوم ص ۴۴

۳۔ عمل صالح جلد ۳ ص ۳۷۷۔ نزہۃ النواظر جلد ۵ ص ۳۰۳

خلعت دیئے، اور حکیم محسن خاں کے بیٹے محمد علی خاں کو توشہ خانہ کا داروغہ مقرر کیا۔ حکیم محسن کو اورنگ زیب کی وفات کے بعد شہزادہ کام بخش نے تقرب خاں کا خطاب اور منصب وزارت عطا کیا، لیکن شاہ عالم کے مقابلہ میں کام بخش کو شکست نصیب ہوئی اور حکیم محسن مارا گیا۔ حکیم محسن کے دوسرے بیٹے حکیم حاذق خاں تھے۔

حکیم داؤد تقرب خاں

حکیم عنایت اللہ خاں کا بیٹا تھا۔ عنایت اللہ خاں کو حکیم فخر الدین محمد شبیر ازمی سے نسبت تلمذ حاصل تھی۔ بچپن سے ہی باپ کے انتقال کے بعد حکیم داؤد اپنی حذاقت اور تجربہ کاری کے سبب شاہ عباس کا اور اس کے بعد شاہ صفی کا طبیب خاص ہو گیا۔ ۱۰۵۳ھ/۱۶۴۳ء میں ہندوستان آیا۔ اکبر آباد میں شاہ جہاں نے باریابی کا موقع عطا کیا۔ ابتدا میں ہزار روپے نقدی و دو صد سوار کا منصب اور بیس ہزار روپیہ عنایت کئے گئے۔ شاہ بادشاہ کی ملازمت میں آنے سے بیس دن قبل شاہ جہاں کی بیٹی بیگم صاحبہ جل گئی تھی اور اس کی پشت پسلیوں اور دونوں ہاتھوں پر آگ کا اثر تھا۔ اس کے علاوہ شہزادی بخارہ دست اور ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کے پپوٹوں کے ورم میں مبتلا تھی۔ اطباء اور جراحوں کا علاج چل رہا تھا، حکیم داؤد نے ان عوارضات کے علاج میں بڑی حذاقت کا ثبوت دیا، شہزادی جو زخموں کی تکلیف کے سبب بخار میں مبتلا تھی، سرد ادویہ مثلاً کافور اور ترشبیوں سے اس کا تدارک کیا، ضعف قلب کے لیے مارا اللہم بخویز کیا، حکیم داؤد کی رائے میں دست

۱۔ ماثر عالمگیری ص ۱۳۱

۲۔ نزہتہ النواظر جلد ۵ ص ۱۲۵

۳۔ عمل صالح ص ۲۰۲

بند کر نامناسب نہیں تھا۔ لیکن حکیم مومن نے انہیں روکنے کی طرف توجہ دلائی چنانچہ حکیم مومن نے زیرہ سے دستوں کا علاج کیا۔ مگر اسی درمیان شہزادی کو سوراخ لگ گیا۔ حکیم داؤد نے آب کاسنی بنا اور معجون انزجی کا استعمال کیا جس سے ورم میں کمی آئی۔ اور آثار تندرستی ظاہر ہونے لگے تھے کہ اسی دوران حکیم مسیح الزماں صدرالامور سے دہلی آیا اور علاج میں حکیم داؤد کے ساتھ شریک ہوا۔ اس نے نسخہ میں معجون وردی کا اضافہ کیا اور شہزادی صحت یاب ہوئی شاہ جہاں نے غسل صحت پر حکیم داؤد کو دو ہزاری منصب اخلعت، گھوڑا مع طلائی زین اور ہاتھی عطا کیا۔ سنہ ۲۰ جلوس میں تقریب خاں کا خطاب اور سنہ ۲۳ جلوس میں سہ ہزاری منصب اسنہ ۲۴ جلوس میں اکبر آبادی محل کے علاج کے صلہ میں تیس ہزار روپیہ اور منصب میں پانچ سو کا اضافہ سنہ ۲۷ جلوس میں چار ہزاری منصب عطا ہوا۔

ایک دن سو ہاتھی بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہوئے۔ حکیم داؤد نے ایک ہتھنی پسند کر کے علاء الملک کے کان میں اہستہ سے کہا کہ اگر بادشاہ یہ ہتھنی مجھے بخش دیں تو بہت اچھا ہو۔ ابھی یہ سرگوشی ختم نہیں ہوئی تھی کہ بادشاہ نے داؤد کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم نے یہ ہتھنی تمہیں عطا کی۔ یہ واقعہ ۱۰۲۸/۶۱۴۳۸ کا ہے بادشاہ کی حکیم داؤد پر توجہ کا یہ عالم تھا کہ وہ اس کے بھانجے سے اپنی بیٹی کا عقد کرنے پر آمادہ تھا۔

سنہ ۳۱ جلوس میں شاہ جہاں جس بول میں مبتلا ہوا اور سرد مہر رات کے استعمال سے اسے سلس البول اور قبض کی شکایت ہو گئی۔ دربار کے بڑے بڑے حاذق اطباء کی تدبیر کارگر نہیں ہوئی، حکیم داؤد کی حذاقت نے کام کیا، اس نے قبض کا شیرخشت سے علاج کیا، جس سے بہت فائدہ ہوا۔ بادشاہ تبدیل آب و ہوا کے خیال سے دہلی سے آگرہ گیا اور ماراللم اور طبیعت کو قوت دینے والی دوسری دواؤں سے صحت یاب ہو گیا اس خوشی میں پنج ہزاری منصب پر فائز کیا گیا۔

شاہ جہاں کی نظر بندی کے زمانہ میں اورنگ زیب نے اسے خدمت میں

مامور کیا اور تیس ہزار اشرفی بطور انعام دیں۔ لیکن بعد میں کسی وجہ سے اس پر عالمگیر کا عتاب ہوا۔

فنی حذافت اور علاجی کمالات کے علاوہ پودوں کے اثرات بڑھانے کے سلسلہ میں اس کا ایک کامیاب تجربہ تاریخوں میں محفوظ ہے۔ ریلو اس جو کابل کا پہاڑی پھل ہے اس کے متعلق ۱۰۵۶/۱۹۲۶ میں اس نے کہا اگر اس کی جڑ میں ایک بالشت چوڑا کر رکھا کھود کر برف سے بھر دیا جائے تو اس کی بالیدگی میں بیس گنا اضافہ ہو جاتا ہے چنانچہ برف کے پانی سے اس پودے کی نشوونما کا تجربہ کیا گیا اور یہ بات بالکل درست ثابت ہوئی حکیم داؤد نے ۱۰۷۳/۱۹۶۳ میں وفات پائی۔ اس کے بیٹے محمد علی خاں کو جو باپ کے ساتھ معزول کر دیا گیا تھا، اورنگ زیب نے خلعت اور ڈیڑھ ہزاری منصب عطا کیا۔ اورنگ زیب کے زمانہ میں یہ ہمیشہ قرب شاہی سے سرفراز رہا ۱۰۷۲/۱۹۶۳ میں انتقال کیا۔

حکیم نور الدین بن عبد اللہ

حکیم نور الدین عبد اللہ بن عین الملک شیرازی نامور علمی خاندان کا فرد ہے۔ عین الملک عہد اکبری کا ممتاز طبیب تھا اور دوائی تخلص کرتا تھا۔ طب میں فواید انسان اس کی مشہور کتاب ہے۔ نور الدین آگرہ میں پیدا ہوا، شاہ جہاں کے زمانہ میں جن طبیبوں نے شہرت حاصل کی ان میں اس کا درجہ علم و فضل کے اعتبار سے بہت بلند ہے۔ شاہ جہاں نے اسے عین الملک کے خاندانی خطاب سے سرفراز کیا۔ عہد عالمگیری میں بھی بہ مہر احم خسروانہ سے نوازا گیا اور دیوان بیوتات کے عہدہ پر فائز ہوا۔

۱۔ الجائے عہد مغلیہ ص ۸۹۔ بحوالہ منتخب الباب جلد ۱ ص ۷۹۹ و ۷۹۸

۲۔ زہنۃ الخواطر جلد ۵ ص ۱۲۵

۳۔ ماثر الامر جلد ۱ ص ۲۹۰ تا ۲۹۳

۴۔ عالمگیر نامہ ص ۳۲۲

طب کے علاوہ شعر و ادب اور تصوف سے خاص ذوق تھا۔ پون درجن کتابیں اس کی یادگار ہیں۔

۱۔ طب دار اشکوہی :- دار اشکوہ کے نام معنون ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء کی یہ تصنیف معالجات کی اہم کتابوں میں شمار کئے جانے کے لائق ہے۔ اس میں قدیم اطباء کے اقوال و مجربات کے علاوہ اطباء ہند کے معمولات بھی درج کئے گئے ہیں، اور آپور ویدک کے تجربات سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ دو حصوں پر مشتمل اس ضخیم کتاب سے عہد مغلیہ کے طبیبوں کے طریقہ مطب، جہت علاج اور فن نسخہ نویسی کے مطالعہ میں مدد ملتی ہے۔

۲۔ سبب کسندر شیدیہ :- حفظ صحت سے متعلق ہے، اور صحت کے لیے چھ ضروری امور پر اس میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔

۳۔ انیس المعالجین :- مطبع نول کشور سے متعدد بار طبع ہوئی ہے۔

۴۔ الفاظ الادویہ :- علم الادویہ سے متعلق ہے۔ حروف تہجی کی ترتیب سے مفرد اور مرکب دوائیں بیان کی گئی ہیں۔ دواؤں کے مترادف نام لکھنے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ کتاب کا سال تصنیف ۱۰۳۸ھ ہے اور یہ شاہ جہاں کے نام منسوب ہے ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء میں مطبع نول کشور لکھنؤ کے علاوہ دوسرے مطابع سے متعدد بار طبع ہوئی ہے۔

۵۔ قسطاس الاطباء :- طبی لغت ہے۔ ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۰ء کی مرتبہ اس کتاب کو اپنے ولی نعمت حکیم امان اللہ خان زمان فیروز جنگ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ "الفاظ جید طب" اور "نظم" سے تاریخ ۱۰۴۰ء پر آمد ہوئی ہے۔

۶۔ مراتب الوجود :- توجید اور وجود باری پر بحث کی گئی ہے۔ یہ ۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء کی تصنیف ہے اور شاہ جہاں کے نام معنون ہے۔

۷۔ واقعات ابوالفضل :- ابوالفضل کے خطوط جو اس نے مختلف لوگوں کو لکھے ہیں جمع کئے ہیں۔

- ۸۔ لیڈ فیضی :- فیضی کے خطوط ہیں جنہیں اس نے ۱۰۳۵ھ/۱۶۲۵ء میں جمع کیا تھا۔
- ۹۔ انشاء نیاز دانش :- ادبی خطوط کا مجموعہ ہے، جنہیں اس نے بعہد جہانگیر مرتب کیا تھا۔ نور الدین کا بیٹا شمس الدین بھی طبیب تھا اور نور جہاں کے باپ اعتماد الدولہ مرزا غیاث بیگ کا طبیب خاص تھا، دیباچہ کے مطابق اس نے اپنی کتاب طب غیاثیہ ولی نعمت مرزا غیاث بیگ کے نام سے موسوم کی ہے۔ تب غیاثیہ کا مخطوط انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹری آف اینڈ یسین جیدر آباد میں محفوظ ہے۔

حکیم محمد مہدی اردستانی

حکیم محمد مہدی ایران میں پیدا ہوا اور وہیں کے اساتذہ سے تعلیم پائی اورنگ زیب کے عہد میں ہندوستان آیا، اورنگ زیب کے درباری اطباء میں حکیم مہدی اور حکیم محمد امین شیرازی بادشاہ کے خاص معتمد تھے، اور شاہی خاندان کے خصوصی معالج کی حیثیت سے امتیاز رکھتے تھے۔ ۱۰۷۲ھ/۱۶۶۲ء میں عالمگیران کے علاج سے شفا یاب ہوا اور یہ انعام و عطا یا سے نوازے گئے۔

حکیم مہدی عالمگیر کی طرف سے ایک ہزاری منصب پر ممتاز تھا۔ ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۳ء میں اسے حکیم الملک کا خطاب ملا ۱۱۰۴ھ/۱۶۹۲ء میں شہزادہ محمد اعظم کے مرض استسقا کا اس نے جس کا میابانی سے علاج کیا اس کی تفصیل مائٹز عالمگیری میں پیش کی گئی ہے اس کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہزادہ کا مرض مایوسی کے کس درجہ تک پہنچ گیا تھا۔ اس نے جن دواؤں سے علاج کیا ان میں معجون الذہب بھی شامل تھی۔ اس کے صلہ میں ۱۱۰۵ھ/۱۶۹۳ء میں دو ہزار انٹرنی، خلعت اور ہاتھی انعام میں دیے گئے بلکہ منصب میں ترقی ہوئی اور یہ چار ہزاری تک پہنچا ہے۔

اس کے مجربات پر مشتمل ایک کتاب منجذ الشفا کا مخطوط محمد عمران خاں کے ذاتی ذخیرہ میں ہے بلکہ مگر انہوں نے مغالطہ سے اسے حکیم اکبر ازانی کی نسیف سمجھا ہے۔

حکیم محمد کاظم

عالمگیر کے خاص طبیبوں میں تھا۔ پانچ صدی منصب عطا ہوا تھا، اس نے متعدد مثنویاں لکھی ہیں جن میں آئینہ خانہ پیری خانہ، ملاحظت احمدی، صباحت پوسفی کمال محمدی میں اس نے اپنی کلیات انفاس مسیحی کے نام سے مرتب کی تھی۔ خود ستانی اور خود یعنی بہت تھی۔ خود ہی مسیح البیان کا خطاب اختیار کر لیا تھا، حاج نخلس تھا

حکیم محمد امین شیرازی

عالمگیر کے عہد حکومت میں ڈیڑھ ہزاری منصب پر فائز تھا۔ یہ منصب اسے آغاز جلوس ہی میں حاصل ہو گیا تھا۔ متعدد موقعوں پر انعامات سے نوازا گیا۔ اس عہد کے طبیبوں میں حکیم امین اور محمد ہمدانی اردکستانی بہت حاذق سمجھے جاتے تھے۔ یہی دونوں بادشاہ کا علاج کرتے تھے۔ سنہ ۵ جلوس ۱۰۷۲ھ / ۱۶۶۱ء میں اورنگ زیب کو بخار اور سورمزاج کی شکایت ہوئی۔ ان لوگوں نے بادشاہ کی فصد کھلوانی اور علاج شروع کیا۔ بادشاہ کا بخار بہت شدید تھا، بار بار غشی طاری ہو جاتی تھی چونکہ فصد میں کافی خون نکالا گیا تھا اس لیے کمزوری بھی موجود تھی۔ رات بھر میں بادشاہ

۱۔ طب اسلامی برصغیر ص ۲۶۲

۲۔ بزم تجویبہ ص ۲۷۲

۳۔ نوسن انشا بہ جلد ۲ ص ۳۵

کے چہرہ کارنگ اڑ گیا۔ تمام رات محل کی عورتوں کا مجھوم رہا۔ سب بے قرار اور مضطرب تھیں۔ دوسرے ہفتہ میں مرض میں اتنی زیادتی ہوئی کہ منواتر تین روز تک بادشاہ آرام گاہ خاص سے باہر نہ آسکا۔ پہلی بیماری میں بعض اور عوارض شریک ہو گئے۔ اس بیماری میں حکیم محمد ا۔ بن اور حکیم محمد ہمدی اتفاق رائے سے علاج کر رہے تھے۔ دونوں نے محنت اور دلچسپی سے مناسب تدابیر کیں اور بادشاہ کو صحت حاصل ہوئی۔

معمد خاں نے تاریخ محمدی میں محمد ا۔ بن شیرازی کو حاذق خاں سے مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "۲۷ برس کی عمر میں ۱۶ ذی قعدہ ۱۱۲۳ھ / ۱۷۳۰ء کو دہلی میں فوت ہوا"۔ معمد خاں کا یہ بیان عالمگیر کے پہلے جلوس یعنی ۱۰۶۸-۱۱۰۱ھ / ۱۶۵۸ء میں ڈیڑھ ہزار می منصب پر فائز ہونے اور ۱۰۷۲ھ / ۱۶۶۱ء میں عالمگیر کے کامیاب معالجہ کی روایت کی روشنی میں کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جب کہ ۱۱۲۳ھ / ۱۷۳۰ء میں ۲۷ برس کی عمر میں وفات کے حساب سے محمد ا۔ بن کی پیدائش ۱۰۹۶ھ / ۱۶۸۲ء قرار پاتی ہے۔ میرے نزدیک تاریخ محمدی کا یہ اندراج یقینی طور پر صحیح نہیں ہے۔

حکیم معصوم خاں

صاحب علم اور صاحب نظر طبیب تھا۔ شیراز سے تحصیل طب کے بعد ہندوستان آیا اور شہزادہ محمد اعظم شاہ کی سرکار سے وابستہ ہوا۔ اس نے غالباً سورالقیہ کی علامات دیکھ کر شہزادہ کو اسنفاس کے خطرہ سے آگاہ کیا تھا اور مناسب پریہیز اور علاج کا مشورہ دیا تھا۔ شہزادہ نے خیال نہیں کیا اور حکیم معصوم کے انتقال کے

۷۰ عالمگیر نامہ ص ۷۰

۷۱ تاریخ محمدی ص ۷۱

دو برس بعد ۱۱۰۲ھ/۱۶۹۲ء میں شدید استنقا میں مبتلا ہوا۔ حکیم معصوم ۱۱۰۲ھ
۱۶۹۰ء میں فوت ہوا تھا۔

حکیم نعمت خاں عالی

مرزا محمد علی نام تھا۔ لیکن نواب نعمت خاں عالی سے شہرت ہوئی، ہندوستان
میں پیدا ہوا۔ صغریٰ میں باپ کے ساتھ شیراز گیا اور وہیں تعلیم پائی۔ ہندوستان
آیا تو شفیقانی یزدی مخاطب بہ دانش مند خاں کے سامنے بھی زانو تے تلمذتہ کیا۔
طب کے آبائی پیشہ سے وابستہ رہا۔ یا قاعدہ مطلب کرتا تھا۔ اس کے والد حکیم فتح الدین
بھی لائق طبیب تھے۔ حکیم محسن خاں اور حکیم الملک حکیم حاذق خاں بھی اس کے
عزیزوں میں تھے۔

حکیم نعمت خاں اور نگ زیب کے ملازمان خاص میں تھا شاہی فوج کے
وقایع نگار کی حیثیت سے اسے دکن بھیجا گیا تھا۔ اور نگ زیب نے ۱۰۹۷ھ/۱۶۸۵ء
میں جب حیدرآباد فتح کیا تو عالی نے یہ تاریخ لکھی۔

از نصرت پادشاہ غازی گردید دل جہانیاں نثار
آمد بقلم حساب تاریخ شد فتح بھنگ حیدرآباد
اور نگ زیب نے خوش ہو کر خلعت و انعام دید۔ حیدرآباد سے دہلی واپس کر ۱۱۰۱ھ
۱۶۸۹-۹۰ء میں عالی نے مکان تعمیر کیا۔ اس کی درج ذیل تاریخ لکھی ہے
ز ملک دکن آمد سوئی دہلی چو از ظلمت آید کسی جانب منو
بنا کردم این جا و تاریخ گفتم اہلی مبارک کنی خانہ نو
دو برس بعد اس نے دہلی میں دیوان خانہ بنوایا۔ اس کی تاریخ کا یہ قطعہ کہا ہے

لے ماثر عالمگیری ص ۳۶۱

الحمد لو اہب العطا یا انعام نمودم این بنا را

پانچ پتی سال آن نداداد این خانہ ہمیشہ آباد باد

۱۱۰۴/۶۱۶۹۲ میں اورنگ زیب نے نعمت خاں کا خطاب اور باورچی خانہ کا داروغہ مقرر کیا۔ عالی نے اس واقعہ کی تاریخ ”شکر نعمت واجب“ سے نکالی۔ آخر عہد میں اورنگ زیب نے مقرب خاں کے خطاب سے سرفراز کیا اور جو اہر خانہ نگین دولت کا داروغہ بنایا۔ بہادر شاہ کے زمانہ میں دانشمند خاں کا خطاب ملا۔ سہ ہزاری منصب عطا ہوا۔ بہادر شاہ نامہ لکھ رہا تھا کہ زندگی کو خیر باد کہا۔ سال وفات ۱۱۲۱/۶۱۰۶۱ ہے۔ بعض لوگوں نے دہلی اور بعض نے حیدرآباد اور لاہور جائے وفات لکھی ہے۔

اس کی تصانیف میں وقایع نعمت خاں عالی مشہور ہے۔ دوسری کتابوں میں خوان نعمت، نغمات، رقعات نعمت خاں، جنگ نامہ حسن و عشق، کلیات عالی، سخن عالی (اس میں ہجو بھی شامل ہیں مثلاً، ہجو حکما، مناظرہ اطبا وغیرہ) ہیں۔ ہندوستان کے فارسی شعرا میں عالی بڑا طنز نگار اور ہجو نویس تھا، اس لئے لوگ اسے پسند نہیں کرتے تھے۔ اورنگ زیب اس کی دریدہ دہنی سے واقف تھا، لیکن وہ قصداً اغماض کرتا تھا۔ ایک بار کامگار نامی امیر کی شادی کے موقع پر اس نے ہجو لکھی تو امیر نے اورنگ زیب سے شکایت کی، مگر بادشاہ نے درگزر سے کام لیا۔

ابتدا میں طب کی مناسبت سے حکیم تخلص اختیار کیا تھا، بعد میں دانشمند خاں کے کہنے سے عالی تخلص کیا۔ اس کے کلام میں طبی اصطلاحات کثرت سے ملتی ہیں۔ وقایع حیدرآباد، مجموعہ انشا اور جنگ نامہ کے نسخے مولانا آزاد علی گڑھ میں موجود ہیں۔

لہ نہتہ الخواطر جلد ۶ ص ۲۴۵ صاحب نہتہ نے شفیقانی کی جگہ شفیع لکھا ہے۔

طہ ماثر الکرام ص ۱۳۶

نواب خیر اندیش خاں

نواب خیر اندیش خاں میرٹھی (بن نواب محبت خاں بن نواب اسد خاں بن نواب دادن خاں) کا اصل نام محمد خان تھا، شاہی خطاب خیر اندیش خاں سے مشہور ہوئے۔ یہ بڑے مدبر دانشور اور فیاض امیر تھے۔ ان کے اسلاف و اخلاف بھی انہی کی طرح نامور گزرے ہیں۔

خیر اندیش خاں نے جلد ہی علوم میں فضیلت اور طب میں حذاقت حاصل کی۔ اور انشا پر دازی اور خوش نگاری میں ممتاز ہوئے۔ اکتساب کمالات علمی کے بعد داراشکوہ کے متوسل ہوئے، اس کے قتل کے بعد اورنگ زیب کی بارگاہ میں آئے۔ پنج ہزاری منصب پایا، خیر اندیش خاں کے خطاب سے نوازے گئے، اٹاواہ کے فوج دار مقرر ہوئے۔ بہادر شاہ کے عہد میں شش ہزاری منصب پر پہنچے، اورنگ زیب ان کی کارگزاری اور حسن عمل سے بہت مطمئن تھا۔ اس کا اظہار اس رقعہ سے ہوتا ہے جو اس نے عمدۃ الملک اسد خاں مدار الملہام کے نام لکھا ہے بلکہ

ماثر عالمگیری میں مرزا محمد ساقی مستعد خاں نے پینتالیسویں جلوس (۱۱۱۳ھ / ۱۷۰۰ء) کے واقعات کے ضمن میں لکھا ہے کہ خیر اندیش کنو فوجدار اٹاواہ کو سات لاکھ دام انعام ملے اور دہامونی کی فوجداری بھی پائی۔ یہ

خیر اندیش خاں کو سیاسی اور ملکی مصروفیات کے ساتھ ہی طب سے بے حد شغف تھا۔ انہوں نے جہاں اٹاواہ میں ایک شاندار شفا خانہ قائم کیا وہاں

یہ رقعہ عالمگیری ص ۳۷

یہ ماثر عالمگیری ص ۲۲۲

خیرالتجارب جیسی علمی کتاب تصنیف کی۔ اس کا سال تصنیف ۱۰۴۷ھ/۱۶۳۷ء ہے۔ خیراندیش خاں نے تین بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ کتاب المشاہیر کے مطابق ۲۰ برس کی عمر میں بروز عید الفطر ۱۱۲۲ھ/۱۷۱۰ء کو وفات پائی۔ تاریخ وفات نواب نماز عید درجنت کر ۱۱۲۲ھ "قدسیان گفتدرکن الخیر بوڈا اور" مخیرالامرا سے بھی برآمد ہوتی ہے۔ یوم عید بہ بہشت رسید بھی مادہ تاریخ سے، مگر اس سے ۱۱۲۳ برآمد ہوتے ہیں۔ خیراندیش کے بیٹے محمد فاضل خاں کو اورنگ زیب نے نیک اندیش خاں کا خطاب مرحمت کیا تھا ان کے پوتے محمد مسیح بن محمد فاضل کو بھی اورنگ زیب نے منصب یک ہزاری اور خطاب نیک اندیش خاں عطا کیا تھا۔ عالمگیر کے آخری عہد میں یہ ہزاری منصب پر پہنچے۔ دادا کی وفات کے بعد بہادر شاہ نے شش ہزاری منصب، علم نقارہ اور خیراندیش خاں ثانی کا خطاب دیا۔ ان کے اخلاف جہاں مغلیہ درباروں سے وابستہ اور امر شاہی میں رہے وہاں علم و فضل اور طب سے ان کا خصوصی تعلق قائم رہا، نواب خیراندیش ثانی کے پوتے حکیم بندہ علی خاں ماہر طبیب اور معزز بن عصر تھے۔ بریلی میں سکونت پذیر رہے۔ اس خاندان کے حکیم طالب علی خاں اور ان کے فرزند حکیم غالب علی خاں بھی تجربہ کار طبیب تھے۔

شیخ عبدالحق کرناالی

بڑے فاضل اور لائق شخص تھے۔ انشا میں دست کمال رکھتے تھے۔ صاحب ہیں مہارت حاصل تھی ۲۱ شعبان ۱۱۳۳ھ/۱۷۱۰ء دہلی میں وفات پائی ہے

لے المشاہیر ص ۱۵۶ و ۱۵۷

۷ تاریخ محمد شاہی جلد ۲ ص ۶ نیز ص ۱۲

حکیم حسن علی

حکیم محمد امین کے بیٹے تھے۔ اپنے زمانہ کے حاذق طبیبوں میں شمار تھا۔ دہلی میں ۱۱۲۷ھ/۱۷۱۴ء وفات ہوئی۔

حکیم ارشد

حاذق طبیب تھے۔ دہلی میں ۲۹ صفر ۱۱۲۸ھ/۱۷۱۵ء کو فوت ہوئے۔

حکیم محمد ہادی

انفراط خاں کے خطاب سے سرفراز تھے، شہر میں ان کی حذاقت کا شہرہ تھا۔ ذی قعدہ ۱۱۲۹ھ/۱۷۱۶ء میں دہلی میں انتقال ہوا۔

حکیم محمد نقی ذوالفقار خاں

مخاطب بہ حکیم علی نقی خاں المعالجہ میں دسترس حاصل تھی۔ رمضان ۱۱۳۵ھ/۱۷۲۲ء میں دہلی میں سفر آخرت اختیار کیا۔

۱۔ تاریخ محمد شاہی جلد ۲ ص ۳۴

۲۔ ایضاً ص ۳۵

۳۔ ایضاً ص ۳۸

۴۔ ایضاً ص ۳۷

حکیم اکبر ارزانی

حکیم محمد اکبر ارزانی محمد مقیم حنفی دہلوی کے صاحبزادہ تھے، ان کے علمی کاموں کا سلسلہ اور نگارہ زیب کے عہد سے فرخ سیر کے دور تک پھیلا ہوا ہے، برہانپور ایک عرصہ قیام رہا۔ عام روایت کے مطابق برہانپور ہی میں ۱۱۳۲ھ / ۱۷۱۹ء میں انتقال کیا، لیکن تاریخ محمدی میں ہے کہ او اسطر بیع الثانی میں دہلی میں وفات پائی۔ تذکرہ علماء ہند میں انہیں حکیم ارزانی دہلوی سے متعارف کرایا گیا ہے۔ یہ خاندان قادری میں بیعت تھے اسی تعلق سے ایک کتاب قرا بادین قادری کے نام سے موسوم کی ہے، مطب اور طبی کتابوں کی تصنیف میں زندگی گزار رہے۔

ارزانی سے پہلے ہندوستان میں فارسی میں طب پر بکثرت کتابیں لکھی جا چکی تھیں۔ لیکن طب کی تعلیمی زبان عربی تھی اور عربی کتابیں ہی نصاب میں پڑھائی جاتی تھیں۔ ارزانی نے محسوس کیا کہ یہاں کے عام باشندے عربی سے ناواقف ہیں۔ زبان نہ جاننے کی وجہ سے انہیں طب کی تعلیم میں دشواری پیش آتی ہے، اور بہت سے طلبہ اس سے محروم رہتے ہیں۔ اس نے نصابی کتابوں کو عربی سے فارسی میں منتقل کرنے کا بیڑا اٹھایا، جس سے غیر عربی داں طلبہ کے لیے تعلیمی سہولت پیدا ہوئی اور طب ان کے واسطے ارزاں اور آسان بنی۔ بعض لوگوں نے اسی کو ارزانی کی وجہ تسمیہ قرار دیا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ جس بزرگ سے بیعت تھے ان کا نام

۱۔ تاریخ محمدی ص ۲۵ (بحوالہ عصری)

۲۔ تذکرہ علماء ہند ص ۲۱ اس تذکرہ میں طب اکبر کا سال تالیف ۱۱۰۸ درج ہے جو درست نہیں ہے۔

۳۔ قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین ص ۲۱۶

ارزاں شاہ تھا۔ انہی کی نسبت سے یہ ارزانی کے نام سے مشہور ہوئے۔
 پہلی کتاب طب اکبر ۱۱۱۲ھ/۶۱۷۰ میں مکمل ہوئی ہے، اور نگ زیب کے نام
 منسوب یہ کتاب شرح اسباب و علامات کا کچھ حذف و اضافہ کے ساتھ ترجمہ ہے۔
 شرح اسباب و علامات اس کا تاریخی نام ہے، اس میں سے حروف علت چار الف
 اور ایک واؤ نکالنے سے تاریخ برآمد ہوتی ہے۔ قرا بادین قادری ان کی آخری کتاب
 ہے جس کی تالیف سے ۱۱۳۰ھ/۶۱۷۸ میں فارغ ہوئے تھے بلکہ دوسری کتابوں میں
 میزان الطب (تالیف ۱۱۱۲ھ-۶۱۷۰) مفرح القلوب، بحربات اکبری، حدود الامراض،
 منتخب اکبری، طب نبوی، علاج الصبیان، طب ہندی اور تشریح الموسیقی ہیں۔

حکیم شیخ حسین شہرت شیرازی

عربی النسل تھا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بحرین کے محراثینوں سے تعلق
 رکھتا تھا، ہندوستان آنے سے پہلے شیراز میں مقیم رہا، وہاں کے اساتذہ سے
 اعلیٰ علوم خصوصاً طب کا اکتساب کیا، اور نگ زیب کے زمانہ میں ہندوستان آیا۔
 پہلے حیدرآباد اور پھر دہلی میں اقامت اختیار کی، شہزادہ محمد اعظم کی سرکار سے
 طبیب کی حیثیت سے وابستہ ہوا، اس کے قتل کے بعد شہزادہ معظم (بہادر شاہ)
 کی خدمت میں آیا، اور بہادر شاہی عہد میں شاہی دربار سے وابستہ ہوا۔
 فرخ سیر کے زمانہ میں اس کی منزلت قائم رہی، فرخ سیر نے اور ایک روایت کے
 مطابق محمد شاہ نے حکیم الممالک کا خطاب عطا کیا، محمد شاہ کے عہد میں ادیبی حج
 کے بعد دوبارہ شاہی ملازمت میں آیا اور چہار ہزاری منصب سے نوازا گیا۔

۱۔ نزہتہ الخواطر جلد ۶ ص ۲۸۱

۲۔ نزہتہ الخواطر جلد ۶ ص ۱۷۰ (بحوالہ شمع انجن)

حداقت کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا شاعر تھا۔ شہرت تخلص کرتا تھا۔ دہلی میں ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۷ء میں ۹۰ برس کی عمر میں انتقال ہوا۔

غلام علی آزاد بلگرامی نے حسب ذیل تاریخ وفات کہی ہے

بے نظیر زمانہ شیخ حسین
ہاتفے از براتے رحلت او

گوئے معنی ز نکتہ سخنان برد
سال تاریخ گفت شہرت مرد

شہرت نے پانچ ہزار بیت کا ایک دیوان یادگار چھوڑا، شیخ حسین اپنی فنی مصروفیتوں کے ساتھ شعر و ادب میں بھی وقت صرف کرتا تھا۔ شعر و ادب میں اس کا جو رتبہ تھا وہ اس کے ضخیم دیوان اور آزاد بلگرامی کی تاریخ سے ظاہر ہے۔ سراج الدین علی خاں آرزو نے انہیں دیکھا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ بہت ہمشاش بشاش اور لطیفہ گو تھے۔

حکیم محمد حسین شیرازی

یہ حکیم محمد حسین شہرت کے ہم نام اسی دور کے نامور طبیب ہیں، حداقت خاں کا خطاب تھا، آخر جب یا شروع شعبان ۱۱۳۸ھ/۱۷۲۵ء میں دہلی میں فوت ہوئے۔ ان کے بیٹے اہلیت خاں باپ کی طرح ممتاز اور خطاب یافتہ تھے، ۷۰ برس کی عمر میں ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء میں اہلیت خاں کا انتقال ہوا۔

۱۔ ماثر الکرام جلد ۲ ص ۲۰۱

۲۔ تاریخ محمدی ص ۹۷، قاموس المشاہیر جلد ۲ ص ۱۸۸

۳۔ اطبائے عہد مغلیہ ص ۸۲، بحوالہ قاموس المشاہیر جلد ۲ ص ۱۸۸

۴۔ مجمع النفائس ص ۵۸

۵۔ تاریخ محمدی جلد ۲ ص ۶۰ و ۱۳۴

حکیم یار علی خاں شفا

مختلف علوم خصوصاً فن طب میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے، دستِ شفا حاصل تھا^۱
 باطن نے ان الفاظ میں تعارف کرایا ہے، "بیمار سخن کو معالجہ حکیم طبع سے شفا، نسخہ
 قرابادین طبع کامریضان مضمون نظم کے واسطے دوا ہے ان کا تعلق اسرائیلی خاندان
 سے تھا یہ قدیم شعرا میں ہیں ان کے اشعار اس زمانہ کے محاورہ سے تعلق رکھتے
 ہیں۔ یہ فارسی اور اردو دونوں میں شعر کہتے تھے۔^۲
 نسخہ نے انہیں محمد علی حشمت یا ولی دکنی کا معاصر لکھا ہے۔ ولی دکنی کا دیوان
 ۱۱۳۲ھ ۱۷۲۰ء میں دہلی آیا تھا۔^۳

حکیم حاذق خاں

حکیم محمد حاذق خاں ابن حکیم محسن خاں ابن حکیم صالح ابن حکیم فتح اللہ شیرازی دہلی

- ۱۔ مخزن نکات ص ۳۵
- ۲۔ تذکرہ میر حسن ص ۱۰۲
- ۳۔ گلستان بے خزاں ص ۱۲۲
- ۴۔ گلشن بے خار ص ۱۱۰
- ۵۔ عمدہ منتخبہ ص ۳۷۰
- ۶۔ یادگار شعرا ص ۱۰۱
- ۷۔ سخن شعرا ص ۲۴۷
- ۸۔ بابو گرافیکل ڈکشنری ص ۴۱۴

کے نہایت ممتاز طبی خانوادہ کا فرد تھا۔ حکیم فتح الدین اور حکیم نعمت خاں عالی بھی اسی خاندان طب سے تعلق رکھتے تھے۔ حکیم حاذق خاں اور نگ زیب کا معالج تھا، ۱۱۱۶ھ میں اور نگ زیب کا اس نے بڑا کامیاب علاج کیا تھا، اس علاج میں چوب چینی کے استعمال سے بادشاہ کو صحت ہوئی تھی۔ اس حسن خدمت پر اشرافیوں سے تولا گیا اور ساری اشرافیاں اسے انعام میں دے دی گئیں۔ حکیم الملک کے خطاب سے بھی سرفراز کیا گیا، تاریخ ہندوستان میں مذکور ہے کہ بادشاہ نے اپنے کو سونے میں تلو کر وہ سونا مع سرزیچ حکیم کو عطا کیا۔

بہادر شاہ کے عہد میں بھی اس کا اعزاز برقرار رہا، اور یہ سہ ہزاری و یک ہزار سوار کے منصب پر فائز ہوا۔ اور متعدد موقعوں پر انعامات سے نوازا گیا۔ کچھ عرصہ بادشاہ کے عتاب کا شکار رہا، محمد شاہ کے عہد میں پھر اس کی بلندی کا شمارہ چمکا۔ حکیم الملوک کا خطاب عطا ہوا اور بیچ ہزاری منصب پر پہنچا۔

تاریخ محمدی میں اس کے درج ذیل خطابات مذکور ہیں، "حکیم محمد حاذق خاں المخاطب بہ حاذق خاں ثم بہ حکیم الملک ثم بہ حکیم معتمد الملک بہادر شاہی ثم بہ حکیم مؤتمن الملک ثم بہ حکیم معتبر الملوک" اس قدر خطابات سے نہ صرف یہ کہ کوئی طبیب مفتخر نہیں ہوا بلکہ مغلیہ عہد کے امراء میں سے کم لوگ اتنے خطابات سے نوازے گئے ہیں۔ اس کا شمار کبار امراء ہند میں ہے۔ ۲۳ ذی الحجہ ۱۱۲۳ھ / ۱۷۱۰ء کو دہلی میں ۷۴ برس کی عمر میں وفات پائی، یہ حاجی شفیع خاں کا داماد تھا۔

حکیم الملک کا ایک دلچسپ واقعہ یہ ملتا ہے کہ دلی میں اس زمانہ میں سوانگیوں

۱۔ الہائے عہد مغلیہ ص ۷۵، بحوالہ منتخب اللباب ص ۵۳۸ و ۵۳۹ نیز تاریخ

ہندوستان جلد ۸ ص ۲۶۱

۲۔ مائز الکرام ص ۱۳۶

۳۔ نزہۃ النواظر جلد ۶ ص ۶۱ کہ تاریخ محمدی جلد ۲ حصہ ۶ ص ۷۶

اور بہروپیوں کا براہِ زور تھا، جو ہر روز ہر طرح کے بھیس بدل کر لوگوں کے سامنے آتے تھے، یہ لوگ زیادہ تر پیشہ ور تھے اور اسی کے ذریعہ اپنی روزی کماتے تھے۔ محمد شاہ کے وقت میں بہتر بن بہروپیہ عنایت تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن بادشاہ کے ذاتی معالج حکیم الملک اداس لال قلعہ میں آئے اور بادشاہ سے عنایت کی شکایت کی کہ وہ ان کا بہروپ بھر کر دربار میں آجاتا ہے، بادشاہ نے ناراض ہو کر حکم دیا کہ اگر آئندہ عنایت حکیم الملک کا بھیس بدل کر دربار میں آئے تو اس کی پٹائی کی جائے اور کوڑے لگائے جائیں۔ یہ بات اگلے کچھ دنوں میں ہی ہو گئی اور عنایت کو مار کر دربار سے نکال دیا گیا۔ بعد میں اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ جس نے شکایت کی تھی وہ عنایت تھا اور جسے مار کر دربار سے نکالا گیا تھا وہ خود حکیم الملک تھے۔

حکیم کمال الدین اصفہانی

ماہر طبیب تھے۔ دہلی میں ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء میں وفات ہوئی۔

حکیم محمد جعفر جوہنوری

زندگی بھر دہلی میں رہے۔ درس اور معالجہ میں یکتا سمجھے جاتے تھے۔ ۸۵ برس کی عمر میں اوایل رمضان ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء میں دہلی میں رحلت کی۔

۱۔ عالم میں انتخاب دلی ص ۳۲۵

۲۔ تاریخ محمدی جلد ۲ حصہ ۶ ص ۶۳

۳۔ ایضاً ص ۶۳

حکیم محمد حسین

لفظاً خاں کے خطاب سے منقح تھے اور دہلی کے نامور طبی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد حکیم معصوم خاں اور دادا حکیم محمد محسن یزدی دہلی کے مشہور طبیب تھے۔ لفظاً خاں نہ صرف کامیاب مطب کے مالک تھے بلکہ وسیع حلقہ درس رکھتے تھے ان کے ایک شاگرد حکیم مظفر بن محمد قاسم ہروی نے اپنی کتاب سراج العلاج میں ان کے اور ان کے والد حکیم معصوم خاں کے حوالے سے متعدد نسخے درج کئے ہیں۔

شب پنجشنبہ ۷ محرم ۱۱۲۲ھ / ۱۷۳۱ء دہلی میں فوت ہوئے۔

حکیم محمد جعفر مشہدی

اپنے خطاب حذاقت علی خاں سے شہرت رکھتے تھے۔ ۱۱۲۵ھ / ۱۷۳۲ء میں غالباً شعبان میں دہلی میں انتقال ہوا۔

حکیم محمد کاظم

حکیم محمد کاظم بن حکیم جیدر علی نستری دہلوی ہایت حاذق طبیب اور صنف تھے محمد شاہ نے نواب حاذق الملک کا خطاب عطا کیا تھا۔ المکمل الصناعۃ (دو جلد) اور

۱۔ علی گڑھ کے طبی مخطوطات ص ۱۲۲

۲۔ تاریخ محمدی جلد ۲ حصہ ۶ ص ۷۸

۳۔ ایضاً ص ۸۵

جامع الصنائع عربی میں ان کی دو مشہور کتابیں ہیں یہ دونوں علی بن عباس اہوازی کی کامل الصنائع کی تلخیص کے بطور لکھی گئی ہیں۔ اکل الصنائع کا سال تصنیف ۱۱۴۹ھ ہے۔ ۶۱۷۳۶ ہے۔ حکیم محمد کاظم نے ۱۱۴۹ھ/۶۱۷۳۶ میں وفات پائی بلکہ یہ دونوں کتابیں رضالا تبریری راجپور میں محفوظ ہیں۔ ان کی ایک کتاب فرخ نامہ فاطمہ بیگی جو ۱۱۵۵ھ/۱۷۱۳ کی تصنیف ہے یہ

حکیم ابن رمضان بیگ مازندرانی

محمد شاہ کے زمانہ میں ممتاز رہے، اسباب النشاط کے نام سے جنسیات پر ایک کتاب کے مصنف ہیں۔ ۱۱۴۶ھ/۶۱۷۳۳ کی اس کتاب کا انتساب محمد شاہ کے نام کیا گیا ہے۔

حکیم مرزا محمد کیلانی

حکیم حاذق شیخ فاضل مرزا محمد بن ابو محمد کیلانی نے محمد شاہ کے زمانہ میں امراض باہ پر کتاب مطلب المباشرین تصنیف کی جسے طب کے جنسیاتی ذخیرہ کی اچھی کتابوں میں اس کا شمار ہے۔

حکیم ہدایت اللہ

محمد شاہی عہد میں دہلی میں جن طبیبوں نے شہرت حاصل کی ان میں حکیم ہدایت اللہ

۱۔ نزہتہ النواظر جلد ۶ ص ۳۲۶ سے قاموس المشاہیر جلد ۲ ص ۱۴۹

۲۔ نزہتہ النواظر جلد ۶ ص ۲۵۶ (بحوالہ محبوب الالباب)

بہت ذی علم اور حاذق معالج تھے۔ سیرالعلاج کے نام سے ۱۱۲۵ھ/۱۷۱۳ء میں انہوں نے علاج امراض پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں آسان اور سہل المحصول دوائیں درج کی ہیں۔

حکیم عابد سرہندی

سید محمد عابد سرہندی اگرچہ سرہند کے رہنے والے تھے۔ لیکن ساری عمر دہلی میں رہے۔ محمد شاہی عہد کے نہایت فاضل طبیبوں میں شمار ہے۔ معالجم کے ساتھ ہی درس کا وسیع سلسلہ تھا۔ حکیم شریف خاں جیسے نامور طبیب کی استادی کا بھی انہیں شرف حاصل ہے۔

عابد سرہندی نے نجیب الدین سمرقندی کی کتاب اسباب وعلامات کی شرح لکھی ہے، ان کی یہ شرح طبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ ۱۱۴۱ھ/۱۷۲۸ء کی یہ شرح محمد شاہ (۱۷۲۸-۱۷۱۹ء) کے نام معنون ہے، راجپور میں ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء کا مرقومہ نسخہ موجود ہے۔

حکیم عابد کا ذی الحج کے پہلے عشرہ میں ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۹ء میں دہلی میں اچانک انتقال ہوا۔ ۷۰ برس کی عمر تھی۔ سراج العلاج میں ان کے حوالے ملتے ہیں۔

۱۔ نزہۃ الخواطر جلد ۶ ص ۳۲۷

۲۔ قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین ص ۱۲۶

۳۔ تاریخ محمدی ص ۱۰۲

۴۔ علی گڑھ کے طبی مخطوطات ص ۱۲۲

حکیم غریب اللہ نیوتنی

شیخ فاضل حکیم میر غریب اللہ بن محی الدین حسینی نیوتنی دہلوی اپنے زمانہ میں طب کے نہایت معروف لوگوں میں تھے۔

اودھ میں ابتدائی تعلیم کے بعد حصول علم کے لیے دہلی کا رخ کیا، وہاں حکیم محمد جعفر جو پوری کے حلقہ درس میں شامل ہوئے۔ حکیم محمد جعفر کو اس فن میں حکیم محمد مصہری اکبر آبادی سے نسبت تلمذ تھی یہ فراغت کے بعد دہلی ہی میں مقیم رہ کر مطب کا کامیاب سلسلہ شروع کیا، اور محمد شاہی عہد میں ممتاز ہوئے۔ دہلی میں وفات پائی۔

حکیم غریب اللہ کا خاندان طبی حیثیت سے مشہور ہے، حکیم میر امام الدین ان کے صاحبزادہ تھے۔

خاندان شریفی

دہلی جن تہذیبی اقدار سے عبارت ہے ان میں ایک بہت اہم قدر طب یونانی ہے۔ طب یونانی نے جس طرح دہلی میں فروغ پایا اور دہلوی اہلنے اسے سنوارنے اور نکھارنے میں جو تاریخی کردار ادا کیا۔ اس کی وجہ سے جہاں دہلی اس فن کا گہوارہ بنا وہاں ہندوستان بھر میں ان کے ذریعہ اس فن کی ترویج و اشاعت ہوئی، دہلی کے عام اطباء کی فنی کاوشوں کے احترام کے ساتھ، بلاشبہ اس میں سب سے نمایاں حصہ اطباء خاندان شریفی کا ہے۔ یہ خاندان نہ صرف دہلی بلکہ پورے ملک کے لیے باعث تازہ و انتہا ہے، اس نے درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور علاج معالجہ کے ذریعہ

طب کی منہم بالشان خدمات انجام دی ہیں، تفسیر حدیث تصوف، تاریخ، تذکرہ اور شعر و ادب کے ساتھ ہندوستانی اور سیاسی اعتبار سے قومی تاریخ میں بھی اس کا شاندار حصہ ہے۔ اس دور مان عالی کا نسبی سلسلہ خواجہ عبید اللہ احرار و وفات ۶۸۹۵/۶۱۲۸۹ سے ہے۔ ہندوستان آنے سے پہلے اس خاندان کے افراد نے بغداد اور وسط ایشیا کی مملکتوں بالخصوص ازبکستان کے شہروں سمرقند، تاشقند اور بخارا میں رشد و ہدایت اور دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ بابر کے ہمراہ سمرقند سے یہ خاندان ہندوستان آیا، خواجہ عبدالحق (ابن خواجہ کلاں خواجہ عبداللہ ابن خواجہ عبید اللہ احرار) پہلے فرد ہیں جن کا ورود ہندوستان میں ہوا۔ اسی زمانہ میں ان کے بڑے بھائی خواجہ خاوند محمود یہاں آئے۔ ہمایوں نے ان سے بیعت کی۔ مگر بعد میں جب وہ غوث گوالیاری کے بھائی شیخ پھول کے حلقہ میں داخل ہوا تو خواجہ خاوند بددل ہو کر کابل چلے گئے۔

خواجہ خاوند محمود کی تاریخی منزلت یہ ہے کہ وہ اس خاندان کے پہلے طبیب ہیں۔ ان کا شمار نامور اطبائے عصر میں تھا، عماد الدین محمود شیرازی سے تلمذ کی نسبت تھی۔ لیکن اس خانوادہ گرامی کی طبی کڑیاں تسلسل کے ساتھ ملا علی داؤد کے بیٹوں حکیم فاضل خاں اور حکیم اجل خاں اول سے شروع ہوتی ہیں۔ اکبر کے عہد سے عالمگیر کے ابتدائی زمانہ تک ان لوگوں کا قیام آگرہ میں رہا، حکیم شریف خاں نے لکھا ہے کہ وہ مکان جس میں یہ بزرگ رہتے تھے صابن کے کترہ میں تھا۔

حکیم واصل خاں

اورنگزیب کے ابتدائی عہد میں حکیم واصل خاں ابن حکیم فاضل خاں اور حکیم بقا خاں ابن حکیم اجل خاں اول آگرہ سے دہلی منتقل ہوئے، اور طب میں امتیاز پیدا کیا۔ حکیم واصل خاں نے شیخ کلیم اللہ جہان آبادی سے بیعت کی۔ انہیں حسن

رسول نما سے بھی عقیدت تھی۔ انہی کی ہدایت پر پہلی بیوی کے انتقال کے بعد عقد ثانی کیا۔ اور دو بیٹے حکیم محمد اکل خاں اور حکیم محمد اجمل خاں ثانی پیدا ہوئے۔ حکیم واصل خاں کے سنہ وفات کے بارے میں ان کے کسی تذکرہ نگار نے نہیں لکھا ہے، خود حکیم شریف خاں کے ہاں اس کی وضاحت نہیں ہے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ ان کے انتقال کے وقت عالمگیر کا عہد ختم ہو چکا تھا۔ اور محمد شاہی دور شروع ہو گیا تھا۔ حکیم کوثر چاند پوری نے مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے اسلاف کا تاریخی حقائق کی روشنی میں تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے ۱۱۰۸ھ / ۱۶۹۶ء کے آس پاس حکیم واصل خاں کی تاریخ وفات کا تعین کیا ہے۔ اجمل میگزین فروری ۱۹۳۶ء کے مقالہ نگار نے سنہ کی وضاحت کے بغیر شعبان وفات کی تاریخ لکھی ہے۔ ان میں سے کسی کے پیش نظر اس عہد کی وفیات کی مشہور کتاب تاریخ محمدی نہیں تھی۔ اس کے مطابق حکیم واصل خاں کا انتقال ۱۱۲۵ھ / ۱۷۱۲ء میں ہوا ہے۔ حکیم واصل خاں طیب در رجب یا در شعبان در شاہ جہاں آباد ۱۱۲۵ھ فوت شد۔ ان کے انتقال کے وقت ان کے بیٹوں حکیم اکل خاں اور حکیم اجمل خاں ثانی کی عمر علی الترتیب ۱۱۵ اور ۱۳ برس تھی۔

حکیم بقا خاں

حکیم بقا خاں حکیم اجمل خاں اول کے بیٹے تھے، اپنے چچا زاد بھائی حکیم واصل خاں کے ہمراہ اورنگزیب کے زمانہ میں آگرہ سے دہلی آئے اور سکونت پذیر ہوئے دہلی ہی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں بلکہ

۱۔ حکیم اجمل خاں ص ۱۰۳

۲۔ تاریخ محمدی ص ۸۵ سے تذکرۃ الخواجگان ص ۲۷

حکیم عبدالحمی حسنی نے حکیم بقار اللہ خاں اکبر آبادی اور خاندان بقائی کے حکیم بقا خاں کو ایک شخصیت سمجھا ہے۔ انہوں نے حکیم بقار اللہ اکبر آبادی کے ذیل میں لکھا ہے: "بقار اللہ بن اسحق بن اسمعیل دہلوی اکبر آبادی حکیم بقا خاں کی نسل سے تھے ان کا دو شنبہ شوال ۱۲۱۵ھ/۶۱۸۰۰ میں اکبر آبادی میں انتقال ہوا اور اپنے بھائی ذکار اللہ کے پاس مقبرہ شیخ علامہ الدین میں دفن ہوتے رہے۔

حکیم عبدالحمی حسنی کا یہ پورا بیان بالکل غلط ہے۔ پہلی بات یہ کہ حکیم بقا خاں اکبر آبادی اور حکیم بقا خاں خاندان بقائی کا تعلق دو مختلف خاندانوں سے ہے حکیم بقا اکبر آبادی حکیم شریف خاں دہلوی کے جدا جدا حکیم واصل خاں کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔ ان کا انتقال اگرچہ دہلی میں ہوا۔ لیکن ان کے خاندان کے دیگر افراد کی آخری آرام گاہ درگاہ علامہ الدین آگرہ ہے۔ دوسری بات یہ کہ حکیم ذکار خاں حکیم بقا خاں کے بھائی نہیں بلکہ ان کے پوتے تھے، وہ ضرور آگرہ میں مقبرہ علامہ الدین میں دفن ہیں۔ تیسرے یہ کہ خاندان بقائی کے حکیم بقار اللہ خاں کا شجرہ بھی حکیم عبدالحمی نے صحیح نہیں لکھا ہے۔ یہ اصل کے بالکل برعکس ہے، بقار اللہ بن اسحق بن اسمعیل کے بجائے اسحاق بن اسماعیل بن بقار اللہ ہونا چاہیے۔ صاحب تذکرۃ النخوجگان نے بھی ان دونوں شخصیتوں کو خلط ملط کیا ہے۔ چنانچہ خاندان بقائی کے حکیم بقار اللہ خاں کی مشہور کتاب قرابادین بقائی کو حکیم بقا خاں ابن حکیم اجل خاں کی تصنیف سمجھا ہے۔

حکیم محمد وفا خاں

حکیم بقا خاں کے صاحبزادہ حکیم محمد وفا خاں تھے۔ ان کی زندگی میں کئی بادشاہوں

کا عزل و نصب ہوا یہ حکیم علوی خاں کے ہم عصر ہیں۔ خاندانی قرابادینوں میں ان کے متعدد مرکبات ملتے ہیں جن میں اطر بقل و فانی مشہور ہے، حکیم محمد ذکا خاں اور حکیم محمد لقا خاں دو فرزند تھے۔ حکیم محمد وفا خاں دہلی میں مدفون ہیں۔

حکیم محمد ذکا خاں

حکیم محمد ذکا خاں احمد شاہ کے طبیب خاص رہے، حسن معالجہ اور اعلیٰ فنی خدمات کے صلہ میں ۱۷۵۲ء میں سوئی پت میں انہیں بجائے عطا ہوئی، جس کی آمدنی پچاس ہزار درم سالانہ تھی، نقل فرمان جس پر "قدومی احمد شاہ بہادر شاہ غازی ابوالمنصور خاں بہادر صفدر جنگ وزیر الممالک برہان الملک" کی ہر تبت ہے درج ذیل ہے۔

"چودھریان و قانون گویان و مصدیان و رعایا و مزارعات پر گنہ سوئی پت سرکار صوبہ علاقہ شاہ جہاں آباد بدانتدیر چوں بمبلغ پنجاہ ہزار درم موضع مانولی در بست عملہ و پر گنہ مزبور منجملہ محال خالصہ شریفہ من از ابتدا سے خریف قومی پیل من مطابق ضمن بجائے حکیم محمد ذکا خاں مقرر گشتہ باید بالمواجب و حقوق دیوانی را از قرار واقع و راستی موافق ضابطہ و معمول بمشار ایہ جواب میگفتہ باشند۔ در اسی جریدہ و صلاح و موافقہ حال مومی ایہ برون رو بتاریخ ۲۱ ذی قعدہ سنہ ۱۱۴۳ جلوس قلمی گشتہ، تذکرہ علماء ہند میں مادھو جی سندھیہ والی گوالیار کے ہاں ان کی ملازمت کا لکھا ہے۔ ۲۰ شوال ۱۲۰۹ء مطابق ۱۰ مئی ۱۷۹۵ء کو انتقال ہوا۔ کوئی اولاد نہیں تھی۔ اگر ہ میں درگاہ علاء الدین شاہ ولایت میں دفن ہیں، رابرٹ پیل نے مفتاح التواریخ میں لکھا ہے "طبیب حاذق بود در ۱۲۰۹ فوت کرد و ترننشس اندرون احاطہ علاء الدین کہ در اکبر آباد موضع

۱۔ تذکرہ الخواجگان ص ۲۸

۲۔ تذکرہ علماء ہند ص ۶۱

نائی منڈی واقع است از سنگ مرمر ساخته اند بر آن این تاریخ منقوش است سے
 ذکا خاں عالم قانون حکمت کہ دادی عقل کل بردست اولوس
 شب آدینہ و بستم ز شوال بہ عزم کوچ زد این کوچکہ کوس
 خرد گفت از سر افسوس تاریخ شد از دنیا مسح وقت افسوس
 حکیم ذکا خاں درس و افادہ میں شہرت رکھتے تھے۔ حکیم بر علی موہانی ان کے تلامذہ
 میں ہیں۔ حکیم عبدالحی حسنی نے حکیم بقا خاں کی طرح انہیں بھی حکیم ذکا اللہ خاں بقائی
 سے خلط ملط کیا ہے۔ اگرہ اور گوالیار سے ان کا تعلق قرار دینے اور صحیح سنہ وفات
 لکھنے کے باوجود انہیں غلط طور پر حکیم ذکا اللہ ابن اسحق ابن اسمعیل لکھا ہے اور قراہین
 ذکا ئی ان کی تصنیف بتائی ہے۔

حکیم محمد لقان خاں

حکیم محمد و قان خاں کے چھوٹے بیٹے تھے۔ شاہ عالم کے زمانہ میں جب مادھوراؤ سندھیا
 مدارالمہام سلطنت قرار پاتے اور قیام دہلی کے دنوں میں سخت علیل ہوئے تو شاہ
 عالم کی طرف سے درباری طبیب کی حیثیت سے حکیم لقان خاں علاج پر مامور کئے گئے
 اگرچہ دوسرے اہل ہمتے شاہی نے بھی علاجی خدمات انجام دیں لیکن سندھیا کی پیچیدہ
 اور خطرناک بیماری حکیم لقان خاں کے علاج سے رفع ہوئی۔ اس کامیاب معالجہ کے
 صلہ میں مہاراجہ کی سفارشات پر دربار شاہی سے فخرالحکما کا خطاب عطا ہوا۔ اور اسی
 سال یعنی ۲۶ جولائی ۱۷۲۲ء مطابق ۲۲ جولائی ۱۷۸۵ء مہاراجہ نے حکیم صاحب کو
 پانچ ہزار کی جاگیر عطا فرمائی۔ یہ جاگیر پہلے مجید الدولہ عبدالاحد کی تھی، حکیم لقان
 خاں کی درخواست پر سند جاگیر میں حکیم شریف خاں کے نام کا بھی اضافہ کیا گیا۔

حکیم شریف خاں ان کے چچا زاد بھائی اور ہم زلف نٹھے اور حکیم شریف خاں کی والدہ ان کی پھوپھی تھیں۔ یہ درخواست منظور ہونے پر سند میں ۲۱ ذی الحج سنہ ۲۷ جلوس مطابق ۱۷ نومبر ۱۸۶۶ء حکیم شریف خاں کا نام درج ہوا، نقل سند یہ ہے۔ اس پر وکیل مطلق مختار الملک عمدۃ الامراء دھورادو سندھیافدوی شاہ عالم کی مہر ہے۔

”عالمان حال واستقبال پرگنہ ڈاکسنہ سرکار صوبہ دار الخلافہ شاہ جہاں آباد، بدانتد موضع مصوری وغیرہ عملہ پرگنہ مذکور سوائے سائر وارانہی املاک و باغات کہ سابق درجاگیر مجید الدولہ مقرر بود درخالصہ شریفہ ضبط شدہ و از سند پرگنہ منہاست درینولا بموجب دستخط عوض موضع کانتھ و ٹوکان عملہ پرگنہ یا نچت درجاگیر رفعت و عوالی پناہ حکیم محمد شریف خاں و حکیم محمد لقّا خاں نسل بعد نسل و بطنا بعد بطن مقرر شد لہذا قلمی میگردد کہ انہا مواضع مستور را حسب الظن من ابتدائے فصل خریف ۱۹۳۹ ف بہ تصرف حکیم مشارالیه واگذارند و بوجہ من الوجوہ مزاحمت و تردد نہ رسانند دریں باب تاکید دانستہ حسب المنطور بہ عمل آرند بتاریخ بست و یکم ذی الحجہ سنہ ۲۷ جلوس قلمی شد“

بعد میں حکیم لقّا خاں کی خدمات مہاراجہ سندھیانے گوالیار منتقل کر لیں۔ یہ پہلے دہلی سے اجین پہنچے جو اس وقت گوالیار کے بجائے سندھیانے کا دار الخلافہ تھا۔ شاہی جاگیر کے علاوہ مہاراجہ کی طرف سے ایک ہزار روپیہ ماہانہ مشاہرہ مقرر ہوا، معافی مبلغ تین ہزار سات سو روپیہ سالانہ و پالیکی آٹھ سو آٹھ روپیہ آٹھ آنے ریاست کی طرف سے عطا ہوئی۔ اس کا تعلق پرگنہ مند سور سے تھا، اجین میں شوال ۱۲۱۵ھ / فروری ۱۸۰۱ء بم ۲۸ برس انتقال ہوا، حسب وصیت نعش اجین سے آگرہ لاکر مزار حضرت علامہ الدین سے متصل دفن کی گئی۔ قطعہ تاریخ جو لوح نریت پر نقش ہے۔

چوں بفر دوس برس رفت از جہاں
بو علی ثانی لقا خاں محترم
گلک شکیں سال و ماہ و روز نقل
شہر شوال دو شنبہ زد ر قتم
حکیم حمزہ علی خاں اور حکیم وارث علی خاں دو صاحبزادہ تھے جن کا گواہی بار قیام رہا۔

حکیم خوشحال رائے اکبر آبادی

دہلی کے حاذق طبیبوں میں شمار کئے جاتے تھے، اذی الحج ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۸ء کو دہلی
میں نادر شاہی قتل عام میں ہلاک ہوئے، ۲۰ برس کی عمر تھی یہ

حکیم میرا امام الدین

حکیم میرا غریب اللہ نیوتنی کے بیٹے اور عالی قدر طبیب تھے، طب کے علاوہ دوسرے
علوم میں مہارت تھی۔ اذی الحج ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۸ء دہلی میں نادر شاہی قتل عام میں عمر ۶۰ برس
شہید ہوئے تھے حکیم شفقانی خاں نے رسالہ چوب چینی میں ان کا مجوزہ ایک نسخہ نقل کیا
ہے، اس رسالہ کا ایک خطی نسخہ راقم الحروف کے ذخیرہ کی زینت ہے۔

دہلی سانحہ کے بعد حکیم میرا امام الدین کا خاندان فرخ آباد منتقل ہو گیا تھا۔ حکیم
فرزند علی فرخ آبادی ان کے فرزند تھے، انہوں نے طب کی تعلیم دہلی میں اپنے والد سے
حاصل کی تھی۔ اور انہی سے طلب سیکھا تھا۔ پھر درس و افادہ اور معالجہ میں ان کے
جانشین ہوئے۔ بڑی تعداد میں لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔ مفتی ولی اللہ فرخ آبادی

۱۔ تاریخ محمدی جلد ۲ حصہ ۶ ص ۱۰۵

۲۔ ایضاً ص ۱۰۵

۳۔ علی گڑھ کے طبی مخطوطات ص ۱۲۰

نے تاریخ فرخ آباد میں لکھا ہے کہ یہ جالینوس عصر اور بقراط زمانہ تھے بلکہ ان کے بیٹے حکیم امراؤ علی نے بھی فرخ آباد میں شہرت پائی۔

حکیم فرزند علی کے شاگرد حکیم سید امیر بخش نے حکیم فرزند علی کے انتقال کے بعد ان کا مطب مرتب کیا ہے، اس کا ایک مخطوطہ اجل خاں طبیبہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں محفوظ ہے۔ میرام الدین کے ایک بیٹے حکیم میر حسن تھے، جن کا مطب نو لکھنور سے شائع ہوا ہے۔

حکیم سید حکمت خاں

ماہر طبیب تھے۔ حکمت خاں غالباً ان کا شاہی خطاب تھا۔ آخر جب ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۲ء دہلی میں فوت ہوئے، انتقال کے وقت عمر تقریباً ۶۰ برس تھی۔

حکیم علی اکبر خاں شیرازی

حکیم علی اکبر دہلی کے حاذقین میں تھے، بعمر ۶۰ برس شوال ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء وفات پائی تھے۔

حکیم علوی خاں

حکیم محمد ہاشم شیرازی المعروف بہ نواب معتمد الملوک حکیم علوی خاں (ابن حکیم محمد ہادی قلندر ابن سید مظفر الدین علوی) رمضان ۱۰۸۰ھ/۱۶۶۹ء میں پیدا ہوئے، ۱۱۱۰ھ/۱۶۹۹ء

لے نزہۃ النواظر جلد ۱، ص ۳۷۱

۳۷ تاریخ محمدی جلد ۲ حصہ ۶ ص ۱۱۸

۳۷ ایضاً ص ۱۳۸

میں دہلی آئے جہاں بکثرت شیرازی اطباء موجود تھے۔ پہلے اورنگ زیب کی خدمت سے اس کے بعد محمد اعظم کی سرکار سے وابستہ ہوئے۔ بہادر شاہ کے زمانہ میں بھی وہ بلند مرتبہ رہے۔ اور علوی خاں کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ محمد شاہ کے عہد میں انہیں چاندی سے ٹولا گیا۔ چھ ہزاری منصب اور معتمد الملوک کا خطاب عطا ہوا۔ ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۸ء میں نادر شاہ انہیں اپنے ہمراہ لے گیا، وہاں سے حج بیت اللہ سے فارغ ہوتے ہوئے ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء میں وہ دہلی واپس آئے۔ اور ۲۵ رجب ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء میں استسقا میں مبتلا ہو کر فوت ہوئے۔ حسب وصیت درگاہ نظام الدین اولیادہلی میں آسودہ خاک ہیں۔ یہ برفلک رفت مسیحائی جدیدہ سے تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے۔ مگر اس سے سال وفات ۱۱۶۲ھ نکلتا ہے، صاحب مجمع النفائس نے ۸۴ برس کی عمر میں ۱۱۶۳ھ میں احمد شاہ پسر محمد شاہ کے زمانہ میں فوت ہونے کا لکھا ہے۔

حکیم علوی خاں سے پہلے دہلی میں کسی طبیب کو وہ عظمت و شہرت نصیب نہیں ہوئی جو ان کے حصہ میں آئی، وہ محض امرا اور سلاطین کے معالج نہیں رہے، دہلی اور دہلی سے باہر کے ہزاروں باشندوں نے ان سے فیض پایا۔ ان کے درس کی وسعت کا یہ عالم رہا کہ ہندوستان کے بیشتر گرامی منزلت طبیبوں کا سلسلہ ان پر منتہی ہوتا ہے بے شمار طلبہ نے ان سے استفادہ کیا۔ دہلی میں ان کے درس اور مطب کی دھوم تھی۔ دور دور سے طلبہ اور مرصان کی خدمت میں پہنچتے تھے۔ انہیں دہلی میں ایک مستقل اسکول کا درجہ حاصل ہے۔ ان کے سلسلہ کے طبیب علوی خانی کہلاتے تھے علوی خانی اطباء کی خدمات تحقیق کا ایک مستقل موضوع ہیں۔ ان کے مطالعہ سے علوی

۱۔ نزہۃ النواظر جلد ۶ ص ۳۶۴ تذکرہ علماء ہند ص ۱۵۰

۲۔ مجمع النفائس ص ۶۱

۳۔ علی گڑھ کے طبی مخطوطات ص ۱۲۸/۵۲

خاں کے دائرہ اثر کے علاوہ ہندوستان کی طبی تاریخ کا ایک اہم گوشہ سامنے آئے گا اس ملک کی طبی تاریخ بنانے میں جن اطبا کا بہت زیادہ حصہ ہے ان میں علومی خاں کا نام سرفہرست ہے۔

ان کی خدائت اور مسیحائی کے بہت سے واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔ نادر شاہ دہلی سے دوسرے علماء و فضلا کے ساتھ حکیم علومی خاں اور عبدالکریم کشمیری کو بھی اپنے ہمراہ ایران لے گیا تھا۔ یہ دونوں پانچ برس نادر شاہ کے پاس رہے، پھر اس سے اجازت لے کر ہندوستان واپس آئے۔ عبدالکریم نے بیان واقع کے نام سے سفر نامہ لکھا ہے۔ اس کے مطالعہ سے علومی خاں سے اس کے گہرے تعلق پر روشنی پڑتی ہے اس نے تحریر کیا ہے کہ حج سے واپسی پر یہ مدرسہ پہنچے، اور فرخ آباد بھی گئے جہاں نواب محمد خاں بنگش کا علومی خاں نے طبی معائنہ کیا اور نبض دیکھنے کے بعد عبدالکریم سے فوراً وہاں سے چلنے کے لیے کہا، اس لیے کہ نواب چھ سات روز کا ہمان ہے، عبدالکریم نے دریافت کیا کہ یہ تعین آپ علم طب کی رو سے کر رہے ہیں یا کشف و کرامت کی بنا پر۔ علومی خاں نے جواب دیا "بکثرت شغل معالجہ و فور تجربہ کہا جاتا ہے کہ دلی کی فتح کے بعد نادر شاہ کو اتنی پر تکلف ضیافتیں دی گئیں کہ اس کا پیٹ خراب ہو گیا، اور وہ بھاری پن محسوس کرنے لگا۔ حکیم علومی خاں کو کہ شاہی حکیم نئے بلا یا گیا۔ وہ اپنی دواؤں کے ساتھ آئے اور سونے چاندی کے پلڑوں والی اپنی دواؤں کی ترازو بھی لے آئے، صحیح خوراک کو ناپنے کے بعد اور حکیم صاحب کے مزید عمل کے بعد جب جڑاؤ ڈھکنے کو اٹھایا گیا تو نادر شاہ نے سونے کی ایک طشتری دی بھی، جس پر ایک پیالہ اور ایک قیمتی پتھر کا چیمہ رکھا ہوا تھا۔ اس پیالہ میں گلقد تھا، جو گلاب کی پتیوں، ان سے تکلے ہوئے رس اور شیرینی کا مرکب تھا۔ نادر شاہ کو اس کی شکل، خوشبو اور حکیم صاحب کی دل پذیر مسکراہٹ اتنی اچھی لگی کہ اس نے حکیم صاحب کے اشارے کے بغیر اس چیمے میں تھوڑا سا لیا اور کھا گیا۔ اس کا ذائقہ اسے اتنا پسند آیا کہ وہ یہ کہتے ہوئے

کہ یہ نہایت لذیذ حلوا ہے سارا کا سارا گلقد کھا گیا، نادر شاہ نے ان کو اور بھی کئی طریقوں سے آزما یا اور آخر میں اتنا متاثر ہوا کہ انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔

عبدالکریم کی بیگم کا علوی خاں نے جس حکمت اور ترکیب سے علاج کیا وہ عذراقت کے ساتھ ہی ان کی فہم و فراست پر شاہد ہے، سفر نامہ کے مطابق اس کی بیگم کا ایک طرف کاپستان متورم اور بہت سخت ہو گیا تھا، وہ کسی کو دکھانے پر آمادہ نہیں تھی۔ علوی خاں کو رو داد اور کیفیت مرض سنائی گئی، اور وہ علاج کے لیے تیار ہو گئے۔ انہوں نے ایک کمرہ میں باریک میدہ پکھانے کا حکم دیا اس کے بعد بیگم سے برہنہ پا اس فرش پر چلنے کی فرمائش کی جب وہ اس پر پیر رکھ کر گزریں تو علوی خاں نے قدموں کے نشانات کا بغور مطالعہ کیا اور پیر کی رنگ پہچان کر اس نقش قدم پر لوگوں کی نظریں پھا کر نشتر چھپا دیا اور بیگم سے سابقہ نشانات پر ہی قدم جما کر ایک بار اور چلنے کی فرمائش کی بیگم نے جب دوبارہ چلنا شروع کیا تو نشتر کی جگہ پیر رکھتے ہی چبھا اور وہ چیخ کر مار کر گریں۔ نشتر فوراً ان کے پیر سے نکالا گیا اس تدبیر سے حکیم صاحب کا مقصد فصد کھولنا تھا، جس کے لیے وہ کسی قیمت پر تیار نہیں ہو سکتی تھیں۔ اس کامیاب تدبیر کے بعد بہت جلد ان کے مرض کا ازالہ ہو گیا۔

حکیم علوی خاں ایک درجن سے زیادہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان کتابوں میں قرابادین علوی خاں اطبا کے معمولات میں شامل رہی ہے، دوسری کتابوں میں جامع الجوامع، رسالہ امراض اطفال رسالہ دستور العلاج سور الفنیہ واستنفا، علاج الحمی، رسالہ قوانین علاج، حاشیہ شرح اسباب وعلامات، احوال اعصار الشمس، علاج الانسان، آثار باقیہ، شرح مجسطی، حاشیہ بدایتہ الحکمت میبذی، شرح اقلیدس

لے عالم میں انتخاب دلی ص ۱۲۱ و ۱۲۲

۷ رسالہ جو دیہ ص ۲۲

رسالہ فی الموسیقی میں۔ ان کے علاوہ جس کثرت سے ان کے مطب، دستور العمل، مہربانیاں، معمولات اور قواعد و قوانین علاج وغیرہ ناموں سے ان کے شاگردوں نے ان کے طبی افادات جمع کئے ہیں دوسرے اساتذہ فن کے ہاں اس کی مثالیں نہیں ملتی ہیں۔

علوی خاں کو اپنے والد کی طرح شعر و سخن کا بھی ذوق تھا، ان کے والد حکیم مرزا ہادی قلندر کا شعر تخلص تھا۔ اور یہ علوی ہی کے نام سے شعر کہتے تھے، جامع الجوامع میں سیکڑوں اشعار درج ہیں۔ سراج الدین خاں آرزو کو ان کی خدمت میں کمال ارتباط حاصل تھا اس ربط و تعلق کی وجہ میر سید محمد تھے جو علوی خاں کے نہ صرف قریبی عزیز بلکہ قائم مقام فرزند رشید تھے اور شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔

خاندان بقیانی

حکیم بقیان اللہ خاں

حکیم بقیان اللہ خاں ایک جلیل القدر طبی خانوادہ کے بالکمال فرد ہیں۔ جس طرح ان کے اسلاف میں طبی سلسلہ اوپر تک قائم ہے۔ اسی طرح آج بھی برصغیر ہندوپاک میں ان کے خاندان میں متعدد طبیب موجود ہیں۔ اور خاندان بقیانی کے نام سے اسے اختیار حاصل ہے۔ ان کا سلسلہ اس طرح ہے۔ حکیم بقیان اللہ خاں اعظم ابن حکیم عبدالسلام خاں ابن حکیم حبیب اللہ خاں ابن حکیم دوست محمد خاں ابن حکیم شاہ محمد خاں ابن حکیم ارشد خاں ابن حکیم سبحان خاں۔

۱۔ علی گڑھ کے طبی مخطوطات ص ۱۲۵

۲۔ مجمع النقایس ص ۶۱

حکیم میساجاں ایران کے مشہور مردم خیز قبیلہ لار کے باشندہ تھے۔ اور شہنشاہ ایران کے دربار میں ”حکیم باشی“ کے مرتبہ پر فائز تھے، وہیں آخر وقت تک قیام رہا۔ ان کے بیٹے حکیم ارشد خاں اس خاندان کے پہلے طبیب ہیں جو ایران سے ہندوستان آئے۔ اور شہنشاہ اورنگ زیب کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ ایران میں ان کا تعلق شاہ عباس صفوی کے دربار سے تھا۔ حکیم ارشد خاں کے بیٹے حکیم شاہ محمد خاں اور پوتے حکیم دوست محمد خاں بھی دہلی میں ممتاز رہے۔ حکیم نجیب اللہ خاں بادشاہ ابوالبرکات کے معالج خاص تھے۔ حکیم عبدالسلام خاں ارکاناس الزماں اور افلاطون دوراں کہلاتے تھے۔ محمد شاہ کی طرف سے دو ہزاری منصب حاصل تھا۔

حکیم بقا اللہ خاں (۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء) نہایت حاذق طبیب اور سربر آوردہ شخص تھے دہلی میں ان کے مطلب اور درس کی دھوم تھی۔ معاصرین میں ممتاز سمجھے جاتے تھے، تھانہ حوض قاضی کے قریب دو منزلہ مسجد ان کی یادگار ہے۔ مرزا انیسٹین بیگ نے ان کی حویلی کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کے صاحبزادہ حکیم محمد اسمعیل خاں المناطیب بہ طبیب خاقان نے ان کے مجربات و معمولات مرتب کئے اور مجموعہ بقائی نام رکھا، عام طور پر نام کی وجہ سے لوگوں نے اسے حکیم بقا خاں کی تصنیف قرار دیا ہے۔ حکیم کو نثر چاند پوری نے ایک اور بڑی غلطی یہ کی ہے کہ انہوں نے حکیم ذکار اللہ خاں کو حکیم بقا خاں سمجھا ہے۔ ان کا بیان ہے ”حکیم بقائی کا پورا نام ذکار اللہ ابن اسحق بن اسمعیل تھا۔ انہوں نے ایک قرابادین بھی تالیف کی تھی جو قرابادین ذکائی یا قرابادین بقائی کے نام سے طبع ہو چکی ہے۔ یہ پورا بیان بالکل غلط ہے جس طرح حکیم بقا خاں اور ذکار اللہ ایک شخصیت نہیں ہیں۔ اسی طرح قرابادین بقائی اور قرابادین ذکائی دو علاحدہ کتابیں ہیں۔ پہلی کے مصنف حکیم اسمعیل خاں

۱۔ حیات کرم حسین ص ۱۰۵ و ۱۰۶

۲۔ سیر المنازل ص ۱۸

۳۔ الجائے عہد مغلیہ ص ۶۳

اور دوسری کے مصنف ان کے پوتے حکیم ذکار اللہ خاں ہیں۔ اسی طرح امداد صابری نے حکیم اسمعیل خاں اور حکیم ذکار اللہ خاں کو حکیم بقار اللہ کا بیٹا لکھا ہے۔ جبکہ در حقیقت حکیم اسمعیل ان کے بیٹے اور حکیم ذکار اللہ ان کے پوتے ہیں۔ حکیم محمد اسمعیل حضرت شاہ ولی اللہ کے چچا شیخ ابوالرضا کے مرید تھے۔ دو جلدوں پر مشتمل قرابادین بقافی کی پہلی جلد حکیم دسمبر ۱۸۶۱ء کو اور دوسری جلد فروری ۱۸۶۲ء کو ہندو پریس دہلی سے چھپی ہے۔ دونوں کے مجموعی صفحہ کی تعداد ۱۰۷۸ ہے۔

حکیم اسمعیل خاں کے علاوہ حکیم بقار اللہ خاں کے دوسرے بیٹے حکیم بھلو بقافی تھے یہ ارسطوئے دوراں کہلاتے تھے، ان کے بیٹے حکیم سعید الدولہ سقراط الزماں اور ان کے بیٹے حکیم نجف خاں مسیح الملک تھے۔ حکیم نجف خاں کے ایک بیٹے حکیم جالینوس الزماں تھے جنہوں نے اکل الحکما کا اعجاز حاصل کیا۔ دوسرے بیٹے حکیم ظہیر الدین تھے، جن کے صاحبزادگان حکیم رضی الدین اور حکیم ریاض الدین نے بھی اپنے زمانہ میں ناموری حاصل کی۔

حکیم معالج خاں

حکیم محمد اشرف کشمیری دہلوی کو محمد شاہ کے دربار میں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی۔ معالج خاں کے خطاب سے سرفراز ہوئے اور اسی سے شہرت پائی، یہ اپنے زمانہ کے دہلی کے اہلوائے کبار میں ہیں، طب کی تعلیم حکیم علومی خاں سے حاصل کی تھی۔ طب و معالجہ میں یکتا تھے، درس و افادہ کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت بڑی تعداد میں طلبہ ان کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ان کے شاگردوں میں ممتاز طبیبوں کے نام ملتے ہیں۔ حکیم میر محبوب علی ان کے بڑے فاضل شاگرد تھے، حدود الحیات کے نام سے محبوب علی

کا ایک رسالہ ہے۔

حکیم معالج خاں کے نسخے ہائے مطب کو معمولات حکیم معالج خاں کے نام سے ان کی وفات کے بعد ان کے شاگردوں نے مرتب کیا ہے۔ اس کا ایک خطی نسخہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں محفوظ ہے۔ یہ محض نسخوں کا مجموعہ ہے، معالجہ سے متعلق بعض اہم ہدایات اس میں درج ہیں۔

دوسرے مؤلفین نے اپنے مجربات کے مجموعوں میں حکیم معالج خاں کے مرتبہ نسخے اعتماد کے ساتھ نقل کئے ہیں۔ اس سے ان کی فنی قابلیت کا اظہار ہوتا ہے۔ متعدد مخطوطات پر حکیم معالج خاں کے دستخطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابوں کا بھی ان کے پاس اچھا ذخیرہ تھا۔ دہلی میں وفات پائی۔ عمر ساٹھ برس سے زیادہ تھی۔

تاریخ محمدی میں ان کی تاریخ وفات اور ربیع الثانی یا اوایل جمادی الاول ۱۱۳۶ھ ۱۷۲۴ء درج ہے۔ حکیم معالج خاں کے بزرگ کشمیر کے رہنے والے تھے۔ نواب شجاع الدولہ کے عہد میں فیض آباد گئے۔ نواب اور ان کی بیگم امنہ الزہرا کے ہاں تقرب تھا۔ آصف الدولہ کے زمانہ میں بھی فیض آباد میں قیام رہا۔

حکیم اعاجب خاں

حکیم اعاجب بن حکیم محمد اشرف شیرازی المخاطب معالج خاں بن علی اصغر خاں۔ بن نواب مغرب خاں شاہ جہانی امٹارویں صدی کے دہلی کے عالم طب تھے۔ طب سے

۱۔ علی گڑھ کے طبی مخطوطات ص ۱۲۶

۲۔ تاریخ محمدی جلد ۲ حصہ ۶ ص ۵۵

۳۔ نزہتہ الخواطر جلد ۷ ص ۲۸۵

نا براتی تعلق تھا اور درکس اور مطلب کا سلسلہ رہتا تھا، انہوں نے عربی میں نفیسی پر ایک عمدہ حاشیہ تحریر کیا ہے۔ رضالائبریری رامپور اور خدا بخش پٹنہ میں اس کے نسخے موجود ہیں بلکہ

حکیم محمد داہم خاں

حکیم محمد داہم خاں اور ان کے بھائی دیوان محمد عاقل خاں امراتہ محمد شاہی میں تھے۔ دہلی قدیمی وطن تھا۔ نادر شاہی حملہ کے بعد دہلی کی سکونت ترک کر کے امراتہ پہنچے اور محلہ شاہی چبوترہ میں بود و باش اختیار کی۔ حکیم داہم کا تعلق خاندان کنبوہ کے معزز اراکین میں ہے، ان کے بعد کئی پشتوں تک طبابت کا سلسلہ قائم رہا۔ ان کے بیٹے حکیم محمد محفوظ خاں پوتے حکیم محمد مسعود احمد خاں کا شمار طب کی بڑی شخصیتوں میں تھا، حکیم محمد مسعود احمد خاں کے بیٹے حکیم منصور علی خاں فقیر دوست اور مخیر بزرگ تھے۔ ثروت و اقتدار حاصل تھا، راجہ ٹیکت رائے وزیر نواب آصف الدولہ سے خاص تعلق تھا، راجہ ہی کے توسل سے آصف الدولہ کی سرکار میں بصیفہ طبابت مامور ہوئے۔ پانچ سو روپیہ ماہانہ مشاہرہ تھا۔

دیوان محمد عاقل خاں کے پوتے اور فاخر علی خاں کے بیٹے حکیم محمد منیر ذمی علم طبیب اور شاندار شخصیت کے مالک تھے فاخر علی خاں نے بھی اپنے بزرگوں کے ساتھ دہلی کی سکونت ترک کر کے امراتہ میں بود و باش اختیار کی۔ ان کے اخلاف بھی صاحب علم و دانش ہوئے اور ان کی نسل میں دجاہت و وقار اور عزت و اعتبار قائم رہا۔

۱۔ قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین ص ۱۵۹

۲۔ المشاہیر ص ۲۲۲

حکیم لطف الدین

خاندان کنبوہ کے ممتاز طبیب تھے، ان کا تعلق مفتی محمد اکرم عالمگیری کے خاندان سے تھا، یہ نہایت خوش صحبت، قیافہ شناس، آداب دان اور بالادست طبیب تھے، نادر شاہی حملہ کے بعد دہلی سے مارہرہ پہنچے۔ وہاں ایک ذی زنبہ اور ہم قوم رہتیں کریم الدین محمد کی دختر سے شادی ہوئی۔ ان کی نسل باقی نہیں رہی، حکیم لطف الدین کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہے۔ لیکن ان کے خسر کریم الدین محمد نے ۱۱۹۶ھ/۱۷۸۱ء میں انتقال کیا تھا۔

حکیم اکل خاں

محمد شاہ کے معالج تھے۔ اکثر و بیشتر قلعہ میں وقت گزرتا تھا۔ حسن خدمات کے صلہ میں اکل المحققین و حاذق الملک کا خطاب ملا تھا۔ دو لاکھ روپیہ کی جاگیر سواد عظیم آباد پٹنہ اور سہ ہزاری منصب عطا تھا، آخر عمر میں محمد شاہ ان کے سواد دوسرے کا علاج نہیں کرتا تھا۔ خاندانی روایت کے مطابق احمد شاہ نے حکیم صاحب سے ذریعہ محمد شاہ کو ختم کرنا چاہا، لیکن حکیم صاحب کسی طرح اس خلاف انسابیت فعل کے لیے تیار نہیں ہوئے، محمد شاہ کے انتقال کے بعد احمد شاہ (۱۷۵۲-۱۷۶۸ء) نے انتقامی جذبہ کے تحت حکیم صاحب کے تمام عطیات شاہی کی ضبطی کا حکم دیا۔ اس کے بعد حکیم صاحب گوشہ نشین ہو گئے۔ بیشتر وقت مرلیوں کو دیکھنے میں صرف

۱۷۸۰ء المشاہیر ص ۲۸۰

۱۷۸۱ء اجل میگزین ص ۲۳۱

کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں حکیم محمد شریف خاں اور حکیم محمد سعید خاں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ خود طبی کتابوں کا درس دیتے تھے اور طب و معالجہ کے رموز سکھاتے تھے۔

۲۹ رمضان کو وفات پائی، تذکرۃ الخواجگان اور بڑی بیاض میں سنہ وفات ۱۲۰۲ھ / ۱۷۸۷ء درج ہے۔

حکیم اجل خاں ثانی

حکیم و اصل خاں کے دوسرے بیٹے تھے، بڑے بھائی حکیم اکل خاں قلعہ معلیٰ میں اراکین خاندان شاہی کے معالجہ میں مہر و فرہتے تھے، ان کا گھر بر عوامی مطب کا سلسلہ تھا۔ درس و تدریس کا شوق بھی رکھتے تھے، حکیم شریف خاں کے تذکرہ میں ملتا ہے کہ ان کے چچا حکیم اجل خاں دوپہر کو انہیں کتابیں پڑھاتے تھے اور صبح اپنے مطب میں بیٹھا کہ مریضوں پر تشخیص مرض اور تجویز نسخہ لکھاتے تھے۔

حکیم اجل خاں کی بیاضوں کی صورت میں دو کتابیں یاد گار ہیں۔ ایک بیاض میں دوسروں کے بحر بات قلمبند کئے، ہیں اور دوسری میں اپنے قابل اعتماد بحر بات جمع کئے ہیں۔ ان کی ذہانت اور قابلیت کا اعتراف کیا گیا ہے۔ حکیم اکل خاں کی وفات کے بعد تک زندہ رہے۔ حکیم عاقل، حکیم عادل اور حکیم مہدی تین بیٹے تھے، حکیم کوثر چاند پوری نے حکیم اجل خاں کے نام کے آگے گواہی لکھا دیکھ کر خیال کیا ہے کہ ان کا گواہی قیام رہا ہو گا۔ پھر ساتھ ہی لکھا ہے کہ اجل میگزین کے مقالہ نگار نے ان کے گواہی جانے کا کوئی اشارہ نہیں کیا ہے، حکیم کوثر شش و پنج میں پڑ گئے ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں کہ "نہیں کہا جاسکتا کہ وہ گواہی لکھے یا نہیں" لیکن یہ سب اس لاعلمی

لے تذکرۃ الخواجگان ص ۸۵ سے حکیم اجل خاں ص ۱۱۳

کی وجہ سے ہوا ہے کہ یہ اس خاندان میں اجمل خاں اول نہیں ہیں جیسا کہ حکیم کوثر نے انہیں سمجھا ہے، جن حکیم اجمل خاں کے آگے گو ایار لکھا ہوا ہے وہ اجمل خاں اول یعنی حکیم اکل خاں اور حکیم اجمل خاں ثانی کے دادا حکیم محمد فاضل خاں کے حقیقی بھائی ہیں۔ اور ان کی شاخ کا گو ایار سے تعلق ہے۔

حکیم قوام الدین خاں

محمد مرشد الخطاب حکیم قوام الدین کے والد اعظم الدین خاں بہادر شاہ کے زمانہ کے علماء و امرا میں تھے۔ سلسلہ نسب نویں پشت میں ہندوستان میں خاندان کینوہ کے سرخیل اور مشہور بزرگ شیخ سہار الدین (وفات ۱۷ جمادی الاول ۱۲۹۵/۶۹۰ء) سے ملتا ہے۔

حکیم قوام الدین نے علوم عقلی و نقلی اپنے پدر بزرگوار سے حاصل کئے، معتمد الملک حکیم علوی خاں سے طب کی تعلیم پائی۔ اپنے زمانہ کے مشہور طبیبوں میں شمار ہوئے۔ بہادر شاہ کے دامن دولت سے وابستہ تھے۔ دار الشفا دہلی کے ہستم مقرر ہوئے۔ اس دار الشفا کا سالانہ خرچ تین لاکھ روپیہ تھا۔ ۱۸ جلوس محمد شاہی مطابق ۱۱۲۸/۱۷۳۵ء میں برسالتہ روشنی دور ظفر خاں منصب پانچ صدی ذات پر سرفراز ہوئے۔ دہلی میں وفات پائی اور مقبرہ شیخ سہار الدین میں مدفون ہوئے۔ حکیم امام الدین خاں اور حکیم رضی الدین خاں دو فرزند یادگار چوڑے بے

حکیم امام الدین خاں

مرجع امر اور اطباء نامہ دار میں تھے۔ معقولات اور منقولات میں دسترس تھی۔

تصوف سے بھی ذوق تھا۔ فصوص الحکم اور مشنوی مولانا روم کا درس ہوتا تھا۔ نہایت خوش رو اور بہادر تھے۔ ۶ جلوس احمد شاہ موافق ۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۲ء میں پانچ صدی ذات منصب عطا ہوا۔ عالمگیر ثانی نے حکیم الملک کا خطاب دیا۔ اور ایک ہزار پانچ صدی منصب مقرر کیا۔ ذوالفقار الدولہ امیر الامرا نواب نجف خاں وزیر سے بہت تعلق تھا۔ تختہ التواریخ کے مطابق شاہ عالم کے زمانہ میں سلطنت کے ضعف کی وجہ سے دہلی کی سکونت ترک کر کے امر وہہ میں توطن اختیار کیا۔ ان کے بھائی حکیم رضی الدین بھی ان کے ہمراہ منتقل ہوئے۔

حکیم امام الدین نے دہلی میں انتقال کیا اور مقبرہ شیخ سہار الدین متصل حوض شمسی ہرولی میں مدفون ہوئے، حکیم رمضان علی خاں اور حکیم غلام علی دو بیٹے تھے۔
حکیم رمضان علی کو ۲۳ جلوس شاہ عالم موافق ۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۰ء کو بر سالہ مزار نجف خاں ہزاری ذات اور دوسو سوار کا منصب اور خطاب خانی عطا ہوا تھا۔

حکیم امام الدین خاں کے دوسرے بیٹے حکیم غلام علی خاں دہلی میں پیدا ہوئے عربی، فارسی اور طب کی تعلیم اپنے والد سے پائی۔ مشکل سے علاج پذیر امراض کا کامیابی سے علاج کرتے تھے۔ ۱۴ جلوس ۱۱۸۷ھ / ۱۷۷۳ء میں بر سالہ روشن الدولہ ظفر خاں منصب پانچ صدی ذات و سوسوار تھا، حسین علی خاں خطاب عطا ہوا تھا۔ بعد میں پانچ صدی ذات و پانچ صدی سوار کا منصب ملا۔ ۲۶ جمادی الثانی ۱۲۲۲ھ / ۱۸۲۸ء انتقال کیا امر وہہ میں مدفون ہیں۔ حکیم بو علی خاں اور حکیم عظیم علی خاں دو فرزند تھے۔

حکیم رضی الدین خاں

حکیم قوام الدین کے دوسرے صاحبزادہ تھے۔ امر وہہ میں پیدا ہوئے۔ امر وہہ

۱۔ المشاہیر ص ۲۴۰

۲۔ ایضاً ص ۲۴۰

۳۔ " " ۲۴۱

اور دہلی کے اساتذہ سے تعلیم پائی۔ طب اپنے والد سے سیکھی اپنے اسلاف و اخوان کی طرح
 با نام و نشان اور معزز و محترم رہے۔ ۲۹ جلوس محمد شاہ بر سالہ فخر الدین خاں حسین ان کو پانچ
 صدی ذات کا منصب تھا۔ حکیم عبدالحی حسنی کے مطابق پانچ صدی کا یہ منصب احمد شاہ
 بن محمد شاہ نے عطا کیا تھا۔ دہلی میں ایک عرصہ تک قیام رہا، پھر لکھنؤ گئے اور
 آصف الدولہ کے ہاں اعزاز حاصل کیا۔ ان کی کتابوں میں الرضیہ حاشیہ شرح اسباب،
 جامع الرضی (معالجات) اور الرسالۃ الجماعیہ ہیں۔ رمضان ۱۲۳۳ھ ۱۸۱۷ء امر وہ میں انتقال
 ہوا ہے

حکیم رضی الدین خاں کے بیٹے حکیم فیروز علی خاں کو بھی یہ منصب ۲۷ جلوس شاہ عالم
 بر سالہ صاحب عالم مرزا محمد اکبر شاہ ملا تھا، فیروز علی خاں کے کوئی اولاد ذکر نہیں تھی۔
 ان کے نواسہ حکیم نیاز علی خاں برادر زادہ مولانا نزاب لکھنوی لایق طبیب اور مصنف
 تھے

حکیم مہابت خاں

حسین المشہر بہ مظفر بن محمد بن قاسم ہرومی کو مہابت خاں کا خطاب تھا، ان کے
 باپ اور دادا دہلی کے مشہور طبیبوں میں تھے۔ انہوں نے طب کی تعلیم حکیم محمد حسین
 بقراط خاں سے حاصل کی تھی۔

۱۱۷۴ھ/۱۷۶۰ء میں انہوں نے ایک کتاب سراج العلاج تصنیف کی۔ یہ سلسلہ
 قرابادین کی ایک ضخیم اور جامع کتاب ہے، اس میں ذاتی مجربات کے علاوہ اپنے
 والد اور جد بزرگوار اور دوسرے ہندوستانی طبیبوں مثلاً حکیم شاہ محمد اکبر آبادی

سے زہنتہ الخواطر جلد ۷، ص ۱۸۰ بحوالہ شمس التواریخ

سے المشاہیر ص ۲۴۳

حکیم مرزا سلیمان شیرازی، حکیم اسمعیل، حکیم محمد جعفر، حکیم اجل خاں، حکیم احمد، حکیم عابد، حکیم محمد حیات لاہوری، حکیم داؤد تقرب خاں وغیرہ کے مجرب نسخے شامل کئے ہیں۔ اپنے استاد حکیم بقراط خاں اور ان کے والد حکیم معصوم خاں کے حوالہ سے بھی متعدد نسخے نقل ہیں۔ مولف حکیم علوی خاں سے خاص طور پر متاثر نظر آتا ہے۔ یہ محض کتابی نسخوں کا مجموعہ نہیں ہے، اس میں اگر ایک طرف اظہارِ دہلی کے معمولات کثرت سے پیش کئے گئے ہیں تو دوسری طرف ذاتی مختصر نسخوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے جو مولف کی فنی مہارت کا ثبوت ہے۔ کتاب پاپرخ مقالوں پر مشتمل ہے۔ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اس کا مخطوطہ محفوظ ہے۔ اس کی کتابت ۲۱ دسمبر ۱۸۶۰ء کو ہوئی ہے بلکہ

حکیم راضی خاں

قطب الدین خاں کے صاحبزادہ تھے، شاہ عالم کے عہد میں ۱۱۷۳ھ/۱۷۵۹ء میں "فوائد معدہ فی نزیب ضعف معدہ" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ دیباچہ کے مطابق وجہ تالیف اس مرض کی عمومیت اور خود شاہ عالم کا اس میں مبتلا ہونا ہے۔ بادشاہ کے قرب و اختصاص کی بنا پر مولف نے ضعف معدہ کے اسباب و علامات اور علاج پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

حکیم منظر مظفر

۱۱۷۷ھ/۱۷۶۳ء میں شاہ عالم سے منسوب کرتے ہوئے انہوں نے خلاصۃ العیش

عالم شاہی کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔

شاہ اہل اللہ

شاہ اہل اللہ بن شاہ عبد الرحیم عالم منقہ اور طبیب تھے۔ اپنے برادر گرامی شاہ ولی اللہ (وفات ۱۱۷۴ھ/۱۷۶۲ء بمصر ۶۲ برس) سے درسیات کی تعلیم پائی۔ اور طبی علوم میں امتیاز پیدا کیا، طبی حلقوں میں ان کی کتاب تکملہ ہندی جو طبع ہو چکی ہے، محتاج تعارف نہیں ہے، تکملہ یونانی بھی معروف ہے۔ لیکن ان کی کتاب ترجمہ و شرح موجز القانون کے بارے میں کوئی واقفیت نہیں تھی، کسی تذکرہ نگار کے ہاں اس کا حوالہ نہیں ملتا ہے۔ پہلی مرتبہ اسے متعارف کرانے کی عزت راقم سطور کو حاصل ہوئی۔ شاہ اہل اللہ نے فارسی میں موجز کے ترجمہ کے ساتھ ضروری مقامات کی توضیح بھی کی ہے۔ دیباچہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ "علاء الدین قرشی ابن نفیس کی یہ کتاب جو نہایت مختصر اور طب کے تمام ضروری مباحث پر منقسم ہے اور ہر چند کہ بڑی تعداد میں اس کی شرحیں کی گئی ہیں لیکن فارسی خواندہ ان کے مطالعہ سے محروم ہیں، ان کے استفادہ کے لیے اس کا ترجمہ بعض دوسرے مفید اضافوں کے ساتھ پیش ہے۔" ۵۹۶ صفحات کی اس کتاب کے آخر میں آٹھ اشعار کی ایک نظم ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۸۰/۱۷۶۶ء میں انہوں نے چالیس روز میں اس ترجمہ کی تکمیل کی ہے۔

شد میسر کارم از رب خلق آنکہ پیدا کرد انسان از خلق

یک ہزار و یک صد و ہشتاد و یک سال ہجری بودہ است تا ماہ سنہ

موجز القانون اندر چہل روز شد مترجم جملہ تا آخر ورق

اجمل خاں طبیبہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اس کا مخطوطہ موجود ہے، یہ سنہ

کی وضاحت کے بغیر، رمضان کا مکتوبہ ہے، شاہ اہل اللہ کی تاریخ پیدائش ۱۱۱۱ھ/

۱۶۹۹ء اور تاریخ وفات ۱۱۹۰ھ/۱۷۷۶ء ہے جو قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر میں ان کی

قبر پر کندہ ہے، صاحب نزہتہ الخواطر نے، ۱۱۸۸ھ کے قریب وفات لکھی ہے۔ ان کی متعدد کتابوں میں مختصر ہدایتہ الفقہ مرغینانی، تفسیر قرآن مجید کے علاوہ فارسی میں فقہ، عقاید اور سلوک پر کتابیں ہیں۔

حکیم اسحق خاں

حکیم اسحق خاں دہلی میں پیدا ہوئے۔ طب کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ شاہ عالم کے خصوصی معالج تھے ۱۱۷۲ھ/۱۷۵۸ء میں پنج ہزاری منصب اور معتمد الملک کا خطاب مرحمت ہوا۔ شاہ جہاں آباد کی دیوانی پر بھی مامور کئے گئے تھے، حکیم عبدالحمی حسنی نے ان کا خطاب حاذق الملک بھی لکھا ہے۔ دروس کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ علوم عقلی و نقلی کے ماہر، طبیب حاذق حکیم امام بخش کرپوری ان کے شاگرد ہیں۔

حکیم اسحق خاں نے عربی زبان میں طب کے تالیفی سلسلہ کو آگے بڑھایا۔ ان کی تصانیف میں ایک غایبہ الفہوم فی تدبیر المجموع ہے۔ یہ جمیات قانون کی شرح ہے، دیباچہ کے مطابق یہ ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۹ء میں مرتب ہوئی ہے۔ اس میں شرح قرشی اور شرح گیلانی کو بطور بنیاد استعمال کیا گیا ہے۔ خدا بخش پٹنہ اور رضالا تبریری راچپور میں اس کے نسخے ہیں۔ موخر الذکر نسخہ پر احترام الدولہ حکیم احسن اللہ خاں کی مہر ثبت ہے۔

ان کی دوسری کتاب موارد الحکم فی علاج الامراض من الراس الی القدم ہے۔ یہ قانون ابن سینا کی جلد سوم کی تلخیص ہے، اس معالجاتی اختصار کی شرح کی یہ صرف حکیم اسحق خاں نے ضرورت محسوس کی بلکہ یہ ایک دوسرے مصنف کی توجہ کا بھی مرکز بنی

۱۔ قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین ص ۲۱۸ و ۲۱۹

۲۔ نزہتہ الخواطر جلد ۶ ص ۲۲

۳۔ دہلی کی یادگار ہستیاں ص ۱۸۹ نیز دہلی کی یادگار شخصیتیں ص ۱۱۷

۴۔ نزہتہ الخواطر جلد ۶ ص ۳۲ ۵۔ تذکرہ علماء ہند ص ۲۶ نزہتہ الخواطر جلد ۷ ص ۳۷

اور اس کی نثر حوں نے بھی اس موضوع کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے اہم مواد فراہم کیا۔
 کلیم اللہ بن صبغۃ اللہ حبیب نے احمدی خاں کی فرمائش پر موارد الحکم کی جو شرح کی ہے
 وہ ۳۲۹ صفحات پر مشتمل رضالا بتریری راہپور میں موجود ہے برو کلہان نے بھی اس کا
 ذکر کیا ہے۔

حکیم اسٹی نے خود بھی جوامع الکلم کے نام سے موارد الحکم کی شرح لکھی ہے۔ یہ
 دو ضخیم جلدوں میں ہے اور ۱۱۸۲/۴۱۷۸ کے بعد کی تصنیف ہے، رضالا بتریری میں
 اس کے نسخے موجود ہیں۔ ایک نسخہ کے حاشیہ پر حکیم اسٹی خاں کے بیٹے کے ہاتھ کی یاد
 دانتیں ہیں، یہ نسخہ ۱۲۳۲/۴۱۷۸ کا لکھا ہوا ہے بلکہ حکیم ذکار اللہ خاں اور حکیم غلام
 رضا خاں بیٹے تھے۔

حکیم سلامت علی خاں

حکیم سلامت علی خاں المخاطب بہ مذاقت خاں اطہار خاندان کنبوہ کے نامور فرد
 ہیں۔ یہ طب میں کامل اور علوم عقلی و نقلی میں فاضل تھے۔ امراء و سلاطین کے درباروں
 میں امتیاز و اعتبار حاصل تھا۔ کابلت فن کے اعتراف میں ۱۲۱۰ھ ۱۷۹۵ء میں شاہ
 عالم نے حکیم مذاقت خاں کا خطاب عطا کیا تھا۔ فرمان شاہی کے الفاظ ہیں۔

”درینوقت بیمنت قرآن فرمان والا نشان واجب الطاعت والاذعان صادر
 شد کہ منقضانی و فورمراحم خاقانی و فرط تفضلات خسروانی کہ نمونہ افضال بزدانی
 است مذاقت انتباہ حکیم سلامت علی خاں را بخطاب مذاقت خاں بن الاعیان
 والارکان و فی الامثال والاقران سرفراز و ممتاز فرمودیم باید کہ فرزند ان کامگار والابنار و
 وزرار ذوی الاقتدار و امرای عالی مقدار و جمیع ارکان دربار جہان مدار و حکام

ممالک حذاقت انتباہ مذکورہ از جناب فیض مآب بادشاہی بشمول این خطاب برگزیدہ و القاب پسندیدہ معزز و مباہی دانستہ انظار عنایت مابہ دولت نسبت باحوال فرخندہ مال خاندان مذکورہ یومانیو ما متزاید و نہایت قصور نمایند، تاریخ پانزدہم شہر جمادی الاول سال سی و ہفتم از جلوس ابد مانوس والا مرقوم شد، حکیم سلامت علی خاں خاندان شاہی کی بناہی کے بعد آبائی وطن دہلی سے بنارس منتقل ہوئے، انگریزی عملداری شروع ہو گئی تھی۔ اپنے تخر علمی کی وجہ سے بنارس میں کورٹ اپیل کے قاضی و مفتی ہو گئے۔ طبابت و فیضیت کے سبب شہر میں اول درجہ کا اعزاز تھا۔ ایک مرتبہ بنارس میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں کسی امر پر نزاع ہوا۔ ایک دوسرے کی عبادت گاہوں کو منہدم کیا جانے لگا۔ نئی عملداری تھی۔ کمپنی کو تشویش ہوئی۔ حکیم صاحب، ہی شہر میں ایسے بااثر آدمی تھے جن پر ہندو اور مسلمان دونوں متفق تھے، چنانچہ ان کی کوششوں سے فریقین میں صلح ہوئی بلکہ

حکیم محمد ہاشم

دہلی کے ایک ممتاز طبی گھرانے سے تعلق تھا۔ ان کے والد حکیم محمد احسن اور جد گرامی حکیم محمد افضل دہلوی نے دہلی میں طبی روایت کو آگے بڑھایا، حکیم محمد ہاشم کے درس کا سلسلہ تھا۔ انہوں نے برہان الدین نفیس کی کتاب شرح اسباب و علامات کا جو معالجات کی مشہور درسی کتاب ہے، حاشیہ لکھا ہے یہ شرح اسباب کی تشریح اور حل مطالب میں ان کا یہ ضخیم حاشیہ شاہ عالم کے عہد میں لکھا گیا ہے۔ ہندوستان

لہ المشاہیر ص ۲۸۲

۲۷ نزہۃ النواظر جلد ۱، ص ۵۳۱

میں طب کے عربی سرمایہ اور بالخصوص معالجاتی ذخیرہ کی یہ ایک اچھی کتاب ہے۔
کشف الاشکالات اس کا تاریخی نام ہے اس سے تاریخ تالیف ۱۱۸۲ھ/۱۷۷۰ء برآمد
ہوتی ہے۔ یہ حاشیہ انہوں نے اپنے زمانہ شباب میں تحریر کیا تھا۔ طبیبہ کالج مسلم
یونیورسٹی، مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ اور دارالعلوم دیوبند میں اس کے قلمی
نسخے موجود ہیں۔ مولانا آزاد کا نسخہ ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء کا مکتوبہ ہے۔ صفحات کی تعداد
۴۷۸ ہے۔

حکیم غلام علی

حکیم غلام علی حسینی دہلوی شیخ فاضل اور اپنے زمانہ میں علم و عمل میں ماہر
تھے۔ ان کا تعلق شیخ نور اللہ احراری کے خاندان سے تھا، طب کی تعلیم معتمد الملک
حکیم محمد ہاشم علمی خاں سے حاصل کی تھی۔ آخر میں فرخ آباد میں نواب غنفر جنگ
کی سرکار سے وابستہ ہوئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ درس و افادہ اور علاج
و معالجہ کی وجہ سے وہاں لوگوں کو ان سے بہت فائدہ پہنچا۔

حکیم سراج الدین

علامہ زمان اور شاہ جہاں آباد کے مشاہیر اہل بار میں تھے۔ ان کی تصانیف کو شہرت
حاصل ہے، چراغ دین، انتخاب بحر الکلام، علم رموز، عقل افزا، حکمت ایمانی، سراج منیر،
سراج ہدایت، لب لباب، مثنوی مولانا روم، دستور العمل علمائے متقدمین و عقلائے

۱۲۸/۵ ص ۱۲۸

۱۲۸/۵ ص ۲۰۸ بحوالہ تاریخ فرخ آباد

سابقین، مجموعہ گل، ریاضین، قانون علاج ان کی کتابیں ہیں۔

حکیم غلام رسول حکمت

بڑے جید عالم اور خوش تقریر بزرگ تھے۔ آبائی وطن کشمیر تھا۔ نواب غازی الدین فیروز جنگ کا معابت کا بدلتا بڑے کروفر سے زندگی بسر کرتے تھے۔ کچھ دنوں نواب فیض اللہ خاں والی رامپور (۱۷۹۴-۱۸۷۲) کے ہاں بھی ملازمت کی۔ دہلی میں انتقال ہوا۔ ان کے بزرگ محمد حسن قانی کشمیر کے شعرا، مشاہیر میں گزرے ہیں۔ حکیم غلام رسول کے بیٹے حکیم عطاء اللہ قریشی انتظام بھی اچھے طبیب اور اچھے شاعر تھے۔ قدرت اللہ بلوچ سے تلمذ تھا۔ نواب فیض اللہ خاں کے ماجرا دوں کے صاحب رہے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں داد سخنوری دیتے تھے۔

حکیم مرزا محمد حسین سخن

ان کے بزرگوں کا کشمیر سے تعلق تھا۔ یہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ فن طب سے آگاہ تھے۔ قاسم نے زیادہ پر زور الفاظ میں تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ انہیں طب میں درجہ کمال حاصل تھا۔

۱۔ تذکرہ علماء ہند ص ۷۱

۲۔ مخزن جاوید جلد ۱ ص ۲۵۲

۳۔ گلشن بے خار ص ۹۵

۴۔ مجموعہ نغمہ ص ۲۹۱

خوش خلق، متواضع، خوش اختلاط، مرد قابل اور ماہر طب تھے، فارسی اور اردو دونوں میں شعر کہتے تھے یہ سخن نخلص تھا۔ صاحب خمخانہ جاوید کا بیان ہے کہ شاہ جہاں آباد کے قدیم شعرا سے تھے۔ طبابت میں اعلیٰ درجہ کی لیاقت اور قابلیت تھی۔ تذکرہ ریختہ گو بیان ہند مؤلف صدر الدین میں ان کا ایک شعر درج ہے۔

جو ہیں جان نکلی و وہ ہیں آن نکلا بھلا مرتے مرتے تو ارمان نکلا
فارسی میں خاص ملکہ تھا

حکیم میر محمد سجاد

میر محمد سجاد خلف میر محمد عظیم مصحح فراہم شاہی تھے۔ آذربائیجان سے آنے کے بعد ان کے آبا و اجداد کا وطن آگرہ بنا۔ ان کا قیام شاہ جہاں آباد میں رہا۔ انہیں جس فن میں دخل تھا وہ کمال کے درجہ کا تھا۔ علم طب کی باقاعدہ تکمیل کی تھی۔ شوق طلسمات، انشاء، خوش نویسی و شعر بھی میں اعلیٰ مرتبہ کے حامل تھے۔ نام کی مناسبت سے سجاد نخلص کرتے تھے۔ یہاں آبرو و وفات ۱۷۷۲ء کے شاگرد تھے۔

جب وطن میں رہتے تھے، شوق سخن کا یہ حال تھا کہ ہمیشہ مشاعرہ میں شعر اکو بلاتے تھے۔

۱۔ عمدہ منتخبہ ص ۳۵۵

۲۔ طبقات شعرائے ہند ص ۳۳۰

۳۔ یادگار شعرا ص ۹۱ سخن شعرا ص ۲۱۲

۴۔ خمخانہ جاوید جلد ۴ ص ۱۳۸

۵۔ گلستاں بے خزاں ص ۱۰۴

۶۔ تذکرہ شعرائے اردو ص ۸۸

۷۔ گلستان بے خزاں ص ۱۰۵

حکیم میر ماشاء اللہ مصدّر

خاندان کے اعتبار سے گرامی منزلت تھے۔ ان کے بزرگ ہندوستان میں نجف اشرف سے آئے تھے بعض کا کہنا ہے کہ کشمیر کے سادات صحیح النسب سے ہیں۔ وہاں کسی زمانہ میں سمرقند سے آئے تھے۔ پھر دہلی میں آکر سکونت اختیار کی۔ رفتہ رفتہ امرا شاہی میں داخل ہوئے اور بعض ان میں بلبل و نقارہ سے بلند آوازہ ہوئے، پیشہ خاندان کے بموجب میر ماشاء اللہ خاں دربار شاہی میں طبیب تھے لیہ اور زمرہ امرا میں داخل تھے۔ ان کے خاندان کی خوبیوں اور گھر کے چال چلن کو دلی اور لکھنؤ کے سب شرفا مانتے تھے۔ ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ ان کے ہاں عورتوں کی پوشاک گھر میں دھوتے تھے یا جلا دینے تھے۔ دھوبی کو نہ دیتے تھے کہ نامحرم کے ہاتھ میں عورتوں کا لباس نہ جائے۔ محمد حسین آزاد کی بیان کردہ یہ خصوصیت کچھ اس خاندان کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھی دہلی اور دوسرے شہروں کے شرفا کے ہاں بھی یہی دستور تھا۔ ہمارے خاندان میں بخارہ میں ۱۹۲۷ء تک یہ وضع قائم رہی۔

مغلیہ سلطنت کے ضعف میں میر ماشاء اللہ کو دہلی سے مرشد آباد جانا پڑا۔ وہاں اعزاز و اکرام سے رہے۔ نواب سراج الدولہ (وفات ۱۱۵۷ھ) کی رفاقت میں عروج پایا۔ وہاں ان کا امارت کا یہ عالم تھا کہ اٹھارہ زنجیر نیل ان کے ہاتھی خانہ میں تھے۔ امیر الامرا نواب ذوالفقار الدولہ کے عہد میں سامان امارت اور دوزنجیر نیل کے ساتھ ممالک شرقیہ سے دہلی آئے تھے لیہ مصحفی نے لکھا ہے کہ ان کے طبی کمالات

۱۔ الجائے عہد مغلیہ ص ۱۶۸ بحوالہ سیر المتاخرین جلد ۲ ص ۶۰۶

۲۔ آب حیات ص ۲۲۷

۳۔ الجائے عہد مغلیہ ص ۱۶۸ لے طبقات شعرا تے ہند ص ۲۰۱

حد درجہ شہرت رکھتے ہیں۔ ان کے بیان کی حاجت نہیں ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اگرچہ اس نے انہیں دیکھا ضرور تھا مگر ان کے اوصاف اور کمال کا بہت تذکرہ سنا ہے۔ شیفتہ نے "در طب جائگاہی ثنائتہ دارد" اور باطن نے انہیں علم طب کا استاد لکھا ہے مگر حسن نے ان کی تعریف کرتے ہوئے ان کے لیے حکیم الحکما کا لقب استعمال کیا ہے۔ علم طب میں مہارت و خوبی اور امارت و ثنوں کے علاوہ مشہور شاعر تھے۔ اور بدیہہ گوئی میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ مزاج میں سخاوت اور مروت تھی۔ ان کا تخلص مصدر اور بیٹے کا تخلص انشائتھا۔ مصدر اور انشا میں قدرتی مناسبت واقع ہوئی ہے۔ صاحب نزہتہ الخواطر نے تاریخ فرخ آباد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حکیم ماشاء اللہ آخر میں فرخ آباد آگئے تھے، وہاں انہوں نے شاندار زندگی بسر کی اور وہیں مظفر جنگ (۱۷۷۱ء) میں اپنے والد احمد خاں بنگش کے جانشین ہوئے تھے۔ کے زمانہ میں وفات پائی۔ ان کے سلسلہ میں یہ بہت اہم حوالہ ہے اس لیے کہ فرخ آباد قیام اور وہاں انتقال کا اس کے علاوہ کہیں ذکر نہیں ملتا ہے۔

حکیم انشاء اللہ خاں انشا

حکیم ماشاء اللہ خاں مصدر کے صاحبزادہ تھے۔ مرشد آباد میں پیدا ہوئے۔ اپنے

۱۔ تذکرہ ہندی ص ۲۵۰

۲۔ گلشن بے خار ص ۱۷۷

۳۔ گلستان بے خزاں ص ۲۱۶ ۴۔ تذکرہ شعراء اردو ص ۲۷

۵۔ لطائف شعرائے ہند ص ۱۹۲

۶۔ عمدہ منتخبہ ص ۷۳۳

۷۔ مجموعہ نغز ص ۸۰

۸۔ نزہتہ الخواطر جلد ۶ حصہ ۲۲۸

والد کی طرح ہوشیار طبیب اور ہندوستان کے بہت زیادہ قابل شعرا میں تھے جس طرح اگلے وقتوں میں خاندانی امیرزادے تعلیم پانے تھے اسی طرح سید انشا کو سب ضروری علوم میں ماہر کیا گیا۔ سرور اور قاسم نے ان کے طبی مرتبہ کے بارے میں لکھا ہے، "انشادرفن طب مہارت کلی دار دہلیہ یہ کئی زبانیں جانتے تھے۔ بزرگی میں بھی شعر کہتے تھے۔ ان کا قیام لکھنؤ میں اگرچہ سلیمان شکوہ کی ملازمت میں رہا۔ لیکن دہلی جو ان کا آبائی وطن تھا، آمد و رفت کا سلسلہ رہتا تھا۔ دہلی کے مشاعروں میں شرکت اور وہاں شعری ماحول گرم رکھنے میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ حکیم سید انشا کی خداداد ذہانت طباعی، شوخی، ظرافت اور جدت کا ایک نہ مانہ قائل ہے، ان کی خاندانی شرافت اور خاندانی اخلاق و آداب دلی اور لکھنؤ کے سب شرفا مانتے تھے ان کے بزرگ دلی میں آکر بس گئے اور وہیں کے ہو گئے۔"

آزاد نے لکھا ہے ایسا طباع اور عالی دماغ آدمی ہندوستان میں کم پیدا ہوا ہوگا وہ اگر علوم میں سے کسی ایک فن کی طرف متوجہ ہوتے تو صد ہا سال تک و جید عصر گنے جاتے۔ طبیعت ایک ہیولی تھی کہ ہر قسم کی صورت پکڑ سکتی تھی، باوجود اس کے شوخی اس قدر کہ سیما ب کی طرح ایک جا فرار نہ تھا۔ انہوں نے کسی سے اصلاح نہ لی۔ والد کو ابتدا میں کلام دکھایا۔ مرشد آباد کے حالات بگڑنے پر وہاں سے دلی آئے۔ اس وقت دلی کا دربار ایک ٹوٹی پھوٹی درگاہ اور سجادہ نشین اس کے شاہ عالم بادشاہ تھے۔ وہ خود بھی شاعر تھے۔ انہوں نے اس نوجوان کو خلعت عزت عطا کی۔ اہل دربار میں داخل ہوتے۔ اپنے اشعار کے ساتھ لطایف و ظرایف سے محفل کو زعفران زار بنا دیتے تھے یہ عالم ہوا کہ شاہ عالم کو ان کی جدائی ناگوار تھی، ان کی طبیعت کی شوخی، زبان کی طرازی، نزاوشوں کی نئی پھین، ایجادوں کے باتکین کے آگے

۱۔ آب حیات ص ۲۲، ۲۔ عمدہ منتخبہ ص ۲۲ و مجموعہ نغز ص ۸۰

۳۔ مقدمہ دریائے لطافت ص الف

پرانے مشاق شاعروں میں سے کوئی ٹک نہیں پاتا تھا۔ چٹھکوں اور نکتہ چینیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان میں مرزا عظیم بیگ بھی تھے جو اپنے کو صائب کا ہم رتبہ سمجھتے تھے اور ان معرکوں میں سب سے آگے رہتے تھے، ایک دن وہ حکیم ماسنار اللہ خاں کے پاس آئے اور غزل سنائی جو بحر جز میں تھی مگر ناواقفیت کی وجہ سے کچھ شعر بحر رمل میں جا پڑے تھے۔ سید انشا بھی موجود تھے، تارگئے، حد سے زیادہ تعریف کی اور اصرار سے اسے مشاعرہ میں پڑھنے کے لیے کہا۔ مدعی کمال نے کہ مغز سخن سے بے خبر تھا یہ غزل مرزا مینڈھو کے ہاں مشاعرہ میں پڑھ ڈالی۔ سید انشانے وہاں تقطیع کی فرمائش کی، اس وقت اس غریب پر جو گزری سو گزری۔ سید انشانے اس کے ساتھ سب کو لے ڈالا اور کوئی دم نہ مار سکا۔ اس کے بعد دونوں طرف سے زبردست معرکہ گرم رہا۔ اور ایک دوسرے کے خلاف ناقابل تخریر سلسلہ شروع ہوا۔ اس کے بعد ایک مشاعرہ میں کمر میں باندھ باندھ کر آئے۔ یہ مشاعرہ ایک خطرناک معرکہ تھا۔ حریفوں نے تیغ و تنگ اور اسلحہ جنگ سنبھالے تھے، بھائی بند اور دوستوں کو ساتھ لیا تھا۔ بعض کو ادھر ادھر لگا رکھا تھا اور بزرگان دین کی نیازیں مان مان کر مشاعرہ میں گئے تھے۔ سید انشانے جو شعر پڑھے تھے ان میں سے بعض ہیں۔

ایک طفل دبستاں ہے فلاطوں مرے آگے
کیا منہ ہے اسطو جو کرے چوں مرے آگے
کیا مال بھلا نضر فریدوں مرے آگے
کاپنے ہے پڑا کنبہ گرزوں مرے آگے
ہوں وہ جبروتی کہ گروہ حکما سب
چزدیوں کی طرح کرنے، میں چوں چوں مرے آگے
بولے ہے یہی خامہ کہ کس کو میں باندھوں
بادل سے چلے آتے ہیں مضمون مرے آگے
بجرے کو مرے خسرو پر ویز، سو حاضر
نمبریں بھی کہے آگے بلالوں مرے آگے
ان کے بعد حکیم میر قدرت اللہ قاسم کے سامنے شمع آئی۔ انہوں نے پڑھنا ہی چاہا

تھا کہ میرنشاہ کو خیال ہوا کہ سید انشا کی، جو کہی گئی ہوگی، مبادا شرفا میں بے لطفی حد سے بڑھ جائے۔ اسی وقت اٹھے کہ دونوں میں صلح کرادیں۔ سید انشانے بھی شرافت خاندانی اور علو حوصلہ سے کام لیا۔ اٹھ کر حکیم صاحب کے گلے لپٹ گئے اور کہا حضرت حکیم صاحب آپ میرے بنی عم، اس پر صاحب علم صاحب فضل، خاتم بدہن بھلا میں آپ پر طنز کروں گا۔ البتہ مرزا عظیم بیگ سے شکایت ہے کہ وہ خواہ مخواہ بددماغی کرتے ہیں۔ عزم کہ سب کی صلح پر خاتم ہو گیا ہے

اس مشاعرہ میں انشا اور دوسرے شعرا کے علاوہ حکیم قدرت اللہ خاں قاسم حکیم نثار اللہ فراق، مرزا عظیم بیگ اور شیخ ولی اللہ محبت بھی تھے۔ یہ چاروں اشخاص اپنے زمانہ کے سخن سنج، سخن داں، سخن ہم اور سخن گو تھے۔ دوسرے شعرا میں قاسم نے برکت اللہ خاں برکت اور مشتاق علی خاں مشتاق کے نام لئے ہیں۔

انشا کا دلی سے اچاٹ ہوا۔ لکھنؤ کا رخ کیا۔ دلی کے قدیم تعلق سے لکھنؤ میں مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں پہنچے۔ وہ عشاہ عالم کے بیٹے تھے، شاعری سے بہت تعلق تھا۔ لکھنؤ میں ان کے وقت کا یہ اہل دہلی کے علاوہ شعرا کا مجمع رہتا تھا، وہاں سید انشا کا مصحفی سے پالا پڑا۔ سلیمان شکوہ کے ہاں مصحفی، جرات اور انشا بمعہ نئے شعری چشمک رہتی تھی قطب الدین باطن کے بقول یہ تینوں اکثر مشاعروں میں ہم ردیف رہے انشا اور مصحفی کے معرکے مشہور ہیں۔

کلیات کے علاوہ انشا کی ایک کتاب درجائے لطافت ہے جس میں قواعد اردو سے بحث کی گئی ہے۔ ایک داستان بھی اردو میں ان کی یادگار ہے، اردو قواعد

۱۔ آب حیات ص ۲۳۸ تا ۲۵۷

۲۔ عمدہ منتخبہ ص ۲۵

۳۔ مجموعہ نغمہ ص ۸۲

۴۔ گلستاں بے خزاں ص ۵۹

پر اگرچہ اس سے پہلے بعض اہل یورپ نے متعدد کتابیں لکھی تھیں لیکن یہ پہلی کتاب ہے جو ایک ہندی اہل زبان نے لکھی ہے۔ عبدالحق کے مطابق یہ نہایت مستند اور محققانہ کتاب ہے۔

انشا کے شاگردوں میں ایشوری سنگھ نشاط دہلوی (گلشن بے خار صفحہ ۲۳۰) مٹھن لال نامی دہلوی (یادگار شعر صفحہ ۱۷۳) محمود بیگ شور دہلوی (یادگار شعر صفحہ ۱۰۲) میر صادق علی صادق (عمدہ منتخبہ صفحہ ۲۰۰) لطیفات شعرائے ہند صفحہ ۳۲۱ تذکرہ ہندی صفحہ ۱۲۸) طالب حسین خاں طالب (لطیفات شعرائے ہند صفحہ ۲۱۱ عمدہ منتخبہ صفحہ ۲۱۱) طالب علی عیسیٰ (تذکرہ ریاض الفصحا صفحہ ۲۲۸) وغیرہ میں ان سے دہلی میں ان کے شعری اذات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ یہاں انشا کے دو شعر ضرور لکھنا چاہوں گا۔

نہ چھیڑاے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی
نخے اٹھکھیلیاں سو جھی ہیں ہم بیزاریٹھے ہیں
کہاں گردش فلک کی چین دیتی ہے انشا
غیبت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

حکیم عوض علی مدعا

میر عوض علی ایک اچھے طبیب اور حافظ رحمت خاں (وفات ۱۶۷۷ء) کے ملازم تھے۔ اردو میں ایک قصیدہ لکھا تھا جس میں پشتو کے بکثرت الفاظ استعمال کئے تھے۔ صاحب تذکرہ شعرائے اردو نے لکھا ہے کہ یہ دہلی کے رہنے والے تھے۔ شاعر بے نظیر و منشی خوش تکریر، طبیب خوش نصیب بہ صداقت فریب، عنایت خاں خلف حافظ رحمت خاں کے ہاں از رہ قدر دانی تین سو روپیہ پر ملازم تھے اس طرح

لہ مقدمہ دیبائے لطافت صفحہ ۴ (۱۲۲۳ء) کی یہ تصنیف عبدالحق کی مساعی سے انجمن ترقی اردو ہند کے زیر اہتمام ۱۹۱۶ء میں پہلی بار اور ۱۹۳۵ء میں دوسری بار طبع ہوئی ہے، پندرہت بزموں ہن دتا تریہ کیفی دہلوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔

۲ یادگار شعر ص ۱۵۴

آخر میں بریلی میں بھی قیام رہا ہے

حکیم شریف خاں

حکیم شریف خاں بن اکل خاں ابن حکیم واصل خاں سے پہلے اگرچہ خاندان میں طب کی تین پشتیں گزر چکی تھیں مگر یہ امتیاز انہی کے حصہ میں آیا کہ ان کے نام سے اس خاندان کو شہرت دوام ملی۔ حذاقت فن، بیش قدر تصنیفات اور کثرت تلامذہ کی وجہ سے وہ اس خانوادہ کے گل سرسبد ہیں، ۱۱۳۸ھ/۱۷۲۵ء میں پیدا ہوئے، اپنے والد حکیم اکل خاں اور چچا حکیم اجمل خاں سے طب کی کتابیں پڑھیں، حکیم عابد سرہندی شارح اسباب و علامات جیسے فاضل استاد سے تلمذ کا موقع ملا، شاہ عالم کے زمانہ میں مرتبہ کمال کو پہنچے، دہلی میں حکیم علومی خاں کے بعد ان سے زیادہ شہرت کسی طبیب کو حاصل نہیں ہوئی، ہندوستان میں علومی خاں کی حذاقت و استاد کی کاڈنکاج رہا تھا، حکیم شریف خاں اپنے زمانہ میں ان کے مدقابل ثابت ہوئے اور بعد کے ہندوستانی اطبا بالخصوص اطباء دہلی کے لیے یہ دونوں سند قرار پاتے، تلمذ کے لحاظ سے اطبا انہی دو کے سلسلہ سے وابستہ تھے، اور ان کے نام کے ساتھ بطور امتیاز علومی خانی اور شریف خانی لکھا جاتا تھا، حکیم علومی خاں کے بعد حکیم شریف خاں سے دہلی کو رونق ملی۔ دہلی میں طب کو فروغ بخشنے میں ان کا بہت زیادہ حصہ ہے، نہ صرف دہلی بلکہ ہندوستان بھر میں اس جامعیت کا کوئی طبیب نہیں تھا۔ ملک کے مختلف حصوں سے ان کا طبی شہرہ سن کر طلبہ دہلی کا رخ کرتے تھے اور دہلی دارالطب بن گئی تھی۔ طب ان کے خاندان میں

لے تذکرہ شعرائے اردو ص ۱۸۰

۱۷ نزہتہ النواظر جلد ۱، ص ۲۱۰

نسل بعد نسل منوار تار ہی۔

مطب و معالجہ کے باوجود اعلیٰ علمی ذوق کی بنا پر تصنیف و تالیف کا مشغلہ جاری رکھا اور طب و دیگر علوم میں متعدد کتابیں تصنیف کیں، وہ پہلے ہندوستانی طبیب ہیں جنہوں نے اپنے معمولات میں آیور ویدک کی مفید صورتوں کا اضافہ اور مجتہدانہ طریقہ پر کشتوں کا استعمال کیا۔ انہوں نے علمی طور پر بھی اس کی وکالت کی اور اس کے فروغ کے اہتمامات کئے۔

حکیم شریف خاں، محرم ۱۲۲۲ھ / ۱۸۰۷ء کو تقریباً ۸۲ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ درگاہ خواجہ قطب الدین کے صحن میں مدفون ہیں، شاہ عبدالعزیز نے دخل الجنۃ بلا حساب مادہ تاریخ کہا ان کی قبر کے کتبہ پر "ہذا مرقد اشرف الحکماء محمد شریف خان الدہلوی دخل الجنۃ بلا حساب" لکھا ہوا تھا لیکن ۱۹۲۷ء کے ہنگامہ میں دوسرے کتبات کے ساتھ اس قبر کے کتبہ کو بھی توڑ دیا گیا، قبر بغیر کتبہ کے ٹھیک حالت میں ہے یہ درگاہ کی مسجد کے جنوب میں راستہ کے قریب واقع ہے۔ ۱۹۲۷ء کے بعد جو اہرلال ہنسرو وزیر اعظم جب درگاہ شریف گئے اور حکیم ہلال قطبی سجادہ نشین کے والد نے جو اس وقت سجادہ نشین تھے، حکیم شریف خاں کی قبر اور دوسری ٹوٹی ہوئی قبریں دکھائیں تو وہ آبدیدہ ہو گئے اور افسردہ اور غمگین چہرہ کے ساتھ حکیم شریف خاں کی قبر پر کچھ دیر نظر رہے۔

رحمن علی نے ۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۵ء تاریخ وفات لکھی ہے اور یہ قطعہ درج کیا ہے۔

حکیم و طبیب و لطیف و ظریف

صد افسوس مرزا محمد شریف

دریغ ازیں دارقانی گزشت

خردگفت سال و قانش کمن

قانون اور منعلقات قانون پر پانچ کتابوں حاشیہ قانون، ترجمہ کلیات قانون،

ترجمہ حیات قانون، شرح موجز، حاشیہ نفیسی بنام مدارک الحکم کے علاوہ دیگر طبی

کتابوں میں فواید شریفیہ یعنی حاشیہ شرح اسباب، علاج الامراض، تالیف شریفی،
عجائب نافعہ، اسرار العلاج، دستور الفصد، رسالہ خواص الجواهر، تحفہ عالم شاہی ہیں، ترجمہ
کلیات قانون اور ترجمہ معالجات بقراہیہ ان کی حیات میں صنایع ہو گئی تھیں۔ رسالہ قوت
باہ، رسالہ مارالبحین، رسالہ چوب چینی بعد میں تلف ہوئیں۔ حکیم صاحب کی غیر طبی
کتابوں میں ترجمہ و تفسیر قرآن مجید (فارسی و اردو)، کاشف المشکوٰۃ (حدیث) سوالات
اربعہ (نصوف)، آثار النبوت، شرح سلم حاشیہ حمد اللہ (منطق) ہیں۔ حکیم صاحب کی
باقیات میں بلی مار ان کی مسجد بھی ہے، جس کے زیر سایہ غالب کا قیام رہا ہے

حکیم شریف خاں کا ایک دلچسپ واقعہ یہ ملتا ہے کہ ایک دن اپنے دیوان خانہ میں
بیٹھے کچھ مکان بنوانے کی فکر میں تھے، اور دل ہی دل میں حساب لگا رہے تھے، تیسرا
پہر تھا، جو ایک بیمار آیا، اس شخص کو خفقان کی بیماری تھی، حکیم صاحب نے نبض دیکھ
کر یہ نسخہ تجویز کیا، بارہ کرہاں نوستون روپیہ کے وزن میں پیسٹ کر کھاؤ، عطار نے
نسخہ پڑھ کر مرین سے کہا کہ اس میں یہ لکھا ہے۔ حکیم صاحب سے جا کر پوچھو۔ مرین نے
حاضر ہو کر کہا حضور قدومی کا اتنا بڑا حلق نہیں ہے جو بارہ کرہاں اور نوستون نکل
جاتے۔ حکیم صاحب نے اس ہاتھ سے نسخہ لے کر پڑھا اور بہت ہنسے۔

حکیم قدرت اللہ قاسم نے لکھا ہے کہ مرزا محمد غیاث نے جو النشاہ و دازی اور
سخن آرائی میں کمال رکھتے تھے، شریف الحکما، رئیس الاطباء مقتدرائے منقلسین، پیشوائے
منطقین، محور فلک فطانت، عفا دہ اسطرلاب منانت، سر کردہ فضلاتے جہاں حکیم
محمد شریف خاں مدظلہم کی مدح میں جو قصیدہ کہا ہے اس کے صنایع و بدایع کی اہل زبان
ایرانی فضلاتے تعریف کی ہے۔ قصیدہ کا ایک شعر ہے۔

۱۔ قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین ص ۱۴۵ و ۱۴۶

۲۔ لال قلعہ کی ایک جھلک ہے ص ۲۷

۳۔ مجموعہ نغز جلد ۲ ص ۲۵۹

طفل نہ ماہہ اگر یک ماشہ این معجون خورد . عاقر صد سالہ را صد بار آبستن کند

حکیم محمد مہدی خاں

حکیم اجمل خاں کے فرزند اور حکیم شریف خاں کے چچا زاد بھائی تھے۔ یہ بڑے صاحب علم اور حاذق طبیب تھے، انہوں نے ایک قرابادین بھی مرتب کی تھی، خاندان شریفی میں اس کا مخطوطہ موجود تھا۔

حکیم محمد اشرف خاں

حکیم شریف خاں کے بڑے بیٹے تھے، علوم متعارفہ سے واقف اور اپنے والد کی طرح بے مثل طبیب تھے۔ اکبر شاہ ثانی کے دربار میں اعزاز اور شاہی طبیب کا منصب حاصل تھا، مسیح الزماں کے خطاب سے نوازے گئے تھے، تجویز اور معالجہ میں درجہ کمال حاصل تھا، مشکل امراض کے علاج میں خصوصیت تھی بلکہ اکبر شاہ کے حکم سے مرزا جہانگیر کے ہمراہ آہ آباد گئے، اور جب تک شہزادہ موصوف زندہ رہے، ان کے پاس قیام رہا، ان کی وفات کے بعد وطن واپس آئے۔ اکبر شاہ ثانی ہی کے عہد میں قضا کی ہے تاریخ وفات ۲ جمادی الثانی ۱۲۳۸ھ / ۱۸۲۲ء

۱۔ بڑی بیاض ص ۱۹

۲۔ گلشن بے خار ص ۶۱

۳۔ سخن شعرا ص ۱۳۶

۴۔ مجموعہ نغز ص ۲۲۱

۵۔ مخزن جاوید جلد ۲ ص ۲۹۲

ہے انتقال کے وقت عمر ۷۵ برس تھی۔ سرکار انگریزی سے پینشن ملتی تھی۔ ان کے تین برس بعد ہی دوسرے بھائی حکیم شرف الدین ۱۲۷۱ھ/۱۸۲۵ء میں لاہور فوت ہوئے حکیم شرف کو شاعری سے ذوق تھا۔ حکیم تخلص کرتے تھے، اردو شعرا کے تذکرہ نگاروں نے ان کے فن اور کلام کی تعریف کی ہے۔ باطن نے کہا ہے، "بعللاج امراض مہلک مسیح زمان نسخ کتاب طبع شفا بخش مریضان"۔

کریم الدین کا بیان ہے "علوم متعارفہ سے بہرہ ور اور غوامض فنون شریفہ سے باخبر تھے۔ تشخیص امراض اور تعیین اعراض میں دست قدرت رکھتے تھے، نہایت خوش طبیعت، یار یاش، خوش مزاج، ظریف الطبع، پاکیزہ معاش، شیریں زبان، عذب البیان تھے"۔

سرور کے مطابق طب میں بلند مرتبہ رکھتے تھے، معالجہ میں مسحاتی کا کام کرتے تھے۔ حضور انور سے مسیح الزماں کے خطاب سے سرفراز کئے گئے تھے، کبھی کبھی اردو میں شعر کہتے تھے، خلیق یار یاش اور خوش گفتار تھے۔ سرور کے ساتھ یگانگت اور یک جہتی کا رابطہ مستحکم تھا۔ چند اشارہ ملاحظہ ہوں۔

میرے رونے نے اس کو مجھ سے کھویا	مجھے اس دیدہ نے ڈر لویا
کہوں کیا میں بہ رنگ زخم ناسور	ہنسایک بار گر سو بار روپا
حکیم یک بیک آیا جو زندگی کا خیال	تو اپنی نظروں میں سارا جہاں ہوا ناریک
کہ مثل نیشہ ساعت کٹے ہے ہر دم عمر	ہر اک نفس نفس واپس سے ہے نزدیک

۱۔ تذکرۃ الخواجگان ص ۹۱

۲۔ گلستان بے خزاں ص ۷۲

۳۔ طبقات شعرا تہ ہند ص ۲۲۶

۴۔ عمدہ منتخبہ ص ۲۲۱

ذرا تو ٹھہرا کہیں لبویں بیٹھ کر ہم دم
کہاں سے لائیں سینے کو دل مدچالک کے دورے

کہے ہے لخت جگر اشک سے کہ اے ہمدوم
نہ تانگے سے سیا جاوے نہ رہنم کا لگے ٹانگا

حکیم عبدالشافی خاں

حکیم عبدالشافی خاں مسیح الملک دہلوی صاحبِ درس و افادہ اور عاذق طبیب تھے
کثیر تعداد میں لوگوں نے ان سے طب میں استفادہ کیا تھا۔
ان کے بیٹے حکیم محمد ارشد المعروف حکیم شافی خاں ہندوستان کی طبی تاریخ
کی نہایت اہم شخصیت ہیں۔ معالج اور مصنف دونوں جہتوں سے امتیاز رکھتے تھے۔
دہلی میں ایک عرصہ تک مطلب اور تدریس کے بعد احمد شاہ درانی کے حملہ کے
وقت شافی خاں فیض آباد منتقل ہوئے۔ اودھ میں ان کی طبابت کا ذکر کتابجا۔ ۱۲۳۰ھ
۱۸۱۴ء میں انتقال کیا۔

نادر شاہ اور پھر احمد شاہ ابدالی کے حملہ کے بعد دہلی کے جو بہت سے صاحب
کمال ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں منتقل ہوئے ان میں ذی مقدرت اطبا
بھی شامل تھے۔ آگے چل کر ۱۸۵۷ء کا سانحہ بھی دہلی کے لیے قیامتِ معرکی سے کچھ
کم نہ تھا۔

حکیم اسرار بیل خاں

دہلی میں شاہ عالم کے زمانہ میں درباری و شاہی طبیب تھے۔ حکیم الملک کا
خطاب اور چھ ہزاری منصب حاصل تھا۔

۱۔ نزہتہ النواظر جلد ۱، ص ۲۲۲ علی گڑھ کے طبی مخطوطات ص ۵۲ / ۱۲۸

۲۔ اطبات عہدِ مغلیہ ص ۲۹ بحوالہ شاہ عالم نامہ ص ۱۲۳

حکیم کریم اللہ

حکیم مولوی کریم اللہ حکیم شریف خاں کے کم عمر معاصر تھے، انہوں نے حکیم شریف خاں کے حاشیہ نفیسی کے جواب میں عربی میں نفیسی کا حاشیہ تخریر کیا ہے۔ اس میں حکیم شریف خاں کی بعض وضاحتوں سے اختلاف کیا گیا ہے، جامعہ ہمدرد دہلی میں اس کا مخطوط محفوظ ہے۔

حکیم اسد علی

دہلی کے ممتاز طبی گھرانے کے صاحب نظر اور عالم طبیب تھے۔ ان کے والد حکیم درویش محمد اور دادا عارف و حکیم نجم اللہ المقلب بہ حافظ عالم خاں دہلی کے ذمی حیثیت افراد میں تھے۔ یہ شاہ جہاں آباد کے مضافات کے رہنے والے تھے، اس زمانہ میں تعلق آباد، مہرولی، چراغ دہلی وغیرہ سب کا شمار دہلی کے مضافات میں تھا۔ اور دہلی صرف شاہ جہاں آباد کو کہا جاتا تھا۔

حکیم اسد علی کا درس و تدریس کا سلسلہ رہتا تھا۔ حکیم شریف خاں کے حاشیہ شرح اسباب کے طویل اور بیٹھ ہونے کی وجہ سے اس کے مضامین کے مطالعہ میں طلبہ کی دشواری کے پیش نظر انہوں نے شرح اسباب پر ایک حاشیہ تخریر کیا۔ اس میں اس بات کا لحاظ رکھا کہ کتاب کا نفس مطلب ادھم نہ ہو اور طلبہ کے سامنے تمام ضروری مباحث آجائیں، یہ شرح ۱۲۲۶ھ / ۱۸۱۱ء میں کی گئی ہے، اجمل خاں طبیبہ کا لچ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اس کا مخطوط موجود ہے۔

مرزا محمد ظہیر الدین اظفر گورگانی

ایک مغل شہزادہ جس کا طب سے گہرا تعلق تھا مرزا علی بخت بہادر محمد ظہیر الدین اظفر گورگانی ہے، یہ ۱۱۷۲ھ/۱۷۵۸ء میں قلعہ معالی میں پیدا ہوا۔ وہاں سے راجستھان کے شہروں جے پور، جودھپور کی سیاحت کرتا ہوا لکھنؤ پہنچا۔ نواب آصف الدولہ نے اعزاز و اکرام کیا۔ لکھنؤ میں کئی سال مقیم رہ کر مدرسہ منتقل ہوا اور مدرسہ ہی میں ۱۲۳۴ھ/۱۸۱۸ء میں فوت ہوا۔ طب اور رمل میں خصوصی مہارت تھی۔ شعر و شاعری کا ذوق تھا۔ اس کا اردو دیوان مدرسہ اس یونیورسٹی سے شایع ہوا ہے۔ واقعات اظفری اس کی مشہور کتاب ہے۔ مدرسہ اس سے اس کا اردو ترجمہ چھپ گیا ہے۔ اپنی سرکار سے والسنہ حکیم حسین رضا خاں کی فرمائش پر اظفری نے بقراط کے رسالہ قبریہ کا فارسی میں ترجمہ کیا اور پھر اسے نظم کا جامہ پہنایا تھا۔

حکیم مظہر علی خاں مظہر

حکیم مظہر علی خاں عرف منجھو خاں حکیم عسکری خاں کے دوسرے بیٹے اور حکیم بوعلی خاں کے بھائی تھے۔ قاسم کے تذکرہ لکھنے کے وقت انتقال کر چکے تھے۔ سرور نے انہیں برادر زادہ حکیم بوعلی خاں لکھا ہے اور باپ کا نام تخریر نہیں کیا ہے۔

۱۔ مجموعہ لغز جلد ۲ ص ۲۲۰

۲۔ عمدہ منتخبہ ص ۶۸۱

حکیم شیخ محسن رضا

دہلی کے رہنے والے تھے۔ نواب فرخ آباد کے ہاں طبی خدمات انجام دیں۔ رضا
تخلص کرتے تھے۔ صاحب دیوان تھے۔

حکیم فضل اللہ مرزا

حکیم فضل اللہ پانی پتی عرف مرزا اینا طب میں مہارت شایان حاصل تھی۔ کریم الدین
نے بھی طب میں ان کی قابلیت کا اعتراف کیا ہے۔ اردو اور فارسی دونوں میں کلام ہے
لیکن فارسی میں زیادہ شعر کہتے تھے، فارسی میں ان کے بہت سے شاگرد تھے کریم الدین
کے والد نے بھی ان سے فارسی پڑھی تھی۔ اس زمانہ کے طبیبوں، شاعروں اور فارسی
دانوں میں ان کا بڑا مرتبہ تھا۔ قاسم نے انہیں خوش طبع، پاکیزہ معاش، صاحب
شعور اور خرد مند لکھا ہے، یہ حکیم محمد حفیظ خاں کے داماد تھے۔ اور حکیم حفیظ خاں مرزا
عبدالقادر بیدل کے بڑے بھائی مرزا عبداللہ کے احفاد میں تھے۔ اسپرنگ نے سرور کے حوالہ سے خود
انہیں مرزا بیدل کی اولاد سے لکھا ہے: ۱۸۰۸ء کے قریب انتقال ہوا،

حکیم میر حسین حسینی

۱۔ گلستان بے خزاں ص ۱۰۰ ۲۔ گلشن بے خار ص ۱۷۵

۳۔ طبقات شعرائے ہند ص ۳۲۹

۴۔ مجموعہ لغز جلد ۲ ص ۱۷۹

۵۔ یادگار شعرا ص ۱۵۵

حکیم میر حسین مولانا فخر الدین کے مرید تھے۔ حضرت کی ان کے حال پر بے حد عنایت تھی۔ اہل جلیل القدر کی موجودگی کے باوجود ان کے علاوہ کسی کی تجویز کردہ دوا استعمال نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو بھی ان کے علاج کا مشورہ دیتے تھے۔
خط نسخ، نستعلیق، شفیعیاتی اور شکستہ میں جواب نہیں تھا۔ موسیقی میں میاں نورنگ کلاؤنٹ کے شاگردوں میں تھے، اور مہارت پیدا کی تھی، علوم عربیہ سے بھی بہرہ مند تھے، اگرچہ فارسی اور اردو دونوں میں شعر کہتے تھے۔ لیکن زیادہ کلام فارسی میں ہے۔

حکیم مرزا محمد کامل

حکیم مرزا محمد کامل بن غیاث احمد دہلوی (وفات ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) علم و فضل سے خاندان سے ایک فاضل کامل اور جامع کمالات تھے۔ طب میں حکیم شریف سے تلمذ تھا، ان کے والد بھی صاحب علم و فضل اور شاعر تھے۔ کامل میر شمس الدین فقیر مہنف حدائق البلاغت کے شاگرد تھے۔ ان کے ایک مبسوط رسالہ علم قوافی کا ذکر محمد حسین آزاد نے کیا ہے، انہوں نے شاہ عبدالعزیز کے تحفہ اثنا عشریہ کا جواب بھی لکھا تھا۔ آخر کے تین باب باقی تھے کہ انتقال ہو گیا۔ حکیم صاحب کا علاج معالجہ کا کامیاب سلسلہ تھا، محمد حسین آزاد کے والد انہی کا علاج کرنے لگے۔

۱۔ عمدہ منتخبہ ص ۲۳۲

۲۔ مجموعہ نغمہ ص ۲۰۷

۳۔ لطائف شعرائے ہند ص ۱۷۲

۴۔ یادگار شعرا ص ۶۳

۵۔ آب حیات ص ۲۳۹

حکیم کامل نے برہان الدین نفیس کرمانی کی کتاب نفیسی کے ان مقامات کی شرح میں جن پر شکوک و شبہات وارد ہوتے ہیں۔ جل الشکیکات تصنیف کی۔ ۱۳۹ صفحات کی اس عربی کتاب کا نایاب نسخہ رضا لائبریری راجپور میں موجود ہے۔ کتاب کا سال تصنیف ۱۲۱۹ ہے۔ یہ مورمی دروازہ میں پنجہ شریف میں قبر ہے بلکہ

حکیم گلزار علی

حکیم گلزار علی دہلوی طب میں اپنے فضل و کمال کی وجہ سے امتیاز رکھتے تھے۔ ایک عرصہ تک شاہ عالم کے دربار سے وابستہ رہے۔ آخر میں اجمیر میں سکونت اختیار کی۔ ۹۸ برس سے متجاوز ہونے کے باوجود انہیں کسی سہارہ کی ضرورت نہیں تھی۔ اور اس عمر میں بھی ۸ ورنی روزانہ لکھتے تھے اور پیدل مریضوں کو دیکھنے جاتے تھے۔ نوجوانوں کی طرح کھانا کھانے تھے اور مباشرت کرتے تھے۔ اجمیر میں ۱۲۳۸/۶ ۱۸۲۲ء میں فوت ہوئے تھے

حکیم محسن

حکیم محسن کا آبائی وطن کشمیر تھا۔ یہ خود دہلی میں پیدا ہوئے۔ علم کلام طب تاریخ انشا، موسیقی اور خطاطی میں امتیاز رکھتے تھے، نواب فیض اللہ ۱۷۹۴ء - ۱۷۷۴ء کے عہد میں راجپور گئے، اور نواب احمد علی خاں کے عہد تک وہاں رہے، پھر دہلی

۱۔ قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین ص ۱۶۷

۲۔ مشاہیر الالباب نمبر دہلی ص ۴

۳۔ نزہتہ الخواطر جلد ۷، ص ۴۰۱ بحوالہ روز نامہ عبدالقادر

حکیم میر قدرت اللہ خاں قاسم

سید ابوالقاسم عرف میر قدرت اللہ قادری قاسم دہلی کے قدیم باشندہ اور مشہور لوگوں میں تھے۔ معقول و منقول میں مولانا فخر الدین اور خواجہ احمد جان سے تلمذ تھا۔ طب کی تعلیم دہلی کے اساتذہ باکمال سے حاصل کی تھی۔ بزرگوں کا پیشہ درس و تدریس اور پیری مریدی تھا، قاسم نے اس کو ترک کر کے طبابت کا پیشہ اختیار کیا۔ انہوں نے کسی سرکار میں ملازمت قبول نہیں کی۔ مطب کرتے تھے اور طبابت ذریعہ معاش تھی، کزنم الدین نے لکھا ہے کہ ”علم طب خوب ان کو آتا تھا، بیماروں کا علاج کرتے تھے۔“

صاحب گلستان سخن نے انہیں حکیم کامل، طبیب فاضل، زبیدہ کلماتے دوراں اسوہ فضلاتے زماں لکھا ہے۔ اس کے مطابق شعر نے اس کی ذات سے رتبہ حکمت لیا اور مجاز نے مرتبہ حقیقت، جالینوس اس کی ثنا گردی سے صاحب دانش و دید اور بقراط اس کے نلامذہ کے سلک میں ادنیٰ مستفید ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت اچھے طبیب تھے۔ ان کی زندگی بے انقلاب تھی جو طبابت اور شعر کی خدمت میں غاموشی کے ساتھ بسر ہو گئی۔

قاسم شاعری میں ہدایت اللہ خاں ہدایت کے ثنا گرد اور چشتی سلسلہ کے بزرگ مولانا فخر الدین کے مرید تھے۔ اپنے شیخ سے بڑا اعتقاد تھا اور ان کی خدمت

۱۔ نزہۃ النواظر جلد ۷ ص ۴۰۱

۲۔ لطائف شعرائے ہند ص ۳۱۹

۳۔ گلستان سخن ص ۳۹۶

۴۔ سخن شعرا ص ۳۷۹ ایک روایت کے مطابق سید احمد بن محمد کے سلسلہ میں داخل تھے۔ علی گڑھ کے

طبی مخطوطات ص ۶۳/۱۲۸

میں حاضر رہنے تھے بلکہ

ابتداءً شعور سے شعر گوئی کا شوق تھا، مشاعروں میں ضرور حاضر رہتے۔ امیر الامرا نجیب الدولہ کے عہد میں میر محمد می اشرف کے ہاں دہلی میں محفل مشاعرہ منعقد ہوا کرتی تھی حکیم صاحب ان ایام میں محض مبتدی فن تھے لیکن مشاعرہ میں ضرور شامل ہوتے تھے اسی زمانہ میں مصحفی دہلی میں مقیم تھے اور اپنے گھر مشاعرہ منعقد کراتے تھے حکیم صاحب ان مشاعروں میں بھی شریک ہوتے تھے بڑے مشاعروں میں حکیم انشا اللہ تعالیٰ انشا سے قاسم اور مرزا عظیم بیگ عظیم کا بگاڑ ہوا۔ انشا کی شوخ اور ہنگامہ زرا طبیعت ادھر عظیم کی خود بینی اور بددماغی اس ادبی معرکہ کی ذمہ دار ہے، عظیم کی رفاقت کی بنا پر قاسم کو اس معرکہ میں حصہ لینا پڑا۔ مرزا ایندھو کے مشاعرہ میں قطعات فخریہ سے گزر کر میدان جنگ کی صورت اختیار کرنے والی تھی۔ جب حکیم قاسم کے سامنے شمع لائی گئی تو انہوں نے انشا سے خطاب کر کے کہا، عم زاد آپ کی سرکار سے ہمیں سلیمہ کذاب کا خطاب عطا ہوا ہے۔ اب ذرا ہمارے افضل مافیض پر بھی کان دھریے۔ صاحب مشاعرہ کو گمان گزرا کہ اب کوئی ریک، بچو پڑھی جانے والی ہے۔ ادھر سے یہ اور ادھر سے محب علی محب اٹھے اور کوشش کر کے فریقین میں صلح کرادی، دونوں طرف شرفا تھے۔ مان گئے۔ اس پر خاکشیں شاعرانہ کی یادگار مرزا عظیم کا وہ مشہور مخمس ہے جس کا ایک شعر ضرب المثل بن چکا ہے۔

شہر وراپنے زور میں گرتا ہے مثل برق وہ لطف کیا کرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

شاد نیر اور حکیم قاسم سے ایک خاص معاملہ یہ درمیان میں آیا کہ ایک دفعہ مشاعرہ میں طرح ہوئی یا رشتاب اور تلوار رشتاب، شاہ نیر نے جو غزل کہہ کر پڑھی تو اس

۱۔ گلشن بے خار ص ۱۵۷

۲۔ مجموعہ نغز دیباچہ مرتب ص ۱۱

۳۔ تذکرہ انشا جلد ۱ ص ۸۲ و ۸۴

میں قطعہ تھا کہ سے

رخ انور کا ترے وصف لکھا جب ہم نے
پھر پڑھا ہم نے جو مضمون بیاض گردن
انوری نے دیادلو ان الٹا ہے یارشتا
سن اسے ہو گیا چپ قاسم انوار شتاب
حکیم صاحب خاص و عام میں واجب التعظیم تھے۔ اس کے علاوہ فضیلت علمی کے ساتھ شعر
کے مشاق تھے اور فقط موزونی طبع اور زور کلام کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ چونکہ قاسم تخلص
کرتے تھے اس لیے قاسم انوار کا لفظ ناگوار ہوا۔ چنانچہ دوسرے مشاعرہ کی غزل میں
قطعہ کہا ہے

واسطے انسان کے انسابت اول شرط ہے
آدمی تو کیا خدا کو بھی نہ ہم سجدہ کریں
میر ہو یا مرزا ہو خاں ہو یا نواب ہو
گر نہ خم تعظیم کو پہلے سر محراب ہو
حکیم قاسم کے تذکرہ مجموعہ نغز کے دیباچہ میں محمود شیرانی نے لکھا ہے کہ زمانہ اگرچہ مشغلہ
شعر کے خلاف تھا اور سیاسیات کے مطلع پر فتنہ و آشوب کی گنگھور گھٹائیں چھائی
ہوتی تھیں۔ احمد شاہ ابدالی کی آمد اور بعد کے سیاسی واقعات نے مغلیہ سلطنت
کے شیرازہ کو درہم برہم کر دیا ہے۔ دہلی و پران ہو رہی ہے اور اس کے فرزند تلاش
معاش میں در بدر اور خاک بسر پریشان پھرتے ہیں لیکن راجا سے پر جاتک جس کو دیکھو
شوق شعر میں ڈوبا ہوا ہے۔

شاعری کے مراکز اگرچہ اور بھی تھے لیکن سب سے زیادہ طاقتور مرکز دہلی تھا۔ شاعرے
کثرت سے ہوتے تھے۔ مثلاً نواب بار محمد خاں فرزند علی محمد خاں کے ہاں مجلس مشاعرہ
منعقد ہوتی تھی۔ معین الملک عرف مرزا امیندھو فرزند وزیر الممالک شجاع الدولہ کے
ہاں بھی بزم مشاعرہ قائم تھی۔ مرزا اسد بیگ رفیق شاگرد حکیم ثناء اللہ قراق اور میر
سجاد اکبر آبادی کے مکان پر بھی مشاعرہ ہوتا تھا۔ شکر نامہ جیابہاد بیگ خاں

لہ آب جلت ص ۳۹۲ و ۳۹۳

۲ دیباچہ مجموعہ نغز ص ۱۰

غالب، جمید الرحمن عرف میاں جان انیس، عظیم الدین خاں اشقہ، میر سجاد سجاد، میری محمدی شرف، مولوی قدرت اللہ کے ہاں بھی مشاعرے انعقاد پاتے تھے بلکہ مہدی علی خاں عاشق کے ہاں بلاناغہ جمعہ کے روز مشاعرہ ہوتا تھا۔

قاسم کے شاگردوں میں احسن اللہ احسن دہلوی (لطیفات شعراء ہند ص ۲۲۲ سخن شعرا صفحہ ۱۲) حافظ غلام اشرف اشرف دہلوی (لطیفات صفحہ ۲۵۳ سخن شعرا ص ۲۸) غفور بیگ افسوس (یہ فراق کے بھی شاگرد تھے سخن شعرا صفحہ ۳۹) حکیم سید محمد نعشق دہلوی (شاگرد و عزیز قدرت اللہ قاسم بعض نے انہیں قاسم کے بیٹے حکیم عزت اللہ عشق کا شاگرد لکھا ہے سخن شعرا صفحہ ۸۹) محمد حفیظ حفیظ (گلشن بے خار صفحہ ۶۱ گلستان سخن صفحہ ۷۲ سخن شعرا صفحہ ۱۳۵) غلام محمد راقم دہلوی (سخن شعرا صفحہ ۱۴۹) خواجہ احسن اللہ خاں بیان، غلام محمد ہفت قلم منظر علی خاں شفیق، نیاز احمد نیاز (مجموعہ نغز) حکیم مرزا محمد عشق دہلوی (گلشن بے خار صفحہ ۱۰۹) میر محمدی مایل (گلستان بے خزاں ص ۲۳۳) حکیم بوعلی خاں، ان کے بیٹے مرزا غلام حسین صبر (گلشن بے خار صفحہ ۱۲۶) فاضل احمد علی حبیب مدہ منتخبہ صفحہ ۲۳۲) حکیم احمد علی خاں بکین دہلوی (گلستان سخن صفحہ ۲۸۲ سخن شعرا صفحہ ۵۷) ہیں۔

حکیم صاحب کی درج ذیل تصانیف ہیں۔

۱۔ دیوان۔ اس میں سات ہزار اشعار ہیں۔

۲۔ معراج نامہ۔ اس کے ابیات کی تعداد ساڑھے تین ہزار ہے۔

۳۔ مشنوی کرامات پیران پیر۔ شیخ عبد القادر جیلانی کے حالات میں ہے، اس میں

پانچ ہزار دوسوا اشعار ہیں، ذخیرہ حبیب گنج مولا نا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ میں محفوظ ہے۔

۴۔ مجموعہ نغز۔ ان کا اصل کارنامہ جس کی بنا پر انہیں فارسی اور اردو ادبیات کی تاریخ میں ایک ممتاز جگہ حاصل ہوئی ہے وہ ان کی فارسی تالیف مجموعہ نغز ہے یہ ۱۶۹۳ء اور دو شعرا کے حالات میں ہے۔ ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء اس کی تاریخ اختتام ہے مجموعہ نغز تاریخی نام ہے۔ حکیم ثناء اللہ فراق نے مجموعہ انتخاب اور دوسرے دو باغ گل معنی سے تاریخ نکالی ہے۔

یہ بہت تعجب کی بات ہے کہ قدرت اللہ قاسم کے کسی تذکرہ نگار نے نہ طب میں ان کے استناد کا نام بتایا ہے اور نہ ان کی کسی طبی تصنیف کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح ان تذکروں سے ریاست بلم گڑھ سے ان سے وابستگی کا بھی پتہ نہیں چلتا ہے۔ حکیم قدرت اللہ کی شعری و ادبی خدمات اور ان کے درج بالا تصنیفی کاموں کے علاوہ اللہ کے مطالعہ میں بہت اہم بات یہ ہے کہ وہ طب میں حکیم شریف خاں دہلوی کے شاگرد تھے۔ بحیثیت طبیب ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ انہوں نے ریاست بلم گڑھ (فرید آباد) میں طبی خدمات انجام دیں اور وہاں کے علم پرورد فرمانروا راجہ اجیت سنگھ بیچودھری بشن سنگھ بن راؤ بلرام) کی حسب فرمائش حکیم اکبر انزانی کی کتاب حدود الاعراض کی فصول الاعراض کے نام سے شرح کی۔ اس میں نہ صرف تشریح کا حق ادا کیا گیا ہے بلکہ مؤلف نے بعض مقامات میں جہاں اسباب علامات اور وجہ تسمیہ امراض سے اعراض اختیار کیا تھا اسے بھی برسیل اجمال تحریر کیا ہے۔ تاریخ تالیف ۱۱۹۳ھ

۱۶۷۹ء اس شعر سے برآمد ہوتی ہے۔

شد نام بدی جو خارج ازومی گفتا

راقم الحروف کے ذخیرہ میں اس کا نسخہ محفوظ ہے،

دوسری کتاب مفتت البحرین ہے۔ اس کے دیباچہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ

فصول الاعراض سے جب فراغت ہوئی تو راجہ اجیت سنگھ نے کہا کہ وہ ایک

۱۔ علی گڑھ کے طبی مخطوطات ص ۶۳/۱۲۸

عرصہ سے گردہ کی پتھری میں مبتلا ہیں اور اکثر شکار اور سیر و تفریح میں باہر رہنا ہوتا ہے۔ اگر سنگ گردہ و حثانہ پر ایک کتاب تصنیف کی جائے تو وہ اسے بطور زاد راہ اپنے ساتھ رکھیں گے۔ چنانچہ ان کے حسب الحکم یہ کتاب تالیف ہوئی۔ اس کا سال تالیف ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء ہے۔ اجمالاً طیبہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اس کا مخطوطہ موجود ہے۔ بلی خانہ میں حکیم قدرت اللہ کی یادگار مسجد ہے اسی کے نزدیک چھتہ موم گران میں حکیم صاحب کا دیوان خانہ اور مطب تھا اس کے دروازہ پر در الشفا، مادرمان یقین بہاد، کندہ تھا، اور شاہ غلام علی کی خانقاہ کے قریب حکیم قدرت اللہ خاں اور حکیم عزت اللہ خاں کی توپلی تھی۔

حکیم صاحب کی شادی مولوی نور احمد ممتاز کی دختر سے ہوئی تھی۔ مولوی نور احمد شاہ عالم ثانی کے ایام شہزادگی میں استاد تھے۔ حکیم میر عزت اللہ عشق قاسم کے صاحبزادہ ہیں۔ حکیم قاسم نے طویل عمر یا کر ۱۲۲۶ھ/۱۸۳۰ء میں انتقال کیا۔ حکیم عبدالحمی حسنی نے محبوب الالباب کے حوالہ سے ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۴ء تاریخ وفات لکھی ہے۔

حکیم عبدالحمی نعمت

سکندرہ باد کے رہنے والے تھے۔ لیکن مستقل طور پر دہلی میں رہے، ہندو تھے مسلمان ہو گئے تھے، بہت عابد و متاخر تھے، شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں رہتے تھے۔ نعمت تخلص تھا اور شاعری سے ذوق رکھتے تھے۔ ذکا نے ان کا نام نعمت اللہ

۱۔ علی گڑھ کے طبی مخطوطات ص ۲۷/۱۲۸

۲۔ سیر المنازل ص ۲۶ و ۲۷

۳۔ بلغات شعرائے ہند ص ۳۱۹ سخن شعرا ص ۳۷۹

۴۔ نزہتہ الخواطر جلد ۷ ص ۳۸۷

لکھنے لے

حکیم میر یاقز علی جعفری

میر نظام الدین ممتون کے برادر حقیقی تھے۔ علوم رسمی میں دستگاہ معقول اور صناعت
طب میں مہارت تام تھی۔ سفر حج سے واپسی پر وفات ہوئی۔

حکیم خلیفہ غلام محمد راقم

دہلی کے رہنے والے تھے۔ ابتدا میں کچھ دنوں کے لیے لکھنؤ گئے۔ لکھنؤ جانے
سے پیشتر حکیم قدرت اللہ قاسم سے عربی، فارسی اور انشا سیکھی، شرح شمسہ اور حاشیہ
میر بڑھا تھا۔ شعر کی اصلاح بھی ان سے لینے تھے۔ لکھنؤ سے پھر واپس دہلی آئے، حکیم
مرزا عشق سے اکتساب فن طب شروع کیا۔ شیریں گفتار تھے، کتب فارسی و انشا
پر دازی میں مہارت اور علوم عربی سے بہرہ رکھتے تھے۔ معلم پیشہ تھے، طب میں
دخل تھا، خوشس نویسی میں فرد سمجھے جاتے تھے۔ فارسی شعر کا زیادہ اور اردو کا
کمتر شوق تھا۔

شعبہ، شکستہ، ریجاں وغیرہ ساتوں خطوں میں کمال حاصل تھا، ہفت قلم کہلاتے۔

۱۔ سخن شعرا ص ۱۷۶

۲۔ گلستان سخن ۱۸۶

۳۔ یادگار شعرا ص ۸۱

۴۔ طبقات شعرائے ہند ص ۲۶۰

۵۔ مخزن جاوید جلد ۳ ص ۳۵۴

ابکر شاہ ثانی کے خوش نویسیوں کے زمرہ میں شامل تھے۔ خوش نویسی کے سلسلہ میں ان کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے خوش نویسیوں کا تذکرہ لکھ کر ان کی تاریخ محفوظ کر دی۔ اس میں انہوں نے ایسے خوش نویسیوں کے حالات لکھے ہیں، جن کی قلم کاری کے نمونے انہوں نے خود دیکھے تھے۔ اپنے زمانہ کے اکثر خوش نویسیوں سے ملے تھے یہ تذکرہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے چھپا ہے۔

آخر عمر میں لکھنؤ چلے گئے تھے۔ وہیں ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۳ء میں فوت ہوئے بلکہ

حکیم اکرام الدین یاس

دہلی میں قیام رہا، باطن کے مطابق مشاعروں میں شرکت کرتے تھے اور سامعین کو شاد کام کرتے تھے بلکہ

حکیم واصل خاں ثانی

خاندان شریفی کے جن بزرگوں کو غیر معمولی اثر و اقتدار حاصل ہوا۔ ان میں حکیم عادل خاں کے صاحبزادہ حکیم واصل خاں ثانی تھے۔ ۱۸۰۰ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے زمانہ میں دہلی سے جے پور گئے، اور حضور می طبیب مقرر ہوئے۔ ۱۸۰۱ء سے دو روپیہ پومیہ قرار پائے۔ طبی خدمات کے علاوہ یہ داروغہ خبر داروغہ دواخانہ خاص حضور می اور داروغہ مطبخ کے مناصب پر بھی فائز رہے۔ رفتہ رفتہ پچاس ہزار روپیہ سالانہ کی

۱۔ دہلی کی یادگار شخصیتیں ص ۸۳

۲۔ یادگار شعرا ص ۱۸۹

۳۔ گلستان بے خزاں ص ۲۸۷

جاگیر اور تیس روپیہ روزانہ نقد اور ایک روپیہ یومیہ کانسہ مقرر ہوا۔ اس کے علاوہ
عہدوں کی تنخواہ جداگانہ پاتے رہے۔ جاگیر کے تیرہ گاؤں تھے جن میں دس تنخواہ کے
اور تین انعامی دیہات تھے۔ یہ جاگیریں مہاراجہ پرتاپ سنگھ اور ان کے جانشین
مہاراجہ جگت سنگھ اور مہاراجہ رام سنگھ نے اپنے اپنے دور میں عطا کی تھیں۔

حکیم صاحب کا قیام اگرچہ جے پور میں رہا لیکن شاہان دہلی کی بارگاہ میں
عرايض و تنخايف اور اسی طرح جو ابی شفقوں کے اعزاز کا سلسلہ رہا۔ ریاست جے پور
کی متعدد سیاسی و سرکاری ہمتا حکیم صاحب کے ذریعہ انجام پاتیں۔ اور نازک
موقعوں پر ان کی خدمات سے ریاست کو فائدہ پہنچا، ۸۲ برس کی عمر میں ۱۸۳۵ء میں
انتقال ہوا۔ جے پور میں باغ قدم شریف (سیرون سانگانیری دروازہ) میں آخری
آرام گاہ ہے۔ ان کے نواسہ حکیم محمد عظیم خاں جانشین مقرر ہوئے جن کے بیٹے
حکیم سلیم خاں تھے۔ غالب نے حکیم سلیم خاں کی کتاب تکشیف الحکمت کا قطعہ تاریخ
کہا تھا اس میں حکیم واصل خاں کا نام بھی نظم کیا ہے۔

سلیم خاں کہ وہ ہے نور چشم واصل خاں حکیم حاذق و دانا ہے وہ لطیف کلام
حکیم محمد سلیم خاں خستہ جے پور کے تعظیمی سرداروں میں تھے۔ حاذق طبیب اور متعدد
کتابوں کے مصنف۔ انہوں نے ۱۸۶۶ یا ۱۸۶۵ء میں وہاں سے ہفت وار اخبار نیر کھی
نکالا تھا۔

حکیم ذکار اللہ خاں

حکیم ذکار اللہ خاں نہ صرف خاندان بقائی بلکہ ہندوستان کی طبی تاریخ کے
لیے مایہ صد افتخار، ہیں۔ حاذق الملک کا خطاب تھا۔ حذاقت اور معجز نما علاج کے

علاوہ دہلی میں استاد طب کی حیثیت سے ان کی بڑی شہرت ہوئی۔ ان کے دامن فیض سے بکثرت لوگوں نے استفادہ کیا۔ ان کے تلامذہ میں احترام الدولہ حکیم احسن اللہ خاں اور دوسرے نامور اطباء شامل ہیں۔ ان کی غیر معمولی شہرت کی وجہ سے ان کے خاندان کو بعض لوگوں نے خانوادہ ذکائی کا نام دیا ہے، اور اسے خاندان بقائی سے الگ دور۔ خاندان سمجھا ہے۔ چنانچہ حکیم بدر الدین خاں کے حالات تخریر کرتے ہوئے ان کے شاگرد حکیم مرزا محمد بیگ نے اسحق خانی اور ذکار اللہ خانی کو ایک اور بقا خانی کو دوسرا خاندان بتایا ہے بلکہ

حکیم ذکار اللہ خاں کی کتاب قرا بادین ذکائی طب کے قرا بادینی ذخیرہ کی اہم کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے والد اور دادا کے نسخے ہائے مجربہ جو ضخیم قرا بادین (بقائی) اور متفرق بیاضوں میں پھیلے ہوئے تھے، جمع کئے ہیں بلکہ اس کا اصل نام ملنقطہ ذکائیہ منتخب از مجموعہ بقائیہ ہے، یہ کتاب ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء میں مطبع رومی بھوانی پرشاد دہلی سے طبع ہوئی تھی۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ نول کشور پریس لکھنؤ سے ۱۹۰۷ء تک اس کی چھ اشاعتیں نکل چکی تھیں۔ اس کا اردو ترجمہ بھی چھپ گیا ہے بلکہ حکیم حسام الدین، حکیم اسد علی اور حکیم نور الدین ان کی یادگار ہے۔ مرزا سنگین بیگ نے کڑھ شیخ چاند میں واقع کوچہ سموسہ میں جس کا دوسرا استنہ فراش خانہ کی طرف نکل جاتا ہے۔ حکیم ذکار اللہ خاں کے مکان کا ذکر کیا ہے بلکہ

۱۔ امتحان الالبال کافہ الالباص ص ۲۱۹

۲۔ قرا بادین ذکائی ص ۲

۳۔ دہلی کی یادگار شخصیتیں ص ۱۱۷

۴۔ سیر المنازل ص ۲۱

حکیم صادق علی خاں

۱۱۸۲/۶۱۷۷ء میں پیدا ہوئے۔ حکیم شریف خاں کے تیسرے صاحبزادہ تھے۔ طب کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور ان کی حیات ہی میں ممتاز ہوئے۔ حکیم شریف خاں کے انتقال کے وقت ان کی عمر ۳۸ برس ہو چکی تھی۔ انہوں نے خاندانی روایات کو بڑی ہوش مندی اور دانشوری کے ساتھ برقرار رکھا۔ حکیم شریف خاں کے بعد انگریزوں نے ان کی جگہ ضبط کر کے ان کے بیٹوں کی پنشن مقرر کر دی تھی۔ البتہ یہیں گاؤں جو حکیم شریف خاں نے غربا و مساکین کے لیے وقف کئے تھے ضبط ہونے سے بچ گئے تھے۔

۸۰ برس زندہ رہ کر ۲۹ صفر ۱۲۶۴/۵ فروری ۱۸۴۸ء کو انتقال ہوا، درگاہ سیدین رسول نما میں دفن ہوئے۔ مرزا سہراب بیگ نے قطعہ تاریخ وفات کہا ہے

و جید عصر فلاطون زماں ارسطو فکر
 حکیم کامل و ہم کاشف حقایق بود
 چو رخصت ہستی خود این جہان فانی بست
 چنان رقم زدہ سہراب مہرۂ تاریخ

بعلم و فضل در آفاق آنکہ فایق بود
 حکیم کامل و ہم کاشف حقایق بود
 کہ او بہشت بریں را ہمیشہ شایق بود
 طبیب صادق و عالم حکیم صادق بود ۱۲۶۴

۳۰ مارچ ۱۸۴۸ء کے روز نامہ کے مطابق "بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ حکیم صادق علی خاں جو شہر کے نامی گرامی طبیبوں میں سے تھے، رحلت کر گئے" یہ غالباً ۳ مارچ ہے اس لیے

۱۔ حکیم اجمل خاں ص ۱۱۹

۲۔ سیرت اجمل ص ۲

۳۔ قانون ابن سینا اور اس کے شارحین ص ۱۷۹

۴۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ ص ۲۲۹

کہ اس کے بعد ۲ مارچ کار و ناز ناچنے تخریب رہے۔

سر سید نے ان کی زندگی ہی میں ان کے بارے میں لکھا تھا "حکیم خداقت منس"۔
 حبیب عیسوی روکش، سرگروہ مکلائے زمانہ۔ آج اس کمالات ظاہری و باطنی کا جامع
 عرصہ روزگار میں جلوہ گرہ نہیں۔ علم عمل کے ساتھ اس بزرگ بلند فطرت کی ذات میں جمع
 ہے، ان کے والد ماجد اپنے عصر میں سرآمد حکما اور سر حلقہ اطباء تھے، آج تک ان کے کمالات
 کا شہرہ گنبد دوار میں از بس بلند ہے۔ جالینوس و ارسطو کا غلغلہ ان کے سامنے ایسا
 ہے جیسا طوطی کی آواز نقارہ خانہ میں۔ اور فی الحقیقت اس روزگار کے اکثر اطباء
 نامی انہی کی نسبت سناگر دی سے سرمایہ اعتبار کار کہتے ہیں، جو کہ اچھوں کے اچھے ہی
 ہوتے ہیں۔ حضرت ممدوح بھی اپنے زمانہ میں یکتا اور بے مثل ہیں، نہ ان کے علم کی
 صفت زبان قلم پر آسکتی ہے اور نہ ان کے عمل کی تعریف اندیشہ میں سما سکتی ہے
 سارے زمانہ کے مکلا کو جس کے خاندان کی نسبت سناگر دی سے فخر ہو اس کی تعریف
 اسی قدر کافی ہے،

حکیم صادق علی خاں کے انتقال کے بعد ذاتی پنشن ضبط کر لی گئی تھی اور بعد
 میں چار لیکن کلر میرٹھ نے جاگیر بھی ضبط کر لی۔ پسماندگان نے نصف جمع بند و بست کے
 لیے سرکار اتگریزی سے بہت کچھ اسناد عاکی لیکن بحال نہیں کی گئی۔
 حکیم جمیل خاں نے لکھا ہے کہ ان کی تصانیف میں زاد غریب بطریق تعلیم طفلان،
 رسالہ خواص ادویہ و اعذیہ، شرح معالجات قانونیچہ (نانام) شرح تشریح اعضائے
 مرکبہ (نانام) نابلف ۱۲۳۷/۱۸۶۱ء کے علاوہ ایک کتاب کلیات پر ہے۔ تقویت العقائد
 کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی ہے یہ شاہ اسمعیل شہید کی مشہور کتاب تقویت الایمان
 کا جواب ہے، صرف و نحو میں بھی متفرق رسایل ان کی یادگار ہیں۔ یہ تلامذہ

کی تعداد کثیر تھی یہ

حکیم منور خاں

حکیم محمد اشرف خاں کے بیٹے، حکیم شریف خاں کے پوتے، عالی قدر لیبیب
سادہ وضع اور صوم و صلوة کے پابند تھے، شاندار طب تھا، بڑی املاک بازار کھاری باؤلی اور
پھانک حبش خاں میں تھیں، شاہانہ زندگی گزارنے تھے، ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء میں
بم ۵۸ برس انتقال کیا، چھ بیٹے حکیم عبدالحی خاں، حکیم عبد الاحد خاں، حکیم عبدالصمد خاں
حکیم عبدالرحمن خاں حکیم عبدالکریم خاں اور حکیم عبدالقادر خاں تھے، بڑی بیٹی کی شادی
حکیم امام علی خاں اور چھوٹی بیٹی کی شادی حکیم مہر علی خاں گوالیار سے ہوئی تھی یہ

حکیم غلام حیدر خاں

حکیم غلام حیدر ابن حکیم نامدار خاں نے درسیات میں شاہ عبدالعزیز، شاہ
رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر سے برسوں استفادہ کیا۔ اور فیوض و برکات حاصل کئے
طب میں حکیم شریف خاں کے ارشد تلامذہ میں تھے طب کے درس میں یکتا سمجھے
جاتے تھے اور طبی کتابوں کے مشکل مقامات آسانی سے حل کرتے تھے، ہاتھ میں شفا
تھی، سرسید کو ان سے نسبت شاگردی حاصل ہے۔ حکیم مومن خاں نے ایک قطعہ میں جو

۱۔ نزهت الخواطر جلد ۷ ص ۲۱۶

۲۔ تذکرۃ الخواجگان ص ۹۱

۳۔ واقعات دارالحکومت جلد ۲ ص ۲۰۶

۴۔ آثار الصنادید ص ۵۱۳ نزهت الخواطر جلد ۷ ص ۳۵۴

اشعار کہے ہیں ان سے چچا کی فنی عظمت آشکار ہے۔
 عم بزرگوار کہ، میں عیسیٰ زماں نسخے کا جن کے معجزے سے مشکل اینٹیا
 مستقراط زہر خود دہ کا گر چارہ وہ کریں عمر خضر سے ہو نفس واپس دراز
 وہ سب ہی جس کی فطرت عالی کے میں مقر وہ جس کی رائے خیل طیبیاں میں سرفراز

حکیم غلام حسن خاں

حکیم غلام حیدر خاں کے برادر خرد تھے۔ کتب طب میں مہارت تام اور علاج معالجہ میں دستگاہ رکھتے تھے۔ درسیات کی تکمیل شاہ عبد القادر اور طب کی تکمیل حکیم شریف خاں سے کی تھی۔ ۱۸۲۷ء سے چند برس قبل فوت ہوئے یہ درس و افادہ میں شہرت حاصل تھی، طب کے اساتذہ میں شہداء تھا، بڑی تعداد میں لوگ ان سے مستفید ہوئے۔ حکیم محمد یوسف خاں اور حکیم عبد الحکیم معروف بہ ابو خاں دو بیٹے تھے، حکیم محمد یوسف کتب درسیہ سے فارغ اور فن طب میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ اپنے والد اور چچا سے طب کی کتابیں پڑھی تھیں۔ کمال فن کے باوجود پسندیدہ اخلاق میں بیگانہ تھے۔ حکیم عبد الحکیم نے کتب درسیہ آخون شیر محمد قندھاری سے پڑھی تھیں اور طب کی تعلیم اپنے والد اور چچا سے حاصل کی تھی۔ معالجہ میں اکثر معاصرین پر فائق تھے، ظاہری اور باطنی کمالات کے ساتھ وسیع الاخلاق تھے۔ سرسید کے مطابق دست شفا ایسا تھا کہ جن مریضوں کے علاج سے مساج بھی عاجز ہو وہ ان سے ٹھیک ہوتے تھے لہٰذا درس و افادہ کا سلسلہ چلے

۱۔ آثار الصنادید ص ۵۱۵

۲۔ نزہتہ الخواطر جلد ۷ ص ۲۲۹

۳۔ ایضاً ص ۵۳۶

۴۔ آثار الصنادید ص ۵۱۴ ۵۔ نزہتہ الخواطر جلد ۷ ص ۲۲۶

حکیم غلام نبی خاں

حکیم غلام حیدر کے بھائی اور پایہ کے طبیب تھے۔ کوچہ چیلان میں ان کا مطب تھا اور وہ پابندی سے مطب کرتے تھے۔ ان کے مطب کے قریب شاہ عبدالعزیز کا مدرسہ تھا۔ شاہ صاحب کے اثر کی وجہ سے وہ بڑے مذہبی اور دیندار تھے، ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء میں وفات پائی۔ ان کے صاحبزادہ موتمن نے فارسی اور اردو دونوں میں قطعاً تاریخ کیے۔

کہ غلام نبی بہ حق پیوست
تو قد فاز فوزا عظیمیما کہا

بہ من الہام گشت سال وفات
جنازہ اٹھایا فرشتوں نے آہ

حکیم نثار اللہ فریق

دہلی کے نامور طبیب اور شاعر تھے۔ ان کے خاندان میں طب اور شاعری کی روایت قائم رہی۔ شہر کے مختلف اساتذہ سے طب کی تحصیل کی اور طبابت میں نام پیدا کیا۔ شبیفتہ نے بھی طب میں ان کی "شایستہ مہارت" کی تعریف کی ہے۔ در عشقی اور مصحفی نے دلی میں ان کے مطب کرنے کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ یہ باطنی ہی الفاظ و اصطلاحات میں ان کا لفظ اس طرح کھینچا ہے، "عالم علم طب، شعر کیا ہے نون طب ہے، نسخہ تپ غب ہے، گرم ہر دفتر اشعار ہے جس سے نکلنا دل کا بخار ہے"

۱۔ تذکرہ ہندی ص ۱۴۵

۲۔ گلشن بے خار ص ۱۲۹

۳۔ یادگار شعرا ص ۱۳۲

مخاطب صفت کرنے سے دق ہے، چڑھتی تپ محرق ہے، اخلاط کا احتراق ہے، دل ان کا جلنے پر مشتاق ہے، حرارت قلب سے قشعر برہ ہے، ندامت سے یوں اندام تیرہ ہے، نبض قلم ممتلی ہے تو تنقید مزاج سخن کی ترکیب بھلی ہے، رنگ مضمون آبدار ہے گویا عرق بہا رہے۔ صفحہ کاغذ قرا بادین شفا فی ہے، جس میں ہر مرض کی دوائی ہے،

قادر بخش صاحب نے ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے، "فراق نخلوں حکیم جالینوس فطرت طیب بقراط قنط، خادم فقرائے باب اللہ، مخدوم کلائے دانش دستگاہ، منکی ارانک تصور جانا حکیم ثناء اللہ خاں، اس بزرگ بہاد کو ارباب فہم درست و اصحاب عقل سلیم نے ثقات شعرا اور اساتذہ فن سے قرار دیا ہے۔ حق یہ ہے کہ سخن کو طرز نو بخشی اور معنی کو بلندی نازہ عطا کی، شعرا نامی کے ساتھ ہمیشہ مطابقت کرتا اور صحبت شعر میں ارباب علم کا مشار ایہ اور اہل کمال کا مدوح رہا۔ سخنوری تو اس تقدس بہاد کا ادنیٰ وصف ہے۔ ذوق علوم اور غوامض فہوم اس جناب کی ذقت فہم سے ایسی کشائش پاتے جیسے پختہ نیم راحت اینگز سے اور عقده مالا نخل اس حلال مشکلات سے اس طرح حل ہوتا جیسے ارزیز آتش نیز سے۔ صاحب دیوان اور انواع سخن پر قادر اور اصناف کلام پر مقتدر سخن ہے۔"

فراق خوش فکر و شیریں گفتار شاعر نئے انہی مشاہیر شعرا سے استفادہ کا موقع ملا ان کے اساتذہ سخن میں ان کے چچا ہدایت اللہ ہدایت کے علاوہ سودا اور درد بھی شامل ہیں۔ درد سے کسب سخن کے ساتھ کسب باطن بھی کیا تھا۔ تہہ شیفہ اور باطن نے بھی انہیں درد کا مرید لکھا ہے۔

۱۔ گلستان بے خزاں ص ۱۸۲

۲۔ گلستان سخن ص ۳۸۵

۳۔ لطائف شعرا نے ہند ص ۱۸۰

۴۔ گلشن بے خار ص ۲۲۱ گلستان بے خزاں ص ۲۸۳

فراق کے چچا ہدایت خواجہ میر درد کے شاگرد تھے۔ انہوں نے ایک دیوان اور مثنوی کہی ہے جس میں بنارس کا بیان ہے (علی ابراہیم) مصحفی نے ان کی عمر سو برس سے زیادہ لکھی ہے۔ ۱۲۱۹ء تا ۱۸۰۴ء میں انتقال ہوا، (ذکا و سرور) سخن شعرا اور گلشن بے غار میں تاریخ انتقال ۱۲۱۵ھ درج ہے۔ دلی کے اکثر شعرا ہدایت کے شاگرد تھے۔ تقریباً نو ہزار اشعار کا دیوان چھوڑا۔ نیز کچھ مثنویاں اور ایک رسالہ مسیحی بہ چراغ ہدایت (قاسم) ہدایت کے لیے میر حسن نے "شمع انجمن فصاحت و بلاغت، شاعر دل پذیر، سخن سنج بے نظیر، عالی طبع" جیسے تعریفی الفاظ لکھے ہیں۔

حکیم ثناء اللہ فراق کے ہاں مشاعرہ کی محفلیں بھی سبجی تھیں، مصحفی اس میں شریک ہوتے تھے۔ انہوں نے مرزا محمد ہانف کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ثناء اللہ فراق کے مشاعرہ میں آیا کرتے تھے۔ یہ اس مشاعرہ کے متعلق مصحفی نے وضاحت کی ہے کہ یہ مشاعرہ پسر راجہ رام ناتھ کے ہاں ہوتا تھا، اور اس کی بنا کے محرک ثناء اللہ فراق تھے۔

حکیم صاحب صلاح و تقویٰ و ورع اور لوگوں سے ارتباط، یک جہتی اور حسن خلق میں مشہور تھے۔ فن طبابت میں برداد دخل تھا، ان کے اشعار سکنہ شہر دہلی کی زبان پر جاری تھے۔ طرز بندگی و صاف گوئی میں استناد وقت تھے، بہت سے لوگوں نے ان سے استفادہ کیا ہے اور اصلاح شعر لی ہے۔ سرور نے ان سے اپنے تعلقات کا ذکر

۱۔ تذکرہ شعرائے اردو ص ۱۳۳

۲۔ سخن شعرا ص ۵۶۰

۳۔ یادگار شعرا ص ۱۸۶

۴۔ تذکرہ شعرائے اردو ص ۲۰۴

۵۔ یادگار شعرا ص ۱۸۵

۶۔ تذکرہ ہند ص ۲۷۹

کیا ہے بلکہ فراق نے سرور کی عمدہ منتخبہ کی تاریخ اس شعر سے نکالی تھی۔
جو گوش دل میں کہا باغبان قدرت نے کہ ہے یہ بحرِ جن کا سفینہ اعظم
قاسم نے انہیں "نیریں زبان، ملاحت بیان، فصاحت قرین بلاغت آگین، معنی
ورع و تقویٰ" صاحب انداز شریف، مالک طرز لطیف، اور لب میں خدافت انساب
لکھا ہے۔

دہلی کی معاشرتی زندگی میں ان کا مقام تھا، اور نہدی جی اعتبار سے ان کے خاندان
کی بڑی حیثیت سمجھی جاتی تھی۔

اپنے چچا ہدایت کی طرح ان کے شاگردوں کا حلقہ بہت بڑا تھا: قاسم کے مطابق
دلی کے اکثر شاعران کے شاگرد ہیں یا متبع، فراق کے شاگردوں میں سعد اللہ خاں
تتہا (عمدہ منتخبہ ص ۱۶۷) محمد عبداللہ خاں حسنیہ (گلشن بے خار ص ۷۰) خیراتی خاں دلسوز
(طبقات شعرائے ہند ص ۲۵) مرزا اسد بیگ رفیق (عمدہ منتخبہ ص ۲۹۸) گلشن بے خار
ص ۸۶) سخن شعرا ص ۱۸۹) مظہر علی خاں شفیق (گلشن بے خار ص ۱۱۰) سخن شعرا ص ۲۵۰
عمدہ منتخبہ ص ۳۷۵) ناصر حسین شورش (سخن شعرا ص ۲۵۲) فلور حسین شورش (عمدہ منتخبہ
ص ۳۸۹) امیر بخش خاں شہرت (گلشن بے خار ص ۱۱۲) گلستان بے خزاں ص ۱۲۷ سخن
شعرا ص ۲۵۸) فرید الدین آفاق (عمدہ منتخبہ ص ۱۰۹) گلشن بے خار ص ۱۵) بہار بے
خزاں ص ۱۲) مجموعہ نغز ص ۳۸) عاشور بیگ خاں طالب (سخن شعرا ص ۲۹۹) یادگار شعرا
ص ۱۱۱) بہادر بیگ خاں غالب (یادگار شعرا ص ۱۲۶) کنور گوپال ناتھ غلام (یادگار شعرا
ص ۱۲۷) مرزا ابر علی بیگ فاکر دہلوی (ریاض الفصحا ص ۲۷۱) سخن شعرا ص ۳۷۹

۱۔ عمدہ منتخبہ ص ۲۵۹

۲۔ مجموعہ نغز جلد ۱ ص ۲۲۹

۳۔ یہ حکیم میر قدرت اللہ قاسم کے بھی شاگرد تھے طبقات شعرائے ہند ص ۲۸۸

۴۔ بہادر شاہ ظفر کے خواص میں تھے، اپنے ہاں محفل مشاعرہ منعقد کرتے تھے طبقات شعرائے ہند ص ۳۳۱

گلستان بے خزاں ص ۱۹۲) میر محمدی قربان (گلشن بے خار ۱۵۹ گلستان بے خزاں ۱۹۳
 طبقات شعر ۱۱۴۱) میر بہادر علی محبت (سخن شعر ۲۱۶ عمدہ منتخبہ ۷۲۲) مقبول بنی مقبول
 میر عسکری میرن (عسکر علی میرن عمدہ منتخبہ ۷۲۵ سخن شعر ۲۸۷) محمد قاسم ندیم دہلوی
 (یادگار شعر ۱۷۶) غلام حسین یاد سونی پتی (عمدہ منتخبہ ۸۳۰) زاین داس بخود (مجموعہ
 نغز ۱۲۶ یادگار شعر ۳۸) مصطفیٰ نجر دہلوی (گلستان بے خزاں ۵۳ گلشن بے خار ۲۱
 سخن شعر ۸۳) قدرت اللہ قدرت (طبقات شعر ۱۶۳ گلشن بے خار ۱۵۹ سخن شعر ۳۸۳
 گلستان بے خزاں ۱۹۳) بہادر علی نجیب (سخن شعر ۵۰۵) مرزا غفور بیگ افسوس
 (مجموعہ نغز ۶۶) بیہ قاسم کے بھی شاگرد تھے۔ اصل میں ہدایت سے تلمذ تھا۔ ان کی غیر موجودگی
 میں فراق سے اصلاح لینے تھے (طبقات شعر ۲۲۳)

مرزا سنگین بیگ نے کوچہ چیلان میں خواجہ میر درد کے مکان کے قریب حکیم ثنار اللہ
 خاں کی توپلی کا تذکرہ کیا ہے بلکہ زہنتہ الخواطر ان کے سلسلہ میں ایسا ماخذ ہے جس سے
 ان کے اساتذہ اور تاریخ وفات کا علم ہوتا ہے۔ اس کے مطابق دہلی کے دوسرے
 علما کے علاوہ خواجہ میر درد سے درسیات اور حکیم شریف خاں سے طب کی تحصیل کی
 تھی۔ درس کا سلسلہ رہتا تھا، ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۷ء سے قبل وفات پائی ہے

۱۔ یہ دہلی کے مشہور شاعرانعام اللہ خاں یقین کے بیٹے تھے، گلشن بے خار ۱۸۶ سخن شعر ۲۵۳
 عمدہ منتخبہ ۷۳۳

۲۔ شاہ عبدالعزیز کے عزیزوں میں تھے، مولانا فخر الدین سے کسب باطن کیا تھا، گلشن بے خار
 ۲۲۲ سخن شعر ۵۶۶۔ طبقات شعر ۳۹۵

۳۔ خلف شاہ رفیع الدین

۴۔ میر المنازل ص ۲۷

۵۔ زہنتہ الخواطر جلد ۷ ص ۱۱۲

حکیم پناہ خاں حکیم

حکیم محمد پناہ خاں حکیم صحیح النسب سید تھے۔ دہلی کے قدیم خاندان سے تعلق تھا۔ والد کا نام سید محمد شریف خاں زر بخش (لک بخش) تھا، ذی رتبہ اشخاص میں شمار کئے جاتے تھے۔ خطاب خانی اور منصب ہزاری سے سرفراز تھے۔ لکھنؤ کی بھی سیر کی۔ لکھنؤ کے سفر میں مصحفی نے ان کی ہمراہی کا ذکر کیا ہے، وہاں سے پھر دہلی آئے، خواجہ میر درد (وفات ۱۷۸۵ء) کے شاگرد تھے، پہلے ان کا تخلص نثار تھا، بعد میں طب کی مناسبت سے حکیم تخلص اختیار کیا۔ طب اور تاریخ میں کامل دخل رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ دیگر علوم شریفہ میں بھی رتبہ کمال حاصل تھا۔ یہ اسپرنگر نے طب اور موسیقی میں تعریف کرتے ہوئے سیرداد و ادین اساتذہ اور تذکرہ ہائے سلف میں انہیں یگانہ لکھا ہے۔ خوش اختلاط، گرم ارتباط، کتب سیر فارسی پر نظر تھی۔ درد آلود عاشقانہ اور باکیفیت شعر کہتے تھے۔

حکیم قدرت اللہ قدرت

طب اور عربی میں پوری مہارت رکھتے تھے، مصحفی سے دہلی میں اکثر ملاقات

۱۔ عمدہ منتخبہ ص ۳۳۵ گلستان بے خزاں ص ۷۲ بزم سخن ص ۵۲

۲۔ مخزن جاوید جلد ۲ ص ۲۹۲

۳۔ یادگار شعرا ص ۶۵

۴۔ لطائف شعرائے ہند ص ۲۲۷ مجموعہ لغز ص ۲۲۲

۵۔ عمدہ منتخبہ ص ۳۳۵

رہتی تھی۔ حکیم تنار اللہ فراق کے شاگرد اور دوست تھے۔ باطن نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے ”کلام میں مشتاق، سخن میں طاق، خلق ان کی مشتاق ہے۔“ اسپرنگر کے مطابق ۱۸۳۷ء کے قریب انتقال کیا ہے

حکیم محمد حسین کلیم

دہلی کے طبیب اور شاعر تھے۔ فارسی اور اردو دونوں میں شعر کہتے تھے۔ میر اور مرزا کے معاصر تھے اور اساتذہ میں شمار ہوتے تھے، ان کے کلام میں زبان و بیان کی خوبی ملتی ہے۔

رسالہ عروض و قوافی، ترجمہ فصوص الحکم (شیخ محی الدین ابن عربی) اور ایک قصہ رنگین اردو نثر میں ان کی تصانیف میں ہے۔ میر محمد حسن نجلی ان کے بیٹے تھے۔ بزم سخن کے مطابق فصوص الحکم کے علاوہ ابن عربی کے کئی رسالوں کو اردو میں منتقل کیا تھا۔ طب میں بھی مہارت کامل تھی۔ صاحب طور کلیم نے انہیں میر تقی میر کا بہنوئی لکھا ہے۔

حکیم سید محمدی ظاہر دہلوی

حکیم میر محمدی کے والد حکیم میر واجد علی حاذق معالج تھے۔ بسلسلہ طبابت نواب

۱۔ تذکرہ ہندی ص ۱۸۳

۲۔ گلستان بے خزاں ص ۱۹۳

۳۔ یادگار شعرا ص ۱۳۹

۴۔ گلشن بے خار ص ۱۶۳

۵۔ عمدہ منتخبہ ص ۵۲۶ ۶۔ بزم سخن و طور کلیم ص ۱۰۵

احمد بخش خاں فخر الدولہ سے وابستہ رہے۔ دہلی کے علاوہ آگرہ بھی قیام رہا۔ یہ مولانا فخر الدین دہلوی کے خلیفہ تھے۔ میر محمد می سید عالی نسب دہلی کے رہنے والے تھے۔ آگرہ میں بھی مقیم رہے۔ شاعر خوش محاورہ و شیریں کلام تھے۔ طبابت میں مہارت رکھتے تھے۔ حکیم میر محمد می کو مولانا ضیاء الدین جے پوری (خلیفہ مولانا فخر الدین دہلی) سے فخر بیعت حاصل تھا، ۱۲۵۹ھ ۱۸۴۳ء میں انتقال کیا۔ صاحب دیوان تھے۔

حکیم میر قطب الدین باطن

حکیم میر محمد می کے بیٹے حکیم میر قطب الدین باطن طبیب، شاعر اور مصنف تھے۔ شیفتہ کی گلشن بے خار کے جواب میں گلستان بے خزاں تصنیف کی تھی۔ میاں نظیر اکبر آبادی سے استفادہ سخن کیا تھا۔ گلستان بے خزاں اردو شعرا کے تذکرہ پر معتبر سمجھی جاتی ہے اور ان کی شہرت کا اصل باعث ہے۔ باطن میاں کالے صاحب کے مرید تھے۔ دیوان اور مثنوی غم دلر با بھی ان کی یادگار ہے۔

حکیم میر قطب الدین باطن کے بڑے بیٹے حکیم سید فخر الدین بھی شاعری اور طب میں امتیاز رکھتے تھے۔ مرزا حاتم علی مہر کے آگے زانوائے تلمذ نہ کیا تھا۔ خوش طبیعت اور خوش تقریر تھے۔ مشاعروں میں شرکت رہتی تھی۔ اس طرح کئی نسلوں تک اس خاندان نے طب اور شاعری کی آبیاری کی ہے۔

۱۔ گلستان بے خزاں ص ۱۵۲ سخن شعرا ص ۳۰۶

۲۔ عمدہ منتخبہ ص ۴۱۵

۳۔ گلستان بے خزاں ص ۱۵۲

۴۔ گلستان بے خزاں ص ۴۲ مخزن جاوید جلد ۱ ص ۵۳۲

۵۔ ایضاً ص ۱۸۲

حکیم قدرت اللہ قاسم نے ان کی خاندانی منزلت اور طب میں مہارت کا خاص
طور پر ذکر کیا ہے لے

حکیم شرف الدین خاں

حکیم شریف خاں کے دوسرے صاحبزادہ تھے۔ خاندانی تذکروں میں دوسری
شاخوں کے بعض نہایت ممتاز افراد کی طرح ان کے بارے میں بھی کوئی تفصیل نہیں پیش
کی گئی ہے۔

حکیم شرف الدین خاں دربار شاہی سے وابستہ تھے، اور اکبر شاہ ثانی کے درباری
طبیب کی حیثیت سے منزلت کا درجہ رکھتے تھے۔ اکبر شاہ ثانی کے بعد بہادر شاہ ظفر
کے ہاں بھی ۱۸۳۷ء سے شروع ۱۸۴۰ء تک انہیں خصوصی معالجتی کا مرتبہ حاصل رہا۔ اس کے
بعد حکیم حسن اللہ خاں اس عہدہ پر فائز ہوئے۔

برطانوی ہند میں حکیم محمود خاں نے جن کی تحریریں خاندانی حالات کا خاص ماخذ
ہیں اور ان خاندان شریفی کی آخری مغل دربار سے وابستگی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ غالباً
اس میں اس زمانہ کی سیاسی صورت حال کا دخل رہا، اور خاص طور پر بہادر شاہ
سے تعلق کے اظہار کو مصلحت کے خلاف سمجھا گیا، شاہی عہد کے اخبارات سے
معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف حکیم شرف الدین خاں بلکہ حکیم صادق علی خاں کا بھی دربارت
تعلق تھا۔

دہلی اردو اخبار جو ۱۸۴۰ء سے نکلا شروع ہوا تھا۔ اس کی ۲۳ فروری ۱۸۴۰ء کی
اشاعت میں یہ خبر درج ہے، حکیم حسن اللہ خاں کو خلعت پارچہ کا تین رقم جو اہر مع
خطاب عمدۃ الحکماء معتمد الملک حاذق الزماں حکیم حسن اللہ خاں ثابت جنگ مرحمت

ہوا۔ اور حکیم مذکور بجائے حکیم شرف الدین کے واسطے خاص حضور والا کے سرفراز ہوئے۔

دہلی اردو اخبار کی ۲۴ دسمبر ۱۸۴۰ء کی اشاعت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک تقریب کے موقع پر بہادر شاہ نے حکیم احسن اللہ خاں، حکیم امام الدین خاں، حکیم اسد علی خاں، حکیم شرف الدین خاں اور حکیم صادق علی خاں کو خلعت چھ چھ پارچے عطا کئے۔

حکیم میر عزت اللہ خاں عشق

ان کے والد حکیم سید قدرت اللہ قاسم کے علاوہ ان کے دادا مولوی حافظ نور احمد ممتاز نہایت ذی علم شخص تھے۔ حکیم عزت اللہ نے درسیات اور خصوصاً طب کی تحصیل اپنے والد کی خدمت میں کمال تحقیق و تدقیق سے کی۔ اور معالجہ مرض کو حد اعجاز تک پہنچایا، شاعری میں حکیم ثناء اللہ فراق سے اصلاح لی تھی۔ سرور نے فن طب میں ان کی مہارت کا ذکر کیا ہے اور خود ان کے والد حکیم قدرت اللہ خاں قاسم نے طب میں ان کے بدطولی اور معالجہ مرض میں مسیحائی کی تعریف کی ہے۔ قطب الدین باہن نے لکھا ہے "علم حکمت میں مشاق اور طب میں شہرہ آفاق ہیں، طبیب حاذق اور مطب کرنے کے لائق ہے شیفتہ کا بیان ہے کہ دہلی کے معتبر لوگوں میں تھے۔ فن طب

۱۔ تاریخ صحافت اردو جلد ۱ ص ۱۴۰

۲۔ ایضاً ص ۱۹۱

۳۔ یادگار شعرا ص ۱۹۱

۴۔ گلستان سخن ص ۳۶۰

۵۔ بلقعات شعرائے ہند ص ۳۷۶

۶۔ مجموعہ نغز ص ۳۸۵ کے گلستان بے خزاں ص ۱۶۲

میں دست بلند حاصل تھا۔ اس نے ان سے اپنے ذاتی تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے انہیں
سجیدہ اور متین بتایا ہے۔

حکیم عزت اللہ جوانی ہی میں لباس صلاح و تقویٰ سے آراستہ اور زیورِ علم و حیا
سے پیراستہ تھے۔ موز و نیت طبع کے سبب جو انہیں وراثت میں ملی تھی، فکر شعر گوئی
کرتے تھے، متواضع اور مودب تھے۔ قاسم نے انہیں مرد صالح، درویش نہاد، عقبی
دوست، شیریں کلام اور سلیم الطبع لکھا ہے۔ انہیں حفظ قرآن کی سعادت بھی میسر تھی یہ
۱۸۴۰ء کے قریب انتقال ہوا۔

محمد حسین آزاد نے بہادر شاہ کے دربار کے کہنہ مشق شعرا کا نام پیش کرتے ہوئے
لکھا ہے کہ حکیم نثار اللہ فراق، میر غالب علی خاں سبید، عبدالرحمن خاں احسان، برہان الدین
خاں زار، حکیم قدرت اللہ خاں قاسم، حکیم عزت اللہ خاں عشق، میاں نیکیا، مرزا عظیم بیگ
میر قمر الدین منت، میر نظام الدین تمنون، وغیرہ سب مشاعرہ میں آکر جمع ہوتے تھے۔
اپنا اپنا کلام سناتے تھے، مطلع اور مصرع جلسہ میں ڈالتے تھے۔ ہر شخص مطلع پر مطلع کہنا
تھا، مصرع پر مصرع لگا کر طبع آزمائی کرتا تھا۔

عشق کا شمار دہلی کے مشاہیر سخن میں کیا جاتا ہے، تلامذہ کی کثرت سے دہلی کی
فضائے شعری میں ان کے حصہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ امیر علی امیر (سخن شعرا ص ۲۷ گلستان سخن
۱۲۲) احمد علی حب فرید آبادی (سخن شعرا ۱۲۳) محمد ہاشم شایق (گلستان بے خزاں ۱۲۰
سخن شعرا ۲۲۰) بلنقات شعرا (۳۹۸) مقبول شاہ بینوا (عمدہ منتخبہ ۱۵۵) فیض علی

۱۔ گلشن بے خار ص ۱۳۵

۲۔ عمدہ منتخبہ ص ۲۲۷

۳۔ مجموعہ نغمہ ص ۳۸۵

۴۔ آب حیات ص ۲۲۵

علی سرور (عمدہ منتخبہ ۳۵۴) وزیر علی مسرت (طبقات شعرا ص ۳۸۵ سخن شعرا ص ۲۳۱ عمدہ منتخبہ ۷۲۳) مرزا سنگی بیگ مسرور (عمدہ منتخبہ ۷۲۶ بہار بے خزاں ۲۱۴ گلشن بے خار ۱۷۶ طبقات شعرا ۳۸۵) یوسف علی یوسف (عمدہ منتخبہ ۸۱۹ گلشن بے خار ۲۲۲ سخن شعرا ۵۷۱ طبقات شعرا ۳۹۵) احمد علی احمد (طبقات شعرا ۳۹۶) امیر علی فرحت دہلوی (سخن شعرا ص ۳۶۳ گلشن بے خار ۱۲۸ گلستان بے خزاں ۱۸۱ عمدہ منتخبہ ۲۹۲) منیبت علی مغموم دہلوی (عمدہ منتخبہ ۷۲۳ طبقات شعرا ۳۸۷) زاہد بیگ نازک (عمدہ منتخبہ ۱۷۰) محب اللہ جوآن دہلوی (مخمانہ جاوید جلد ۲ ص ۲۸۰ یادگار شعرا ۵۳) مرزا غلام حسین صبر (گلستان بے خزاں ۱۲۲ گلشن بے خار ۱۲۵) غلام حسن صیاد (عمدہ منتخبہ ۳۹۷) سید محمد نعشق (گلستان بے خزاں ۵۲ عمدہ منتخبہ ۱۵۸ گلشن بے خار ۲۳) ان کے شاگردوں میں ہیں۔

حکیم سید محمد نعشق

حکیم سید محمد نعشق ابن حکیم ابو محمد شیخ عبد القادر جیلانی کی اولاد سے تھے۔ فاضل کامل عالم محقق اور ذہین و ذکی تھے باریک بینی اور جوہر شناسی میں کمال تھا۔ حکیم میر عزت اللہ عشق کے شاگرد اور داماد تھے۔ لب میں مولوی رشید الدین خاں اور حکیم قدرت اللہ قاسم سے تلمذ تھا۔ تمام مشرقی علوم میں استحضار خاص طور پر طب میں مہارت تام تھی۔

لے سرور نے حکیم قدرت اللہ قاسم سے درسی کتابیں پڑھی تھیں اور شاعری میں حکیم عزت اللہ سے اصلاح لی تھی۔ طبقات شعرا ۳۹۵ ہند ص ۲۲۰

۲ یہ حکیم قدرت اللہ قاسم کے بیٹے تھے۔ گلشن بے خار ص ۷۶ گلستان بے خزاں ص ۲۱۴
۳ گلستان بے خزاں میں غلام حسن نام ہے، دہلی کے رہنے والے اور حکیم ابو علی خاں کے بیٹے تھے (سخن شعرا ۲۷۸)
طبقات شعرا ۳۷۲ عمدہ منتخبہ میں ان کے والد کا نام حکیم محمد علی خاں درج ہے (ص ۳۹۷)

حکیم قدرت اللہ قاسم نے قرابت قریبہ کی وجہ سے ان کی تعلیم و تربیت میں بے حد دلچسپی لی اس کا نتیجہ یہ تھا کہ معالجہ کے باب میں ان سے ایسے عجیب نکتے اور فائدے حاصل ہوتے کہ بعض اوقات ان کی حسن تدبیر پر اتفاق تقدیر کا گمان ہوتا تھا اردو میں بھی شعر کہتے تھے اور حکیم صاحب کی نذر اصلاح سے گزارنے تھے۔ مدرسہ سرکاری (دہلی کالج) میں سور و پیہ ماہانہ پر عربی کے استاد رہے۔ شاہ جہاں آباد کے ممتاز لوگوں میں تھے اور فن طب میں کمال تھا۔

لالہ سری رام نے انہیں نامور ادیب بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ معالجات میں خوب دخل رکھتے تھے۔ طبیعت میں غضب کا استحضار تھا۔ ان کو ہمہ دانی کا دعویٰ تھا اور فی الحقیقت جامع کمالات انسان تھے۔ دہلی کے کسی طبیب کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اچھا شعر سن کر پناب ہو جاتے تھے اور خود بھی اچھے شعر کہتے تھے بلکہ

۷۵ برس کی عمر میں ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء میں فوت ہوئے۔ دو کتابیں ان کی یادگار ہیں۔

- ۱۔ علم فرایض کی مشہور کتاب سراجی کا ترجمہ و شرح۔
- ۲۔ منطق کی کتاب شمسیہ کا عربی سے اردو ترجمہ۔ یہ دونوں کتابیں طبع ہو چکی ہیں۔

حکیم مولوی عبد اللہ خاں علوی

مشہور عالم، طبیب اور شاعر تھے۔ اصل وطن خوجہ تھا۔ لیکن زندگی کا بڑا حصہ دہلی میں

۱۔ گلستان سخن ص ۱۷۵

۲۔ بزم سخن ص ۴۳

۳۔ خمخانہ جاوید جلد ۲ ص ۱۰۵

۴۔ دہلی کی آخری شمع ص ۷۷

۵۔ نزہتہ النواظر جلد ۷ ص ۴۱۰ دہلی کی یادگار ہستیاں ص ۸۸

۶۔ طبقات شعرائے ہند ص ۳۶۶

میں گزرا۔ سید احمد شہید کی تحریک اور دعوت حق سے تعلق تھا۔ آخر میں شمس آباد میں ایک رئیس کے ہاں ملازم ہو گئے تھے۔ وہیں ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء میں انتقال ہوا۔ غالباً یہ وہی صاحب ہیں جنہیں لالہ سری رام نے حکیم عبداللہ خاں رساد ہلوی کے نام سے بیان کیا ہے۔

حکیم نصر اللہ خاں وصال

حکیم نثار اللہ فراق کے بیٹے تھے۔ ابتدا میں فنونِ درسیہ اور طب کی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ شاہ عبدالعزیز سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔ اس کے بعد حدیث، فقہ، اصول، منطق، معانی، فلسفہ، ہندسہ و ہیئت شاہ رفیع الدین سے اور علم طب حکیم شریف خاں سے کسب کیا، کتابِ حِانی، افراس ت اور مرض شناسی میں بے مثل تھے۔ صاحب گلستان سخن نے ان کی بڑی تعریف کی ہے وہ لکھتے ہیں: "حکمت مآب فغایل اکتساب سلالہ اماجد کرام زبدہ افاضل عظام قدوہ اکابر آوان، حکیم نصر اللہ خاں سلم الرحمن خلف جناب مستطاب غفران پناہ مغفرت دستگاہ یگانہ آفاق حکیم نثار اللہ فراق۔ عقل باور نہیں کرتی کہ یہ حدس صایب درگاہ علی الاطلاق سے کسی اور کو عطا ہوا ہو، بیماری چشم زکس اور جو شش خون لالہ کی علت دریافت کرنا ایک امر مہل ہے مبادا اگر ان کے شفاخانہ میں چلے دل صنوبر کو خفقان سے نجات دے اور اگر نسیم ان کے دستور العمل کے موافق کام کرے شکم غنچہ کو نفع سے بچالے، طلاء شبنم اگر ان کی تدبیر سے

۱۔ سرگذشت مجاہدین جلد ۲ ص ۱۷۲

۲۔ مخزنہ جاوید جلد ۲ ص ۳۸۵

۳۔ لطائف شعرائے ہند ص ۲۵۲

۴۔ آثار الفوائد ص ۵۱۳ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۲۰۶

ہو تارگ گل میں خون نہ مرتا اور اگر لخنہ گل ان کی نجویز سے عمل میں آتا تو بلیل کا مرض دماغ
اتنا طول نہ پکڑتا۔ ان کمالات سے قطع نظر اوقات، شبانہ روزی میں بیشتر عبادت
و طاعت میں مصروف۔ ایسا عالم باعمل روزگار برہنہ تھا ہوا۔ موزونی ذاتی اور مناسبت
طبعی سے فکر شعر بھی دامیگر تھی بلکہ

وصال علوم مند اولہ میں بہت دخل رکھتے تھے بلکہ ہیئت ہندسہ اور منطق کے فاضل
تھے یہ طب میں دست قدرت حاصل تھا متعدد رسائل بحران اور دریافت مزاج
نسخہ مرکب وغیرہ تصنیف کئے ہیں۔ ایک شرح تشریح الافلاک (علم ہیئت) عربی میں ہے۔
اردو میں امام حسین کے حالات میں ان کی ایک کتاب ہے جو ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۵ء کی
مطبوعہ ہے یہ حکیم نصر اللہ خاں فن طب کے ماہرین میں تھے انہوں نے فیروز پور
جھڑکے میں طبی خدمات انجام دیں، باطن کی ۱۲۶۶ھ یا ۱۲۴۷ھ (۱۸۳۰ یا ۱۸۳۱ء) میں
نواب شمس الدین خاں والی فیروز پور جھڑکے کی سرکار میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔
وہاں مولوی عزیز اللہ سن پٹی اور مولوی کرامت علی وغیرہ کا جلسہ رہتا تھا۔ ہر ایک
شائق سخن آپس میں اپنے اور بیگانے شعر کہنا چرچا شعر و سخن کا ہونا، ہر جوہری سخن
کے موتی پر و نایاب

حکیم صاحب پہلے نواب فیض محمد خاں رئیس جھڑکے کی سرکار میں عہدہ طبابت پر مامور

۱۔ گلستان سخن ص ۲۷۲

۲۔ سخن شعرا ص ۵۵۳

۳۔ نزہتہ النواظر جلد ۷ ص ۲۹۹

۴۔ آثار الصنادید ص ۵۱۴ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۲۰۶

۵۔ لطائف شعرات ہند ص ۲۵۲

۶۔ گلشن بے خار ص ۲۳۷

۷۔ گلستان بے خزاں ص ۲۸۱

تھے۔ اس کے بعد اور عمدہ ہائے روزگار کی سرکار میں منسلک رہے۔ بھر بنظر قداست
نواب عبدالرحمن خاں والی جمہور کے ہاں سابقہ عمدہ پرفائز ہوتے۔ لے نواب عبدالرحمن
خاں نواب فیض محمد خاں کے نبیرہ تھے۔ چنانچہ ۱۲۶۶ھ/۶۱۸۲۹ء میں وہ وہاں کے نواب
کے ہاں ڈپٹی سوریہ ماہانہ پر ملازم تھے۔ لے وصال نے کسب سخن اپنے والد سے کیا
تھا۔ قاسم نے انہیں حلیم، مہذب، نہایت سنجیدہ اور باادب بیان کیا ہے۔ لے

کریم الدین نے ۶۱۸۲۷ء میں ان کی عمر ۲۰ برس کے قریب لکھی ہے۔ لے اس کی رو سے
۶۱۷۸ء کے قریب ان کی تاریخ پیدائش قرار پائی ہے۔ حکیم صاحب بہت منقہ
اور کافی وقت عبادت میں گزارتے تھے۔ حکیم نصر اللہ خاں کے حقیقی چھوٹے بھائی
حکیم فتح اللہ خاں بھی کامیاب طبیب اور نامدار معالج تھے، طب کی تحصیل اپنے برادر
گرامی سے کی تھی ایک عرصہ تک نواب اکبر علی خاں رئیس پٹواری کا سرکار میں عمدہ
طبابت پر رہے۔ دہلی میں درس و افتادہ کا سلسلہ تھا۔ شہر موزالہ میں حکیم نصر اللہ
خاں وصال کے متعدد نسخے نقل ہیں۔ لے

حکیم محمد علی خاں وصل

حکیم نصر اللہ خاں وصال کے بیٹے حکیم محمد علی خاں کامیاب طبیب اور شاعر تھے۔

۱۔ یادگار شعرا ص ۱۸۳۔ آثار الصنادید ص ۵۱۳ واقعات دارالحکومت جلد ۲ ص ۲۰۶

۲۔ عمدہ منتخبہ ص ۸۰۸ گلشن بے خار ص ۲۳۷

۳۔ مجموعہ لغز ص ۲۹۶

۴۔ طبقات شعرائے ہند ص ۲۵۲

۵۔ نزہۃ الخواطر جلد ۱ ص ۳۶۷

۶۔ رموز الاطبا جلد ۲ ص ۲۲۶

صاحب فمخانیہ جاوید نے غلطی سے انہیں نثار اللہ فریق کا بیٹا لکھا ہے۔ فن شعر میں اپنے والد وصال سے مشورہ کیا تھا، علوم رسمی اور فن طب کے فارغ التحصیل اور صحیح معنی میں فرزند رشید تھے یہ صاحب مراتب الاشباہ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے: "بناض لانتانی، مشخص امراض ابدانی، ارسطو فطرت، فلاطون حکمت، مسیح الزماں حکیم محمد علی خاں ابن حکیم نصر اللہ خاں مرحوم فن طب میں یکتائے جہان اور استعداد حکمت میں علامہ زمان ہیں۔ ان کا دامن اخلاق وسیع اور کشادہ ہے۔ طبیعت ہمیشہ بتواضع و تکریم آمادہ ہے۔ بالفعل نواب والی دو جانہ کی سرکار میں مامور ہیں فن طبابت میں مشہور نزدیک و دور ہیں۔"

حکیم محمد علی خاں کے پوتے حکیم بشیر محمد خاں راحت۔ ۱۳۸ھ / ۱۸۶۳ء میں پیدا ہوئے۔ دادا کے سایہ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی اور انہی سے فن سخن میں اصلاح لی۔ کئی منظوم رسالے ان کی یادگار ہیں۔

حکیم محمود علی خاں فرحت

حکیم نصر اللہ خاں وصال کے دوسرے بیٹے تھے، فرحت نخلص کرتے تھے، اپنے دوسرے اراکین خاندان کی طرح کامیاب طبیب تھے اور شاعری سے تعلق تھا۔

۱۔ سخن شعرا ص ۵۵۲

۲۔ گلستان سخن ص ۲۷۳

۳۔ مراتب الاشباہ ص ۶۷

۴۔ فمخانیہ جاوید جلد ۳ ص ۳۰۸

۵۔ گلستان سخن ص ۳۸۶ سخن شعرا ص ۳۴۳

حکیم اسلام بیگ نشیدا

جالیئوس زماں بقراط دوراں حکیم نصر اللہ خاں کے نواسہ تھے۔ طب سے خاندانی تعلق کی بنا پر بڑے اہماک اور دلچسپی سے اس کی تحصیل کی۔ اور ممتاز طبیبوں میں شمار ہوئے۔ خوش صورت، نیک سیرت، تیز طبع اور صاحب فکر سلیم تھے بسبب موزونی طبع فکر شعر بھی کرتے تھے بلکہ کلام مزیدار ہوتا تھا۔ ریاست پٹیالہ میں بھی ملازم رہے۔

مولوی حکیم امان علی

حکیم امان علی علوی دہلوی اجماعی حاذقین میں تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالقادر سے حدیث اور دوسرے علوم کی کتابیں پڑھیں۔ درس و افادہ اور معالجہ میں عام شہرت تھی بلکہ

سر سید نے انہیں عالم اکمل، فاضل اجل، صاحب الطوار صدق و صفا، زبدہ کلام و اسوہ القیام لکھا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ قناعت و استغنا کے سبب انہوں نے کبھی اہل روزگار کی طرف رجوع نہیں کیا۔ اور ہمیشہ بے پروا پانہ زندگی بسر کی، علم و عمل میں طب میں مہارت رکھتے تھے اور دست شفا حاصل تھا۔ سر سید کو ان کی

۱۔ سخن شعرا ص ۲۶۲ صاحب نمخانہ جاوید نے نیرہ لکھا ہے۔ جلد ۱ ص ۱۲۹

۲۔ گلستان سخن ص ۲۹۹

۳۔ نمخانہ جاوید جلد ۵ ص ۱۲۹

۴۔ نزہتہ الخواطر جلد ۷ ص ۷۷

خدمت میں نیاز و اعتقاد بدرجہ کمال حاصل تھا، اور وہ بھی سرسید سے لطف و مرحمت سے پیش آتے تھے بلکہ

حکیم امان علی نے حکیم محمد صادق خاں کی فرمائش پر خزینۃ الجربات کے نام سے حکما متقدیم و متاخرین کے نسخے مرتب کئے ہیں، حکیم صادق خاں کا نام کافی احترام سے لیتے ہوئے انہیں حکمت پناہ لکھا ہے، کتاب کی ترتیب امراض کے لحاظ سے قائم کی گئی ہے اس کا مخطوطہ اجمل خاں طبیبہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں محفوظ ہے، یہ مخطوطہ بھوپال کے افسر الاطبا حکیم سید نور الحسن کا نقل کردہ ہے۔

مولانا حکیم رستم علی

ہیئت ہندسہ اور طب کے مشہور عالم تھے فنون ریاضی سرسید کے نانا دیرالدولہ خواجہ فرید الدین سے پڑھے، حدیث اور فقہ کی تکمیل شاہ محمد اسحق سے کی، طب میں معقول مہارت رکھتے تھے، اور مریض ان کے علاج سے شفا پاتے تھے، فارسی کتابوں کے درس میں امتیاز تھا، عالم مستعد اور فاضل اجل تھے، وقایح نگاری پر بہادر شاہ ظفر کے دربار میں مامور رہے، اور مصلح الدولہ حکیم محمد رستم علی خاں بہادر کے خطاب سے ممتاز ہوئے، سراج الاخبار جو بہادر شاہ ظفر کا روزنامہ تھا اور ہر ہفتہ مطبع سلطانی سے چھپتا تھا، ۱۸۴۱ء میں جاری ہوا تھا، اس میں ان کی چیزیں شایع ہوتی تھیں۔

۱۔ آثار الصنادید ص ۵۸۰ دہلی کے قدیم مدارس و مدرس ص ۱۳۶

۲۔ علی گڑھ کے طبی مخطوطات ص ۱۲/۱۲۸

۳۔ آثار الصنادید ص ۵۸۲ نزہتہ الخواطر جلد ۷ ص ۱۷۵

حکیم سید اکبر علی شیون

ہمیشہ زادہ مفتی محمد اکرام الدین، اوایل عمر میں حافظ نخلص تھا۔ علوم منذ اولہ میں تحقیق و تدقیق کا رتبہ بلند اور سخن سنجی شعر گوئی اور تہذیب اخلاق میں یکتائے روزگار تھے۔ طب اور شاعری پر قدرت کا یہ حال تھا کہ علامہ الدین قرشی کی مشہور کتاب موجز القانون کا فارسی نظم میں طرز و پسند کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ ۱۲۶۸ھ/۶۱۸۵۱ء میں سفر آخرت اختیار کیا۔

حکیم آغا خاں عیش

حکیم آغا علی خاں عرف آغا جان النخلص یہ عیش خلف الصدق حکیم محمد عبسی خاں فن طب میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ دست شفا حاصل تھا۔ لا علاج مریض ان سے رجوع کرتے تھے۔ بادشاہی اور خاندانی طبیب تھے۔ زیور علم سے آراستہ اور بیا کس کمال سے پیراستہ صاحب اخلاق، خوش مزاج، شیریں کلام، شگفتہ صورت اور لطیف سخن تھے۔ باطن نے لب اور شاعری دونوں میں ان کی تعریف کی ہے۔ صاحب گلستان سخن نے حکیم حاذق ارسطوئے وقت، نقمان دوراں، شاعر خوش کلام، سخنور بلند مقام، صاحب ذہن سلیم و خداوند طبع قدیم یگانہ جہان حکیم آغا جان لکھ کر ان کی صنایع لفظی، محاورہ، مندی، اور شستگی زبان کا اعتراف کیا ہے۔ عیش کو شعر سے عشق تھا۔ طبیعت بہت ظریف

۱۔ گلستان سخن ص ۳۰۷

۲۔ مرآت الاشباہ ص ۶۹

۳۔ دہلی کی آخری شمع ص ۱۱۰

۴۔ گلستان بے خزاں ص ۱۶۵ ۵۔ گلستان سخن ص ۳۷۲

پائی تھی۔ ان کی غزل کی خاص خوبی صفائی کلام، شوخی مضامین اور حسن محاورہ ہے، حکیم آغا جان نے ایک طرحی مشاعرہ میں جس میں غالب بھی تھے۔ ان کے کلام کی ذقت کی شکایت کرتے ہوئے کہا تھا کہ

اگر اپنا کہا تم آپ ہی سمجھے تو کیا سمجھے مرزا کہنے کا جب ہے اک کہے اور دوسرا سمجھے
کلام میر سمجھے اور کلام مرزا سمجھے مگر ان کا کہا بہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے
نسخ اکرام نے لکھا ہے کہ اردو ادب کو ایسے لوگوں کا ممنون ہونا چاہیے کہ انہوں نے تنقید و تمسخر سے مرزا کو ان سرخ و سپید خرف ریزوں کے جمع کرنے سے روکا ہے
محمد حسین آزاد کا بیان ہے کہ ایک دفعہ قلعہ میں مشاعرہ تھا، حکیم آغا جان عیش کہ
کہن سال مشاق اور نہایت زندہ دل شاعر تھے استاد ذوق کے قریب ہی بیٹھے تھے
زمین غزل تھی بار دے بہار دے۔ روز گار دے، حکیم آغا جان نے ایک شعر اپنی غزل
میں پڑھا ہے

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لیے تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے
ان کے ہاں بھی اسی مضمون کا ایک شعر تھا۔ باوجود اس رتبہ کے لحاظ اور پاس مردت
حد سے زیادہ تھا۔ آزاد کے والد پہلو میں بیٹھے تھے۔ ذوق ان سے کہنے لگے کہ مضمون لڑ گیا۔
اب میں وہ شعر نہ پڑھوں۔ انہوں نے کہا کیوں نہ پڑھوں۔ پہلے سے انہوں نے آپ کا مضمون
سنا تھا۔ آپ نے، چنانچہ حکیم صاحب کے بعد ہی ذوق کے آگے شمع آئی۔ انہوں
نے پڑھا ہے

اے شمع تیری عمر طبعی ہے ایک رات رو کر گزار یا اسے ہنس کر گزار دے
آزاد نے ان کی شوخی اور ظرافت طبع کا ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔ ایک شخص
عبدالرحمن نام پورب۔ سے دلی آئے اور حکیم صاحب کے مکان کے قریب ایک مکتب

میں بچوں کو پڑھانے لگے۔ حکیم صاحب کے خاندان کے بعض لوگوں کے بھی وہاں پڑھنے نئے ان میں ایک لڑکا سکندر نامہ پڑھ رہا تھا۔ حکیم صاحب کا معمول تھا کہ آٹھویں ساتویں دن ہر لڑکے کے کلمات کو سبق بنا کر تے تھے۔ سکندر نامہ کا سبق جو سناؤ عجیب و غریب مضامین سننے میں آتے۔ مولوی صاحب سے ملنے کی خواہش کی۔ حکیم صاحب نے پہلی ہی ملاقات میں اندازہ کر لیا کہ شہد سے زیادہ مادہ نہیں۔ اور یہ طرفہ انسان مخوری سی ترکیب میں رونق محفل ہو سکتا ہے۔ پوچھا آپ کچھ شعر کا بھی شوق رکھتے ہیں، انہوں نے کہا کیا مشکل بات ہے ہو سکتا ہے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ ایک جگہ مشاعرہ ہوتا ہے۔ یہ طرح کا مصرعہ ہے آپ بھی غزل کیسے غزل کہہ کر لاتے تو سبحان اللہ اور مولوی صاحب ہی تخلص رکھا۔ حکیم صاحب کی طبع ظریف کے مشغلہ کو خدا نے خوب دیا۔ غزل کی بہت تعریف کی اور جا بجا اصلاح دے کر خوب لون مرچ چھڑکا۔ مولوی صاحب کی چکی داڑھی لمبی اور نیکی، سرمندہ ہوا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ شعر کو تخلص بھی ایسا ہونا چاہیے کہ ظریفانہ و لطیفانہ ہو اور خوش نامہ اور شان و شوکت کی عظمت سے تاجدار ہو۔ بہتر ہے کہ آپ ہدایت تخلص کریں۔ حضرت سلیمان کارا زدار تھا اور قاصد نختہ کام تھا۔ مولوی صاحب نے بہت خوشی سے منظور فرمایا۔ مشاعرہ کے دن جلسہ میں گئے۔ جب شمع ان کے سامنے آئی تو حکیم صاحب نے ان کی تعریف میں چند فقرے مناسب وقت فرمائے۔ سب متوجہ ہوئے۔ جب انہوں نے غزل پڑھی تو تمسخر نے تالیاں بجائیں، ظرافت نے ٹوپیاں اچھالیں اور ہنسیوں نے اتنا شور مچایا کہ کسی کی غزل پر اتنی تعریف کا جو شش نہ ہوا تھا۔ مولوی صاحب بہت خوش ہوئے۔ اور اسی طرح مشاعرہ اور بعض امرا کے جلسوں کو رونق دیتے رہے مگر مکتب کے کام سے جاتے رہے۔ حکیم صاحب نے ان کے گزارہ کے لیے سوچا اور ان سے کہا کہ بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہو تو ہمیں ایک دن دربار میں لے چلیں۔ قصیدہ تیار ہوا اور حکیم صاحب نے ہد کو اڑا کر دربار میں پہنچا دیا۔ دو تین شعر ملاحظہ ہوں سے

جو تیری مدح میں چوچ اپنی وا کر دوں
 جو سر کشی کرے آگے سرے ہما آ کر
 تو رشک باغ ارم اپنا گھونسلہ کر دوں
 تو اس کے نوچ کے پر شکل نیولا کر دوں
 تو ایسے کان مڑوڑوں کہ بے سرا کر دوں
 بادشاہوں اور امیروں بلکہ زمانہ کی طبیعت کو یہ غذا موافق ہے۔ بادشاہ نے
 طاہر الارا کین، شہسپر الملک، ہد ہد الشعرا، منتقار جنگ بہادر خطاب اور سات روہیہ
 مہینہ بھی مقرر کر دیا۔

حکیم صاحب ہمیشہ فکر سخن میں رہتے تھے۔ اس میں جو ظرافت کے مضامین خیال
 میں آتے انہیں موزوں کر کے ہد ہد کی چوچ میں دے دیتے تھے حکیم صاحب کے
 اشارے پر ہد ہد بلبلاں سخن کو ٹھونگیں بھی مارتا تھا چنانچہ بعض غزلیں سر مشاعرہ
 پڑھنا اور کہتا کہ یہ غزل غالب کے انداز میں لکھی ہے۔ غالب تو بہتے دریا تھے
 سنتے اور ہنستے تھے۔ مومن خاں وغیرہ نے ہد ہد کے شکار کو ایک باز تیار کیا۔ انہوں نے
 اس کے بھی پر نوچے مشاعرہ میں خوب خوب بھینٹے ہوئے، چند روز بعد باز اڑ گیا۔
 یاروں نے ایک کو اتیار کیا۔ زاغ تخلص رکھا۔ انہوں نے اس کی بھی خوب خبر لی۔
 جو جانور ہد ہد کے مقابل ہوتے تھے چند روز میں ہوا ہوجانے تھے بلکہ غرض حکیم صاحب
 کے مذاق طبیعت نے دہلی کی شعری دنیا میں ہد ہد کے ذریعہ اچھا خاصہ ہنگامہ
 گرم رکھا۔

حکیم صاحب کا شاگردی کا سلسلہ تھا، ان کے شاگردوں میں محمد علی نشہ انگلستان
 سخن ص ۱۷۲ سخن شعرا ص ۸۷ عبد الواحد واحد دہلوی (گلستان سخن ص ۱۷۰ سخن شعرا
 ص ۵۳۸) مرزا غلام فخر الدین ہادی، نبیرہ شاہ عالم (سخن شعرا ص ۵۵۹) وغیرہ کے نام
 ملتے ہیں۔ عیش کے اردو دیوان کے دو مخطوطے ایک لندن اور ایک بنارس ہندو
 یونیورسٹی میں محفوظ ہیں۔

”عیش کے قصائد سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بادشاہی حکیم تھے اور ان کو لال قلعہ سے درماہر ملتا تھا لیکن باقاعدہ طور پر نواب عبدالرحمن خاں والی جمحہ سے وابستہ اور ان کے ذاتی معالج تھے۔ اس کے علاوہ ان کے دو مطلب بھی تھے۔ ایک دہلی میں اور دوسرا جمحہ میں جہاں عوام الناس کو دیکھتے تھے۔ جمحہ میں ان کا مطلب قبضہ سے باہر ایک چھوٹے سے باغ میں تھا جو باغی حکیم کے نام سے مشہور تھا، چونکہ نواب لگ بھگ چھ مہینہ دہلی میں اور چھ مہینہ جمحہ میں رہتے تھے، لہذا عیش بھی ان کے ساتھ دہلی اور جمحہ میں رہنے پر مجبور تھے۔ طب کے پیشہ میں عیش کو کافی شہرت حاصل تھی اور قدرت نے ان کے ہاتھ میں شفا بخش رکھی تھی ان کے متعلق ہریانہ میں ایک روایت ہے کہ ایک بار مہاراجہ پٹیالہ سردار زیندر سنگھ کے کندھے پر ورم آگیا۔ جب ان کے ذاتی حکیم کالے خاں اس زخم کو ٹھیک نہ کر سکے تو مہاراجہ کو ساتھ لے کر حکیم آغا جان عیش کے پاس جمحہ آئے اور اپنے مرئی و آقا زیندر سنگھ کی طویل بیماری کے متعلق ان کو آگاہ کیا۔ عیش نے مہاراجہ کے زخم کا بغور معائنہ کیا اور بھیڑ کے گوشت کا ایک چھٹانک قیمتہ تیار کر کے ان کے کندھے پر باندھ دیا۔ اگلی صبح جب مہاراجہ بیدار ہوئے تو قیمتہ کا نام و نشان بھی نہ دیکھا۔ اسی رات حکیم صاحب نے ایک چھٹانک قیمتہ زہر ملا کر مہاراجہ کے کندھے پر پھر باندھ دیا۔ صبح یوں چھٹانک سے زیادہ قیمتہ کندھے پر بندھا ہوا تھا۔ مہاراجہ، نواب جمحہ اور حکیم کالے خاں نے جب عیش سے استفسار کیا تو مسکراتے ہوئے کہا، ”زخم کے اندر کیرے تھے، وہ کندھے کا گوشت کھاتے رہتے تھے اور گھاؤ بھرنے نہیں دیتے تھے پہلی شب قیمتہ اس لیے باندھا گیا تھا تاکہ کیروں کی موجودگی کا یقین حاصل ہو جائے۔ کل رات قیمتہ میں زہر ملا کر باندھا جس کو کھا کر کیرے ہلاک ہو گئے۔ اب یہ زخم ایک معمولی زخم کے طور پر باقی رہ گیا ہے جو مرہم سے ٹھیک ہو جائے گا۔“

حکیم صاحب نے ۱۸۵۷ء میں غدر کے چند روز بعد انتقال کیا۔ ان کے بیٹے حکیم مرزا جان بلب گڑھ میں بیغ طبابت ملازم سرکار انگریزی ہو گئے تھے، غالب نے اپنے شاگرد منشی خواہر سنگھ جوہر کو وہاں تحصیل دار مقرر ہونے پر ان کا خیال رکھنے کے لیے خط میں لکھا ہے، "ان کے والد ماجد میرے پچاس پچپن برس کے دوست ہیں۔ ان کو بھائی کے برابر جانتا ہوں اس صورت میں حکیم مرزا جان میرے بھتیجے اور تمہارے بھائی ہوتے ہیں"

لالہ حکیم زائن کھتری

دہلی میں شاعری اور طب دونوں میں جن لوگوں نے امتیاز پیدا کیا، ان میں لالہ حکیم زائن کھتری دہلوی نمبرہ لالہ لچھی زائن ہیں۔ یہ طب میں اچھا دخل رکھتے تھے۔ لکھنؤ میں ایک رات کے ہاں کچھ عرصہ رہے، کلکتہ بھی گئے تھے۔ فارسی میں ہتے تھے۔

حکیم مرزا محمد عشق

دہلی کے کامیاب معالج اور صاحب فن طبیب تھے۔ شاعری سے ذوق تھا۔ عشق نخلص کرتے تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی مرزا ابو سعید دہلوی بھی اچھے شاعر تھے، جنہوں نے جبراً آبلہ جا کر انتقال کیا۔

۱۔ سہ ماہی اردو ص ۲۸۰

۲۔ سخن شعرا ص ۱۹۲

۳۔ ایضاً ص ۲۲۲

حکیم محب اللہ جواں

دہلی کے پرانے باشندے تھے، بنی اسرائیل خاندان سے تعلق تھا، طب کی تعلیم
حکیم عزت اللہ عشق سے حاصل کی تھی، کامیاب طبیب تھے عشق کے علاوہ شاعری
میں ذکا اور قایم سے بھی نلہذا تھا، تذکرہ سرور میں اسرائیل کے بجائے بزرگ زادہ
لکھا ہوا ہے، لہٰذا معامی کے فرایض انجام دیتے تھے،

حکیم غلام نقشبند

حکیم غلام نقشبند عالی نسب اور عالی خاندان تھے، ان کے بھائی حکیم قطب الدین
والد حکیم محمد صادق خاں اور خاندان کے دوسرے بزرگ دربار شاہی سے وابستہ رہے
حکیم غلام نقشبند کا دربار شاہی سے وابستگی کے علاوہ عوامی طب کا سلسلہ تھا،
دہلی کے شرفا اور اعلیٰ طبقہ میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔
۱۸ جون ۱۸۴۷ء کے روزنامہ کے مطابق مرزا خرم بہادر کی مختاری کا عہدہ انہیں
مرحمت کیا گیا تھا اور ان کو خلعت پنج پارچہ اور سہ رقم جو اہر بہادر شاہ کی طرف
سے عطا ہوا تھا،

حکیم محمد اسمعیل خاں

حکیم اسمعیل خاں بہادر شاہ ظفر کے عہد کے ممتاز طبیب اور اراکین خاندان

۱۔ یادگار شعرا ص ۵۴ ۲۔ مخزن جاوید جلد ۲ ص ۲۸۰

۳۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ ص ۲۵۰

شاہی کے معالج تھے۔ ان کا قیام معاالجہ کی وجہ سے قلعہ ہی میں رہتا تھا۔ ۲۳ اپریل ۱۸۴۷ء کے روز ناچمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا شاہ رخ کے علاج میں حکیم صاحب کی طرف سے کمی محسوس کر کے ان کے بیٹے مرزا عبد اللہ نے بہادر شاہ سے شکایت کی اور مرزا شاہ رخ خاں کی وفات کی کیفیت علاج کی تا موافقت اور حکیم محمد اسمعیل خاں کی بے جہی بیان کی۔ یہ سنتے ہی بادشاہ کا مزاج جادہ اغندال سے منحرف ہو گیا۔ اور حکیم اسمعیل خاں کو برطرف کرتے ہوئے انہیں قلعہ خالی کرنے کا حکم دیا گیا۔

روز ناچمہ کے مطابق نثر میں مشہور ہے کہ حکیم محمد اسمعیل نے علاج میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی تھی بلکہ ان کے علاج سے کسی قدر اضافہ ہی ہوا تھا۔ حکیم صاحب کی دواؤں کے اثر سے یہ حالت تھی کہ شہزادہ مرحوم دس سیر دودھ اور پانچ سیر گوشت کی بجلی روزانہ نوش کرتے تھے۔ حکیم محمد اسمعیل واقعی حکیم حاذق اور تجربہ کار ہیں۔ اور فن طب میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ ایسی حالت میں یہ خیال بھی نہیں کیا جاسکتا کہ حکیم صاحب نے علاج کرنے میں بے پروائی اور نا تجربہ کاری کی بنا پر ایسی دوائیں استعمال کرائی ہوں جن کی وجہ سے شہزادہ نے داعی اجل کو لبیک کہا ہو۔ افزا برداروں نے حکیم صاحب کے خلاف اس قسم کی باتیں کی تھیں۔ اور قلعہ میں اس قسم کی سازشیں عام تھیں۔

حکیم اسمعیل خاں غالباً دواخانہ شاہی کے داروغہ بھی تھے۔ ۸ مئی ۱۸۴۶ء کے روز ناچمہ کے مطابق "حکیم محمد اسمعیل خاں کی عرضی پہنچی کہ فردوسی نے تنخواہ کی تقسیم میں تین ہزار روپیہ کی بچت کی ہے۔ لیکن شہزادہ مرزا غلام فخر الدین بہادر اپنی تین سو روپیہ کی کمی سے ناراض ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اس مرتبہ ملازموں کی تنخواہ دواؤں کے اخراجات وضع کرنے کے بعد تقسیم کی جائے گی۔"

حکیم قاسم علی خاں

صاحب مرآة الاشباہ (تالیف ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) نے ان کا تعارف ان الفاظ میں پیش کیا ہے، حکمت سب کمالات انتساب عیسیٰ دم میحاقدم کلامی زمانہ زبدہ حکما می جہاں حکیم محمد قاسم علی خاں خلف الرشید حکیم غلام حسن خاں مرحوم ابن حکیم بو علی خاں مغفور اس صاحب کمال کی صفت نہ زبان قلم سے ادا ہو سکتی ہے اور نہ جسطہ خیال میں سما سکتی ہے۔ سلسلہ طب کا ان کے خاندان میں قدیم سے جاری ہے۔ یہ اور ان کے والد ریاست جمحہ میں بعہدہ طبابت بمشاہیر پیش قرار ممتاز تھے، فی زمانہ یہ کمیٹی الجبائے یونانی میں کہ جو خاص شہر دہلی میں بہ تجویز حکام عالی مقام قرار پائی ہے بعہد افسر کمیٹی سرفراز ہیں۔

ان کے جد امجد حکیم ابو علی خاں دہلی کے وہ مشہور طبیب ہیں جن کا اکثر تذکرہ ملتا ہے اور جن کی ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء کی یادگار مسجد اور مکان کا پیش نظر کتاب کے دوسرے صفحہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

مرآت الاشباہ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ دہلی میں انگریزوں نے اپنی شروع عملداری میں طب یونانی کے لیے ایک کمیٹی بنائی تھی جس کے ذمہ دار حکیم قاسم علی خاں مقرر کیے گئے تھے۔

حکیم مرزا آغا علی خاں

حکیم قاسم علی خاں کے بھائی اور حکیم بو علی خاں کے پوتے تھے، فاضل طبیبوں میں

شمار تھا۔ معالجہ میں بھی شہرت رکھتے تھے۔ دور دور سے طلبہ ان کی خدمت میں تحصیل فن کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ ان کے تلامذہ میں ان کے داماد حکیم سید قاسم علی بھی تھے انہیں جب طب کی تعلیم کا شوق پیدا ہوا تو ان سے طب کی درسی کتابیں پڑھیں اور کئی برس ان کے مطب میں شریک ہوئے۔

حکیم پیر بخش خاں

صاحب ذہن رسالہ حکیم پیر بخش خاں کا سلسلہ نسب حضرت فاروق اعظم تک پہنچتا ہے، مادری سلسلہ سے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی سے وابستگی تھی۔ آباد اجداد اگرچہ ننھا بے سر کے رہنے والے تھے لیکن خود ان کا مولد و مسکن شاہ جہاں آباد ننھا علم کی تعلیم حکیم نصر اللہ خاں سے اور مشق نسخہ نگاری اور معالجہ مرضا حکیم حسن اللہ خاں کی خدمت میں حاصل کی اور اس فن میں دستگاہ کامل بہم پہنچائی۔ اکبر شاہ ثانی کے دربار میں رسائی ہوئی اور حکیم دوران کا خطاب پایا۔ عرصہ دراز تک نواب بہادر جنگ رئیس بہادر گڑھ کی سرکار میں طبیب رہے۔ دہلی اور اس کے نواح میں ان کا وہ معتمد تھا۔ سرسید کے بقول لوگوں کو ان کی ذات سے وہ منافع حاصل ہوئے جو نفس عیسوی سے بھی منصور ہوں، سرسید سے ان کا اخلاص کا رابطہ تھا انہوں نے ان کے اخلاق اور کمال کی بہت تعریف کی ہے۔

حکیم حسن بخش خاں

ان کے بزرگوں کا وطن بھی ننھا بے سر تھا لیکن ان کی پیدائش اور اقامت دہلی پر

۱۔ رموز الالہا جلد ۱ ص ۲۷۹ سے واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۴۰۷
 ۲۔ آثار الصنادید ص ۵۱۴ نثر ہفتہ الخواطر جلد ۷ ص ۱۰۴ (بحوالہ آثار الصنادید)

رہی۔ تمام علوم و فنون مثل معقول و منقول، فلسفہ، ہیئت و ہندسہ میں مہارت تمام رکھتے تھے۔ حافظہ غضب کا تھا، طبی کتابیں قانو پنجہ سے قانون ابن سینا تک بلا تشبیہ قرآن مجید کی طرح از بر یاد نہیں، عقلی علوم میں کمال کی وجہ سے کسی معاصر کو ان سے مباحثہ کا یارا نہیں تھا۔ سرسید نے لکھا ہے کہ جس مجلس میں وہ بولتے تھے حاضرین تصویر کی طرح خاموش اور ساکت رہتے تھے۔

پہلے نواب فیض محمد خاں رئیس مجھ سے منسلک رہے۔ ان کی وفات کے بعد کچھ عرصہ خانہ نشینی اختیار کی۔ اس کے بعد حضور بہادر شاہ ظفر میں صاحب عالم مرزا فخر الدین کی سرکار میں عہدہ طبابت پر سرفراز ہوتے رہے۔

حکیم عبدالحق

حکیم محمد عبدالحق بن محمد حسن بخش دہلی کے رہنے والے تھے، راجہ ناہر سنگھ والی بلب گڑھ نے دیوانی پر مامور کیا تھا، میوٹھی ریکارڈس میں ہے کہ وہ بہادر شاہ ظفر کے ایڈیکانگ بن گئے تھے۔ اور کئی سو سواروں کا دستہ ان کی ماتحتی میں تھا۔ وہ دوبارہ آتے جاتے تھے، بہادر شاہ کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ بلب گڑھ نے ۲۲ اگست کو ایک عرضی میں مختلف لوگوں پر الزام لگایا تھا کہ وہ روپیہ لے کر دہلی چلے گئے۔ اس میں حکیم عبدالحق کے خلاف دس لاکھ روپیہ کا الزام لگایا گیا تھا۔ انگریزوں نے ان کو پھانسی کی سزا دی تھی۔ بے منشی جیون لال کے روزنامہ میں حکیم عبدالحق کا ذکر کئی جگہ ملتا ہے۔ ۲ ستمبر ۱۸۵۷ء کے روزنامہ میں

۱۵ آثار العنادید ص ۵۱۵

۱۶ ایضاً ص ۵۱۵۔ واقعات دارالحکومت جلد ۲ ص ۴۰، ازہتہ انخواطر جلد ۷ ص ۶۳۳ بحوالہ آثار العنادید

۱۷ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ ص ۱۹۷ دہلی کی یادگار شخصیتیں ص ۱۱

جیون لال نے لکھا ہے ”بادشاہ دربار عام میں تشریف فرما ہوئے۔ مولانا فضل حق
(خیر آبادی) میر سید سعید علی خاں اور حکیم عبدالحق آداب بحالائے ۱۸۵۷ ستمبر ۲۱
بادشاہ دربار خاص میں رہے۔ حکیم عبدالحق، میر سعید علی خاں، مولوی فضل حق، بدرالدین
خاں اور دیگر تمام امر اور ڈسٹریکٹ ساثریک دربار رہے۔ چنی لال (جیون لال) کے
روز نامچہ کے مطابق ”۱۷ مئی ۱۸۵۷ حکیم عبدالحق نے حاضر ہو کر پانچ روپیہ نذر کے
گزارنے کے ۱۹ مئی حکیم عبدالحق اور ان کے بیٹے نے بھی دربار میں حاضر ہو کر پانچ
روپیہ نذر کے گزارنے کے ۱۷ مئی

عبد اللطیف کے روز نامچہ میں ایک اور طبیب حکیم سعد الدین احمد خاں کا
بھی تذکرہ ہے۔ (ص ۹۵)

حکیم رضی الدین خاں

غیاث الدین ارکانیس زمان حکیم رضی الدین خاں ارسلان جنگ مغلیہ نسل سے تھے
اسرار حکمت اور رموز طب کے واقف کار اور نہایت درجہ کے خلیق تھے یہ
عمدۃ الملک بھی ان کا خطاب تھا۔ دہلی کے مشہور طبیبوں میں شمار ہوتے تھے
۸ مئی ۱۸۲۶ء کے احسن الاخبار میں لکھا ہے ”صاحب کلاں بہادر کے نام شفق روانہ
کیا گیا کہ حکیم امام الدین خاں بہادر نواب ترینت محل بیگم کے علاج معالجہ میں مصروف
ہیں ان کو نواب صاحب فرخ آباد کے معالجہ کے واسطے روانہ نہیں کیا جا سکتا۔

راہ باغی ہندوستان ص ۱۵۵ بحوالہ غدر کی صبح و شام روز نامچہ منشی جیون لال ص ۲۲۰، ۲۲۱

۱۷ چراغ دہلی ص ۷۷

۱۷ ایضاً ص ۷۹

۱۷ ۱۸۵۷ کا تاریخی روز نامچہ ص ۹۰

اگر ان کو رخصت کر دیا جائے گا تو بیگم صاحبہ کے علاج میں مشکل واقع ہو جائے گی۔ خاکسار اڈیٹرانجبار کی یہ رائے ہے کہ حکیم امام الدین صاحب کی بجائے حکیم رضی الدین خان بہادر کو بھیج دیا جائے کہ یہ بڑے معرکہ کا علاج کرتے ہیں۔ یا یوسس مرہنتوں کو بھی ان کے علاج سے شفا تے کلی حاصل ہو جاتی ہے۔ دہلی میں تو ان کی نشیمن اور علاج لوگوں کو بہت راس آ گیا ہے۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ہٹھید ہوتے، انتقال کے وقت عمر ۷۰ برس سے زیادہ تھی۔ غالب لکھتے ہیں: "کیوں کر لکھوں حکیم رضی الدین خاں کو ایک خاکی نے گولی مار دی اور احمد حسین خاں ان کے چھوٹے بھائی اسی دن مارے گئے۔"

غالب کو ان کے مرنے کا بہت غم ہوا، یوسف مرزا کے نام ایک خط میں بہت سے قریبی لوگوں کی موت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "اے لو بھول گیا حکیم رضی الدین خاں، امیر احمد حسن میکش اللہ اللہ ان کو کہاں سے لاؤں؟"

حکیم رضی الدین کے چھوٹے بھائی حکیم مرزا بہادر بیگ بھی طبیب اور فخر خاندان تھے۔ اعتماد الدولہ مہابت خاں بہادر سے بالواسطہ قرابت تھی۔

حکیم مومن خاں مومن

حکیم مومن خاں کے آباؤ اجداد کشمیر کے رہنے والے تھے۔ اور طب سے ان کا خاندانی تعلق تھا، ان کے دادا حکیم نامدار خاں اپنے بھائی حکیم کا مدار خاں کے ہمراہ

۱۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ ص ۶۵ و ۶۶

۲۔ ایضاً ص ۱۹۳

۳۔ غالب۔ غلام رسول مہر ص ۳۰۹

۴۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ ص ۹۰

سلطنت مغلیہ کے دور آخر میں کشمیر سے دہلی آئے اور اپنی حذافت اور مہارت فن کی وجہ سے دہلی میں مقبولیت حاصل کی۔ شاہ عالم کے خاص طبیبوں میں شمار ہوا، اور شاہی طبیب کا مرتبہ ملا۔ خان صاحب کے خطاب سے سرفراز کیے گئے۔ کوچہ چیلان، (چہل بیران) میں جہاں ان دنوں اکابر روزگار کا مسکن تھا قیام کیا۔ مرزا سنگین بیگ نے کوچہ چیلان میں ان کی مسجد اور حویلی کا تذکرہ کیا ہے۔ شاہ عالم کے زمانہ میں موضع بلا پراگنہ نارنول میں جاگیر پائی۔ جب سرکار انگریزی نے جھمھر کی ریاست نوآباد فیض طلب خاں کو عطا کی تو پراگنہ نارنول بھی اس میں شامل تھا۔ نوآباد نے ان کی جاگیر ضبط کر کے ہزار روپیہ سالانہ پنشن وراثتاً حکیم نامدار خاں کے نام مقرر کر دی۔ پنشن مذکور میں حکیم غلام نبی خاں نے اپنا حصہ لیا اور اس میں سے حکیم مومن خاں نے بھی اپنا حق پایا۔ اس کے علاوہ ان کے خاندان کے چار طبیبوں کے نام پر سو روپیہ ماہوار پنشن سرکار انگریزی سے بھی ملتی تھی اس میں سے ایک جو تھائی ان کے والد کو اور ان کے بعد مومن خاں کو ان کا حصہ ملتا رہا۔

مومن کے والد حکیم غلام نبی اور ان کے چچا حکیم غلام حیدر خاں حکیم غلام حسن خاں اور چچا زاد بھائی سب اپنے زمانہ کے مشہور طبیب تھے اور ہر شخص انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اس خاندان کا وہ طبیب ۱۲۱۵ھ / ۱۸۰۰ء میں مومن خاں پیدا ہوئے۔ حکیم غلام نبی کو شاہ عبدالعزیز سے بہت عقیدت تھی۔ شاہ صاحب نے ان کی پیدائش پر کان میں اذان دی اور انہی کے پسند سے محمد مومن نلم تجویز کیا گیا۔ مومن نے شاہ عبدالقادر کے حلقہ درس میں شریک ہو کر درسیات کی تکمیل کی۔ اور شاہ عبدالعزیز سے فیض اٹھایا۔ طب کی تحصیل اپنے والد اور دونوں چچا سے کی۔ اور انہی کے مطب

۱۔ مومن اور مطالعہ مومن ص ۱۶

۲۔ سیر المنازل ص ۲۷

۳۔ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۲۲۲

میں نسخہ نویسی کرتے رہے، مومن نے بہت جلد طب میں کمال پیدا کیا، اور تھوڑے ہی عرصہ میں دہلی کے اظہار حاذقین میں شمار ہونے لگے۔ تقریباً سبھی تذکرہ نگاروں نے فن طب میں ان کے درجہ کمال کی تعریف کی ہے۔

صاحب گلستان بے خزاں نے لکھا ہے، "ان کے انابل نباضنی کے قابل مدرکہ میں تشخیص ہے، شیخ الریس کو ان سے کیا تشخیص ہے۔ فارورہ شناسی کی تمیز ہے سدیدی، موجز و شرح اسباب ان کے ذہن رسا کی طفل مکتب کی کتاب ہے۔"

مطب کے علاوہ طب سے انہیں عالمانہ دلچسپی تھی۔ طب کے بارے میں انہوں نے جہاں کہیں بھی اظہار خیال کیا ہے اس میں ایک عالمانہ نشان ضرور پائی جاتی ہے۔ ان کے دلوں میں بھی ایسے قطعات ہیں جن میں انہوں نے طب کی اصطلاحوں کو واضح کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے طب کے مختلف پہلوؤں کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اور یہ "نکتہ ہائی لقمائی" ان تک اگرچہ وراثتہ پہنچے تھے لیکن انہوں نے خود بھی ان پر خاصی محنت کی تھی۔ انشائے مومن میں حکیم حسن اللہ خاں کے نام بعض ایسے خطیوں میں جن میں انہوں نے طبی معاملات و مسائل پر بہت تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے، ان میں ان کا انداز تمام تر عالمانہ ہے، اور اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ان کو علم طب میں مہارت حاصل تھی اور وہ اس کے ہر پہلو پر قدرت رکھتے تھے۔ اور یہ علم ان کی شخصیت کا جزو بن گیا تھا، اور وہ زندگی کے کسی پہلو پر اظہار خیال کرتے ہوئے بھی اس کا ذکر بھیڑ دیتے تھے۔

ایک قصیدہ کے اشعار میں اپنی شخصیت اور طب سے خاندانی تعلق کو ظاہر

کرتے ہوئے کہا ہے

مجھ تلک پہنچے ہیں اب وجد سے وراثتہ نکتہ ہائے لقمائی

وہ خرد مند ہوں کہے ہے مجھے عقل اول حکیم لائتانی
 ہوں وہ بناض جس کے تانخ میں حرکات عسوق شریانی
 مومن نے تیر طبیعت پائی تھی، ایک فن پر قانع نہیں رہے۔ علم نجوم کو اہل کمال سے
 حاصل کیا طب کی طرح نجوم سے قدرتی مناسبت تھی۔ اس فن کے ماہرین میں
 شمار کئے جاتے تھے۔ ایسی مہارت بہم پہنچائی تھی کہ ان کے احکام اور انکشافات
 سن کر بڑے بڑے معجم جبران رہ جاتے تھے، سال بھر میں ایک بار تقویم دیکھتے پھر
 برس دن تک ستاروں کے مقام اور ان کی حرکات کی کیفیت ذہن میں رہتی
 تھی۔ جب کوئی سوال پیش کرتا تو نہ زابچہ کھینچتے اور نہ تقویم دیکھتے، سایل سے
 مختلف بائیں پوچھتے اور وہ اکثر باتیں تسلیم کرتا۔ اپنی نجوم دانی کو اس شعر میں
 ظاہر کیا ہے۔

ان نیصیوں پر کیا اختر شناس آسمان بھی ہے ستم ایجاد کیا
 مومن کو رمل، جفر، ریاضی اور موسیقی میں بھی بڑی مہارت تھی، شطرنج بہت عمدہ کھلتے
 تھے۔ انگلستان سے شطرنج کے نقشے حل کے لیے آتے تھے اور وہ انہیں بڑی
 خوبی سے حل کرتے تھے۔ حکیم سکھانند رتم شطرنج میں ان کے شاگرد تھے، دہلی میں
 شطرنج کے ایک بے مثل کھلاڑی حکیم اشرف علی خاں بھی تھے۔ یہ مرزا رحیم الدین جتا
 شطرنج میں ان دونوں کے شاگرد تھے۔ مومن کو شطرنج کا اس قدر شوق تھا کہ جب
 کھیلنے بیٹھتے تھے تو نہایت ضروری کام بھی بھول جاتے تھے۔ دہلی کے مشہور شاطر
 کرامت علی خاں سے قرابت تھی اور شہر کے دو ایک مشہور شطرنج بازوں کے
 سوا کسی سے کم نہ تھے۔

مومن کی اردو شاعری پر یہاں اظہار خیال مقصود نہیں ہے۔ وہ اردو کی
 صف اول کے ان شعرا میں ہیں جن کی شاعری پر بہت لکھا گیا ہے، اور آئندہ

بھی بہت لکھا جاتے گا، ان کے کلام میں اگرچہ مثنویاں، قصیدے، قلعے، رباعیاں سب کچھ ہیں، لیکن بنیادی طور پر وہ غزل کے شاعر ہیں انہوں نے تصوف، فلسفہ اور دوسری چیزوں کا سہارا نہیں لیا ہے۔ انہوں نے کوچہ عشق میں قدم رکھا تھا، وہ اس کے انگنت پہلوؤں کا شعور رکھتے تھے، انہوں نے جذبات و واردات کو جس سلیقہ سے پیش کیا ہے اور عشق و محبت کے مضامین کی جس خوبصورتی سے عکاسی کی ہے، اس نے ان کی شاعری میں بڑی جدت اور رنگینی پیدا کی ہے اور اس میں دلآویزی اور کشش کے بہت سے ثامان ہیں، کیسوتے غزل سنوارنے میں ان کی کاوشیں اردو ادب کی تاریخ کا ہمیشہ اہم حصہ بنی رہیں گی۔

مغلوں کے دور آخر کی تہذیبی اور معاشرتی زندگی میں رندی اور مذہبیت کا ایک عجیب و غریب امتزاج تھا۔ اور یہ دونوں ساتھ ساتھ چلتی تھیں۔ ایک طرف اس زمانہ کی تہذیب و معاشرت کے علمبردار رات دن بادہ و صنم میں مصروف رہتے تھے۔ دوسری طرف پرہیزگاری کا خیال بھی ان کا دامن نہیں چھوڑتا تھا۔ دنیا کی ہوس اور زندگی سے رنج و بے چینی کی خواہش اور حاینت اور معرفت کے خیالات کے ساتھ ساتھ چلتی تھی، غرض یہ تضاد اس زمانہ کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی میں موجود تھا اور مومن اس کی صحیح نمائندگی کرنے تھے، ان کے ہاں صورت پرستی، شاہد باڑی اور عاشقی کے دوش بدوش ان دینی اور مذہبی تحریکوں سے بھی دلچسپی ملتی ہے جن کی بدولت اس زمانہ کی معاشرتی زندگی میں جولانی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ اور جن کے پیش نظر مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کو بحال کرنا، ان کی معاشی حالت سدھارنا اور ان کی تہذیبی زندگی کو نکھارنا تھا، مومن پر اپنے مذہبی ماحول کے اثرات بہت گہرے تھے وہ بہت جلد ان تحریکوں کے قریب آگئے۔ ان کے سب سے بڑے علمبردار سید احمد شہید تھے، مومن نے انہیں اپنا پیرو مرشد تسلیم کیا۔ لہ

مومن ولی الہی تحریک حریت کے ممتاز مجاہد اور رہنما تھے، وہ سید احمد شہید کے مرید اور شاہ اسماعیل کے ہم سبق تھے۔ شاہ ولی اللہ کی تحریک کا ان پر بہت اثر تھا، اس کی حمایت میں وہ کوشاں رہتے تھے۔ ہندوستان پر انگریزی قبضہ کے سخت خلاف تھے، ان کے کلام میں متعدد اشعار ان کے جذبہ جہاد اور آزادی کے ترجمان ہیں۔

مومن حسد سے کرتے ہیں ساماں جہاد کا
نرنا صنم کو دیکھ کر نصرا بنوں میں ہم

شوق بزم احمد ذوق شہادت ہے مجھے جلد مومن لے پہنچ اس ہمدی دوران تلک
سید احمد شہید کی شان میں جو قطعے کہے ہیں ان میں سے ایک قطعہ کے کچھ اشعار
ہیں۔

وہ کون امام جہان و جہانیاں احمد
زمیں کو مہر فلک سے نہ کیوں ہو دعویٰ نور
وہ بادشاہ ملا یک سپاہ کو کب دیں
وہ برق خرمن ارباب شرک اہل ضلال
مومن کو چہ جیلان میں رہتے تھے، حکیم آغا جان عیش کے چھتے کے سامنے مکان
تھا، اس کا نقشہ کریم الدین نے اس طرح کھینچا ہے "بڑا دروازہ ہے، اندر بہت
وسیع صحن اور اس کے چاروں طرف عمارت ہے۔ دو طرف دو مینجیاں ہیں اور
سامنے بڑے بڑے دالان در دالان۔ پہلے دالان کے اوپر کمرہ ہے۔ سامنے کے
دالان کی چھت کو کمرہ کا صحن کر دیا ہے۔ لیکن منڈیر بہت چھوٹی رکھی ہے، دالانوں
میں چاندنی کافر شس ہے۔ اندر کے دالان میں بیچوں بیچ قابلین بچھا ہوا، قابلین
پر گاؤنیکہ سے لگے حکیم صاحب بیٹھے ہیں۔ سامنے حکیم سکھانند رقم اور مرزا جسم الدین
جیاموڈب دوڑا نو بیٹھے ہیں، معلوم ہوتا تھا کہ کوئی دربار ہو رہا ہے کہ کسی کو آنکھ
اٹھا کر دیکھنے اور بلا ضرورت بلونے کا یارا نہیں "

مومن خاں کشیدہ قامت تھے۔ سرخ و سفید رنگ تھا، جس میں سبزی جھلکتی تھی۔ بڑی بڑی روشن آنکھیں، لمبی لمبی پلکیں، کھنچی ہوئی بھوپیں، لمبی ستواں ناک، پتلے پتلے ہونٹ، ان پر پان کالا کھا جا ہوا، مسی آلودہ دانت، ہلکی ہلکی مونچھیں، خشناشی داڑھی، بھرے بھرے ڈنڈ، پتلی کمر، چوڑا سینہ اور لمبی لمبی انگلیاں۔ سر پر گھونگھر والے لمبے لمبے بال، زلفیں بن کر پشت اور شانوں پر بکھرے رہتے تھے۔ کچھ لٹیں پیشانی کے دونوں طرف کا کلوں کی شکل رکھتی تھیں۔ کانوں کے قریب تھوڑے بالوں کو موڑ کر زلفیں بنایا تھا، اس سر پر پاپر جو لباس وہ زیب تن کرتے تھے اس سے اس زمانہ کی اعلیٰ سوسائٹی اور اشراف کی طرز معاشرت کا پتہ ملتا ہے۔ وہ شربتی مہل کا بچی چولی کا انگر کھا پہنتے تھے۔ لیکن نیچے کرتا نہیں ہوتا تھا۔ اور جسم کا کچھ حصہ انگر کھے کے پردے میں سے دکھائی دیتا تھا، گلے میں سیاہ رنگ کا پینا اس میں چھوٹا سا سنہری تعویذ، کاریزی رنگ کے دو پٹہ کو بل دے کر کمر میں پیٹ لینے تھے۔ اور اس کے دونوں کونے سامنے پڑے ہوئے ہوتے تھے۔ ہاتھ میں پتلا سا خار پشت، سرخ گلدنی کا پاجامہ، مہربوں پر سے ننگا اوپر جا کر کسی قدر ڈھیلا، کبھی کبھی ایک بر کا پاجامہ بھی پہنتے تھے، مگر کسی قسم کا بھی ہو، ہمیشہ ریشمی اور قیمتی ہوتا تھا، چوڑا سرخ برفہ، انگر کھے کی آستین آگے سے کٹی ہوئی۔ کبھی لٹکتی رہتی تھیں اور کبھی پلٹ کر چڑھا لینے تھے، سر پر گلشن کی دو پلٹری ٹوپی، اس کے کنارہ پر باریک لیس، ٹوپی اتنی بڑی ہوتی تھی کہ سر پر اچھی طرح منڈھ کر آجاتی تھی، اندر سے مانگ اور ماتھے کا کچھ حصہ اور بال صاف جھلکتے تھے، غرض یہ کہ نہایت خوش پوشاک اور جامہ زیب آدمی تھے یہ

شہر میں جب کوئی کپڑوں کا سوداگر آتا تو حکیم صاحب کے پاس اس کا آنا لازمی تھا۔ ریشمی کپڑوں سے ان کو عشق تھا۔ کوئی کپڑا پسند آتا تو پھر قیمت کی پروا نہیں

کرتے تھے جو مانگتا وہی دیتے جا مہ زبیری میں نواب مصطفیٰ خاں شیفٹہ کا درجہ حکیم

مومن خاں کے بعد ہی آتا تھا۔

بیشیر الدین احمد نے بھی انہیں رنگین طبع، رنگین مزاج، خوش وضع اور خوش

لباس لکھا ہے۔ لمبے لمبے بالوں میں ہر وقت انگلیوں سے کنگھی کرتے رہتے تھے

ایسی دردناک آواز اور دل پذیر ترنم کے ساتھ پڑھتے تھے کہ مشاعرہ و جملہ

کرتا تھا۔

مومن بڑے غیرت مند اور خود دار تھے، دربار سے خاندان کے بزرگوں کا

تعلق تھا اور حکیم حسن اللہ خاں سے قرابت قریبہ تھی، ان کے ذریعہ قلعہ تک

آسانی سے رسائی حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن اس زمانہ کے دوسرے شعرا کی طرح وہ

قلعہ سے وابستہ ہوئے اور نہ کسی رئیس کے سرکار سے تعلق قائم کیا۔ مختلف

دیسی ریاستوں ٹونک، بھوپال، راجپور، کپور تھلہ سے پیش کش ہوئی۔ مگر انہوں

نے وہاں جانا قبول نہیں کیا۔ مہاراجہ کپور تھلہ نے ساڑھے تین سو روپیہ ماہانہ

پر طلب کیا۔ انہوں نے زور ادا تک واپس کر کے لکھا، جس دربار کا ایک گویا ساڑھے

تین سو روپیہ ماہانہ تنخواہ پاتا ہو وہاں میں اسی تنخواہ پر نہیں جاسکتا، مگر یہ سب

یہاں تھے۔ ان کی طبیعت دراصل ملازمت کی پابندیاں برداشت نہیں

کر سکتی تھی۔

دلی کالج میں فارسی کی جگہ کے لیے مفتی صدر الدین نے لفٹنٹ گورنر ٹامسن

سے کہا کہ اس شہر میں فارسی دان تین منتخب روزگار ہیں۔ ایک مرزا غالب

دوسرے مومن خاں تیسرے صہبائی، مرزا غالب نے انکار کیا۔ مومن خاں نے کہا

۱۔ دہلی کی آخری شمع ص ۳۳ و ۳۶

۲۔ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۲۲۵

۳۔ مومن اور مطالعہ مومن ص ۸۶

کہ سو روپیہ ماہانہ سے کم قبول نہیں کروں گا۔ بالآخر صہبائی کا چالیس روپیہ ماہانہ پر
تقرر ہوا۔ یہ ۶۱۸۲۰ کی بات ہے۔

شیفٹ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ کبھی دلی سے باہر نہیں نکلے۔ دلی
اور دلی والوں کی محبت نے انہیں ایسا کرنے سے باز رکھا۔ دلی کو وہ اپنی دنیا
سمجھتے تھے اور اس کو چھوڑنا انہیں کسی حال میں گوارا نہ تھا، کیونکہ دلی ان کے
نزدیک زندگی، معاشرت اور تہذیب کی ایک علامت سمجھی جاتی تھی۔

مفتی انتظام اللہ شہبانی نے لطایف الشعرا میں دلی کی ادبی صحبت میں لکھا ہے۔
حکیم مومن خاں مومن کے یہاں اجاب کا مجمع تھا۔ مرزا غالب، نواب شیفٹ،
مفتی صدر الدین آزاد، حکیم آغا جان عیش سے حضرات شریک صحبت تھے۔
قاضی نجم الدین برق سکندر آبادی بھی حکیم صاحب سے ملاقات کے لیے
حاضر ہوئے۔ ناسخ لکھنوی کے کلام پر بحث کئی، میر تقی میر کا ذکر آیا، مرزا غالب
فی البدیہہ فرماتے ہیں۔

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں
عیش کہنے لگے، استاد ناسخ نے کیا خوب شعر کہا ہے۔
یوں نزاکت سے گراں سرمہ ہے چشم یار پر جس طرح ہور ات بھاری مردم بیمار پر
ہر ایک نے توجہ سے سنا اور داد دی تھی۔

غالب نے ایک غزل کے مقطع میں اپنے تئیں شیخ علی حزیں کا مثل قرار دیا
ہے۔ مومن خاں نے جس وقت یہ مقطع سنا تو کہا کہ اس میں بالکل مبالغہ نہیں ہے

۱۔ لطائف شعرائے ہند ص ۲۱۲

۲۔ گلشن بے خار ص ۱۹۶

۳۔ مومن اور مطالعہ مومن ص ۱۲۵

۴۔ لطایف الشعرا ص ۲۹ و ۳۰

مرزا کو ہم کسی طرح علی حزیں سے کم نہیں سمجھتے۔ ایک صاحب نے جو مومن کی تعلیموں سے خوب واقف تھے یہ سن کر کہا کہ مومن نے یہ اس لیے کہا کہ وہ اپنا رتبہ یقیناً شیخ علی حزیں سے برتر اور بلند تر سمجھتے تھے۔ ورنہ وہ ہرگز مرزا کو شیخ کے برابر تسلیم نہ کرتے۔ مومن کی شرافت طبع کا اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نواب زین العابدین خاں سے اگر چہ ان کی صفائی نہیں تھی، لیکن ان کی علالت کا سن کر ان پر بہت اثر ہوا اور ان کی فرمائش کی تعمیل ضروری سمجھی۔ زین العابدین کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو ان کے آنسو نکل آئے اور کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے دشمن کو بھی مصیبت میں نہیں دیکھ سکتے۔ بعد مومن ۱۲۶۸ھ ۱۸۵۱ء میں پیر پھلنے سے متذیر سے بچے گئے۔ دست و بازو میں شدید چوٹ آئی۔ بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آنے پر اپنے علم کی رو سے بتایا کہ پانچ دن یا پانچ ماہ میں مر جاؤں گا، چنانچہ پانچ ماہ بعد انتقال ہوا۔ دست و بازو شکست سے خود تاریخ نکالی تھی، قبرستان مہدیان میں دفن ہیں۔ غالب نے ان کی موت پر کہا تھا۔

شرط است کہ روئے دل خراشم ہمہ عمر
خون نابہ بر رخ ز دیدہ پاشم ہمہ عمر
کافر باشم اگر بہ مرگ مومن
چون کعبہ سبہ پوشش نہ باشم ہمہ عمر
غالب سے مومن کے تعلقات خوشگوار رہے۔ غالب کو ان کے انتقال کا صدمہ پہنچا، نبی بخش حقیر کے نام اپنے خط میں غالب نے اپنے دلی صدمہ کا اظہار کیا ہے۔ "مومن خاں میرا ہم عصر تھا اور بارہ بھی تھا۔ ۲۲۔ ۲۳ برس ہوئے۔ یعنی چودہ چودہ پندرہ پندرہ برس کی میری اور مرحوم کی عمر تھی کہ مجھ میں اور ان میں ربط پیدا ہوا۔ اس عرصہ میں کبھی بھی کسی طرح کار نیج و ملال در میان میں نہیں آیا، حضرت پالیس چالیس برس کا دشمن بھی نہیں پیدا ہوتا دوست تو کہاں سے ہا تھا آتا ہے۔" حکیم سید کرم حسین ناطق تجارتی کے استاد اثنارت علی خاں صدق میر تھی نے مومن آباد

سے یادگار غالب ص ۲۰۰

سے دہلی کی آخری شمع ص ۳۸

کہ دخلد بریں "مادہ تاریخ کہا تھا" وہ ماتم مومن خاں سے بھی تاریخ برآمد ہوتی ہے۔
 مومن کی پہلی شادی ۱۸۲۳ء میں ہوئی تھی۔ دوسری شادی دہلی کے نامور خاندان
 ارشاد و ہدایت یعنی خواجہ میر درد کے گھرانہ میں ہوئی۔ ان کے خسر خواجہ محمد نصیر
 خواجہ میر درد کے نواسہ اور ان کی خوشد امن میر درد کی پوتی تھیں۔ خواجہ محمد نصیر
 محمدی رنج سجادہ نشین و نواسہ میر درد د علم موسیقی اور علم حساب کے ماہر تھے، ایک
 رسالہ تال میں لکھا ہے۔ علم حساب اور جبر و مقابلہ میں بھی کئی رسالے مرتب کئے تھے
 ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں انتقال ہوا، ان کی دوسری اہلیہ سے ایک بیٹا احمد نصیر خاں اور
 ایک بیٹی محمدی بیگم یادگار رہیں۔

میر عبدالرحمن آہی خلف میر حسین نسکین شاگرد و برابر اور زادہ حکیم مومن خاں نے
 کتب درسیہ امام بخش صہبائی سے پڑھی تھیں سخن ہم اور طباع تھے مومن نے انہیں متنسی
 کر لیا تھا۔ ۱۸۷۵ء کے قریب انتقال کیا۔
 مومن کی تصانیف میں ایک اردو کلیات ہے، اسے ان کے شاگرد نواب مصطفی
 خاں شیف نے مرتب کیا تھا۔

۲۔ دیوان فارسی۔ اسے عبدالرحمن آہی نے مرتب کیا تھا اور حکیم حسن اللہ خاں
 نے اس کی اشاعت میں خصوصی دلچسپی لی تھی یہ ان کا فارسی کلام ان کی وفات
 کے تین برس بعد ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء میں حکیم حسن اللہ خاں نے مطبع سلطانی

۱۔ گلستان سخن ص ۲۳۹

۲۔ عمدہ منتخبہ ص ۲۸۵

۳۔ مقدمہ دیوان مومن۔ ضیاء احمد۔ دہلی پونی ص ۲۷

۴۔ الواح الصنادید ص ۱۹۷

۵۔ خمتانہ جاوید جلد ۱ ص ۱۱۶

۶۔ گلستان سخن ص ۲۳۸

میں چھپوایا تھا بلکہ

۳۔ انشائے مومن۔ مومن کے خطوط اور ان کی تخریروں کا مجموعہ ہے، ان میں سے بیشتر خطوط حکیم احسن اللہ خاں کے نام ہیں۔ بعض خطوط احسن اللہ خاں کی والدہ کے نام بھی ہیں۔ جو مومن خاں کی بھوپہ بھی تھیں۔ خطوط کے اس مجموعہ کو حکیم احسن اللہ خاں نے مرتب کیا تھا اور یہ ان کے زیر اہتمام مطبع سلطانی سے چھپا تھا، طبی مسائل کے علاوہ شعروں شاعری کے بارے میں حکیم احسن اللہ خاں کے نام اپنی ان تخریروں میں انہوں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ مومن کے مطالعہ میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

مومن کے ثناگردوں کا حلقہ بڑا وسیع تھا، ان میں بہت سے ایسے ممتاز شاعر شامل ہیں، جن کی اس زمانہ کی دلی زندگی میں اہمیت تھی اور انہوں نے وہاں ایک صحیح شاعرانہ ماحول پیدا کیا تھا، ان میں تو اب مصطفیٰ خاں شیفینہ (گلشن بے خار صفحہ ۱۱۶) حکیم سید منور علی آشفینہ (گلستان سخن ص ۱۲۲) مرزا غلام فخر الدین نہپور (گلستان سخن ص ۱۶۹) مرزا قادر بخش صاحب گلستان سخن کے حقیقی بھائی تھے) محمد بخش نرورت (گلستان سخن ص ۱۸۲) خورشید احمد خورشید (گلستان سخن ص ۲۱۲) محمود بیگ راحت (گلستان سخن ص ۲۳۶) سعادت علی خاں راسخ (گلستان سخن ص ۲۳۷) قربان علی سالک (گلستان سخن ص ۱۲۶) نہیں غالب سے بھی نلما تھا، امنہ الفاطمہ صاحبہ (لبقات شعرائے ہند ص ۲۷۱) عظمت اللہ عظمت بریلوی (گلستان بے خزاں ص ۱۶۵) سید عبد الواحد خاں مسکین خیر آبادی (مثنوی چشمہ شیریں کے مصنف ہیں۔ بھوپال قیام رہا۔ سخن شعرا ص ۲۳۲) یادگار شعرا ص ۱۵۸) میر حسین نسکین (یادگار شعرا ص ۲۵) گلشن بے خار ص ۲۲) غلام احمد شورشس (لبقات شعرائے ہند ص ۲۶۸) یادگار

۱۔ مومن اور مطالعہ مومن ص ۳۵

۲۔ انشائے مومن ص ۳۰

شعرا ص ۱۰۲ گلستان بے خزاں ص ۲۷ بران کا تخلص شور مذکور ہے، اکبر خاں اکبر (گلشن بے خار ص ۲۲) غلام ضامن کرم (گلشن بے خار ص ۱۶۱) گلستان بے خزاں ص ۱۹۶، غلام علی خاں وحشت (گلشن بے خار ص ۲۳۵) گلستان سخن ص ۲۷۱ سخن شعرا ص ۵۲۱) نواب عباس علی خاں بیناب (گلستان بے خزاں ص ۱۲۰) میر جھو جان شیداد گلستان سخن ص ۲۹۹) جود بھاپر شاد صبر (گلستان سخن ص ۳۱۷) میاں جان صغیر (گلستان سخن ص ۳۲۲) ظہور علی ظہور (گلستان سخن ص ۳۲۷) غریب اللہ غریب (گلستان سخن ص ۳۷۸) مرزا خدا بخش فیض (گلستان سخن ص ۴۰۵) کاظم علی کاظم (گلستان سخن ص ۴۰۶) مرزا سنگی مضطر (سخن شعرا ص ۲۲۶) گلستان سخن ص ۴۲۸) اصغر علی خاں نسیم (سخن شعرا ص ۵۱۹) حکیم خیر الدین دہلوی (سخن شعرا ص ۵۶۷) جیسے نامی شاعر ہیں جنہوں نے اردو میں شعری روایت کو آگے بڑھایا ہے، حکیم مولا بخش قلیق، شیخ علی بخش بیمار، قاضی نجم الدین برق، نواب مصطفیٰ خاں شیفنہ ان کے ان شاگردوں میں ہیں جو مطالعہ کا مستقل موضوع ہیں۔

حکیم اکرام اللہ خاں اکرام

دہلی کے پرانے باشندہ تھے، جامع مسجد کے قریب مکان تھا، ان کے والد حکیم ہدایت اللہ خاں ہدایت اللہ دہلوی بھی شہر کے اچھے طبیبوں میں تھے۔ حکیم اکرام اللہ خاں نے علم طب کی تحصیل اپنے حقیقی چچا حکیم مولوی سعادت اللہ سے کی تھی۔ شاعری سے

۱۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفنہ کے چھوٹے بھائی۔

۲۔ نیرہ نواب فیض اللہ خاں والی راجپور۔

۳۔ یہ ذوق کے بھی شاگرد تھے، مزید طبقات شعرائے ہند ۲۹۵۔ گلستان بے خزاں ص ۲۸۶

۴۔ سخن شعرا ص ۲۲ بزم سخن ص ۵۲

دلچسپی تھی۔ اگر آرم تخلص کرتے تھے۔ کلام میں شیفتگی تھی۔ مومن اور ذوق کے معاصر تھے۔

حکیم امام الدین

حکیم امام الدین خاں علوم طب و فلسفہ میں نہایت بلند پایہ تھے اور وجد العصر مانے جاتے تھے۔ طب میں وہ درجہ کمال حاصل تھا کہ کسی معاصر سے ان کا مقابلہ مشکل تھا۔ غرض غدر سے پہلے وہ اس مرتبہ کے شخص تھے کہ اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ سرسید نے ان کے بارے میں لکھا ہے، "قطع نظر کمالات طبی سے جامع معقول و منقول حاوی فروع و اصول، اگر بالفرض انقلاب روزگار سے تمام عالم سے نسخ معتبرہ گاد خورد ہو جائیں اور سارے جہاں سے کتب سلف دریا برد ہو جائیں اس سرگروہ از باب فضل کے حافظہ کی مدد سے پھر کتب خانہ روزگار کا معمر ہو سکتا ہے۔"

بشیر الدین احمد نے تذکرہ اہل کمال دہلی کے ذیل میں لکھا ہے کہ حکیم امام الدین خاں بڑے نباض تھے ان کے بزرگوں کو سرکار شاہی سے مناصب جلیلہ اور مراتب بلند عطا ہوتے رہے۔ اور یہ خود بھی حضرت جہانبانی کی طرف سے عہدہ طبابت پر مامور تھے۔

حکیم امام الدین حکیم غلام رضا خاں کے بیٹے اور حکیم ذکار اللہ خاں کے بھتیجہ تھے۔ معنولات میں مولانا فضل امام (وفات ۵ ذی قعدہ ۱۲۲۲ھ / ۱۸۲۸ء) کی شاگردی کا موقع ملا۔

۱۔ گلستان سخن ص ۱۲۲

۲۔ مخزن جاوید جلد ۱ ص ۳۹۱

۳۔ آثار الضادید ص ۵۱۲

۴۔ واقعات دارالحکومت جلد ۲ ص ۲۰۶

حکیم عبدالحمی حسنی نے مولانا فضل حق ابن مولانا فضل امام سے تلمذ کا لکھا ہے لہ
 طب میں اپنے چچا حکیم ذکار اللہ خاں سے تلمذ کیا۔ خاندان بقائی کے نہایت ممتاز
 اور اکیں میں ان کا شمار ہے، ان کا نثر علمی معالجات میں بہت بڑھا ہوا تھا، فن طب
 کے تمام جزئیات، وکیلیات، نوک زبان تھے، درس کا وسیع سلسلہ تھا، حکیم الہی بخش
 (سکندرہ) ان کے شاگرد تھے انہوں نے ان سے مفرح القلوب پڑھی تھی۔ حکیم الہی بخش
 صاحب عالم ماہر دی کے بھی شاگرد تھے۔ غالب نے منشی نبی بخش حقیر کو ان کے لیے
 سفارشی خط لکھا ہے لہ غالب نے حکیم امام الدین خاں کے ایک اور شاگرد نسیم اللہ کا
 بھی ذکر کیا ہے۔ اکبر شاہ ثانی کے عہد میں ان کو شاہی طبیب مقرر کیا گیا تھا۔ اس
 وقت پانچ سو روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔ یہ تقدیر کی امر ہے کہ ان کے مقابلہ میں بادشاہ
 کے علاج میں حکیم حسن اللہ خاں کو کامیابی ہوئی اور کلک قدرت نے غسل صحت
 ان کے ہاتھ پر لکھا اور وہ حکیم امام الدین کی جگہ شاہی طبیب کے منصب پر فائز ہوئے
 دہلی میں حکیم حسن اللہ خاں سے پہلے انہیں نہ صرف شاہی طبیب کا اعزاز حاصل تھا
 بلکہ پورے شہر میں ان کے علاج کی دھوم تھی۔ اکبر شاہ ثانی نے ان کی موجودگی میں
 جب حسن اللہ خاں کو درباری طبیب مقرر کیا تو یہ بہت بد دل ہوئے لہ

بہادر شاہ ظفر کے زمانہ میں یہ نواب زینت محل کے طبیب خاص تھے، بادشاہ
 کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کا پیام اور خیر و عافیت پہنچاتے تھے۔ عبد اللطیف
 نے ان کی بڑی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ حقایق حکمت اور وقایع علمی میں کمال

۱۔ نزہتہ الخواطر جلد ۷ ص ۷۵

۲۔ ماہنامہ اردو ص ۳۷۳

۳۔ غالب کے خطوط جلد ۳ ص ۱۰۸۷

۴۔ گنجینہ سلیمانی ص ۱۲

کا درجہ رکھتے تھے۔ اور بے نظیر حکیم نغہ دہلی میں ان پر اس علم کی ریاست ختم نغہ دہلی سے بد دل ہو کر نواب فرخ آباد کی دعوت پر کچھ عرصہ کے لیے فرخ آباد چلے گئے تھے۔ مگر دہلی علاج کے لیے طلب کئے جاتے تھے۔ یکم مئی ۱۸۲۶ء کے روز ناچھ کے مطابق نواب فرخ آباد نے گورنر جنرل کی ہدایت کے بموجب اپنے طبیب خاص حکیم امام الدین خاں کوزینت محل بیگم صاحبہ کے علاج کے لیے دہلی بھیجا ہے۔

۸ مئی کے روز ناچھ میں مذکور ہے، صاحب کلاں بہادر کے نام شفق روانہ کیا گیا کہ حکیم امام الدین خاں بہادر نواب زینت بیگم کے علاج معالجہ میں مصروف ہیں ان کو نواب صاحب فرخ آباد کے معالجہ کے واسطے روانہ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ان کو رخصت کر دیا جائے گا تو بیگم صاحبہ کے علاج میں مشکل واقع ہو جائے گی۔ ۲۲ مئی کے روز ناچھ میں اندراج ہے، حکیم امام الدین خاں نے نواب زینت محل بیگم کے علاج سے فرصت پائی ان کا مزاج اب رو بہ صحت ہے، حکیم صاحب نواب فرخ آباد کے معالجہ کے واسطے رخصت لے کر جانے والے ہیں۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں جب لوگ شہر چھوڑ کر بھاگنے لگے تو یہ بھی دہلی سے نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن تھوڑے عرصہ بعد ہی رن کے حکم سے اپنے گھر واپس آگئے۔ بعد میں جان مشکاف نے انہیں شہر بدر کر دیا اور وہ قطب صاحب میں رہنے لگے۔ پھر بنارس چلے گئے۔ ۱۸۵۸ء میں والی ٹونک کی جلسی پر ٹونک چلے گئے تھے۔ دہلی میں ان کے درسا

۱۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روز ناچھ ص ۱۰۳

۲۔ نزہۃ الخواطر جلد ۷ ص ۵۷

۳۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روز ناچھ ص ۷۲

۴۔ ایضاً ص ۷۷

۵۔ ایضاً ص ۸۲

۶۔ ایضاً ص ۸۲

کا بھی بڑا شہرہ تھا، علامہ وقت اور علومی خاں ثانی کہلاتے تھے۔ ان کے تلامذہ میں حکیم ملا نواب ولایتی (وفات جمادی الثانی ۱۳۰۹ھ / ۱۸۹۲ء) جیسا فاضل زمانہ طبیب ہے۔ حکیم ملا نواب نے دہلی پہنچ کر حکیم امام الدین سے فن طب کی تحصیل کی تھی۔ حکیم فرزند علی شاہ آبادی جنہیں واجد علی شاہ نے معالج الدولہ کا خطاب عطا کیا تھا اور جو ریاست بھوپال میں افسر الاطباء رہے انہوں نے بھی دہلی جا کر حکیم امام الدین خاں سے طب کی تکمیل کی۔ ان کے زمرہ تلامذہ میں حکیم نجم الدولہ محمد جان بھی تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی میں علم و فضل میں ان کا بھی کوئی ثانی نہیں تھا۔ حکیم امام الدین کے شاگردوں میں حکیم عبدالصمد امر و ہومی بھی ممتاز ہیں انہوں نے بھی دہلی حاضر ہو کر ان سے طب کی کتابیں پڑھی تھیں۔

حکیم امام الدین کے دو فرزند حکیم فضل حسین خاں اور حکیم غلام حیدر خاں تھے۔ یہ دونوں ٹونک میں نواب صاحب کے ہاں ملازم رہے۔ ان کی اولاد میں حکیم اختر شام الدین اور حکیم غیاث الدین اس صدی کی تیسری دہائی میں دہلی کے کامیاب معالجین میں سے تھے۔

صاحب گنجینہ سلیمانی نے لکھا ہے کہ حکیم امام الدین خاں کی تصنیفات میں بعض رسائل قابل دید ہیں۔ راقم سطور کے علم میں کسی کتاب کا نام نہیں آسکا۔ ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴ء میں حکیم صاحب کا انتقال ہو۔ نام اور زمانہ کی یکسانیت کی بنا پر حکیم کو نثر چاند پوری نے غلطی سے حکیم امام الدین خاں دہلوی اور حکیم امام الدین پاکپنی کو ایک شخصیت سمجھ کر دونوں کے حالات یکجا کر دیے ہیں۔ اس سے ان کے مطالعہ میں بڑی غلط فہمی واقع ہوتی ہے۔

۱۔ نزہۃ النواظر جلد ۷ ص ۲۶۶

۲۔ گنجینہ سلیمانی ص ۱۳

۳۔ اہل اہل مغلیہ ص ۵۵

حکیم غلام محمد خاں

حکیم غلام محمد خاں حکیم صادق علی خاں کے بڑے بیٹے، عالی دماغ، صاحب نظر اور فاضل طبیب تھے، ان کی متعدد کتابیں مختلف علوم و فنون پر لکھی ہوئی موجود ہیں۔ جن سے ان کی قابلیت اور نچر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کا رسالہ و با، رسالہ چوب چینی، رسالہ ستہ ضروریہ، رسالہ ماکول و مشروب، رسالہ زبدۃ الاخلاق، رسالہ تختی تالیف شریفی کے حاشیہ پر طبع ہو چکے ہیں۔ ان کی ایک کتاب شرح موجز کا نسخہ خدا بخش پٹنہ میں محفوظ ہے۔

ریاست پٹیالہ سے خاندان شریفی کا تعلق حکیم شریف خاں ہی کے زمانہ سے شروع ہو گیا تھا، ان کے منھلے صاحبزادہ حکیم شرف الدین خاں ریاست پٹیالہ میں سب سے پہلے طبیب مقرر ہوئے۔ ایک عرصہ تک ملازم رہ کر ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء میں لاہور فوت ہوئے۔ ان کی جگہ حکیم غلام محمد کا نقر عمل میں آیا۔ پٹیالہ میں انہوں نے ایک عقد بھی کیا تھا۔

حکیم غلام محمد خاں کوچ کی سعادت میسر آئی، یمن ہوتے ہوئے واپسی پر راستہ میں ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء میں اپنے والد حکیم صادق علی خاں کی وفات سے چھ برس قبل انتقال کیا۔ کل ۴۴ برس کی عمر تھی۔ ان کے بعد ان کے بھائی غلام مرتضیٰ خاں اور پھر بیٹے حکیم غلام اللہ خاں جو مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے خسر تھے، پٹیالہ میں طبیب ریاست مقرر ہوئے، حکیم غلام محمد کے سب سے چھوٹے بیٹے حکیم عبد العزیز خاں

لے سیرت اجمل ص ۴

۳۔ تالیف شریفی مطبوعہ اکل المطابع دہلی ۱۲۸۰ھ

۴۔ قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و منترجمین ص ۱۸۰

کے انتقال کے بعد ریاست پٹیالہ سے اس خاندان کا تعلق ختم ہوا۔

حکیم غلام مرتضیٰ خاں

حکیم غلام مرتضیٰ خاں نے طب کی تعلیم اپنے والد سے پائی۔ اور جلد ہی مبادیات طب پر عبور حاصل کیا۔ حکیم غلام محمد خاں کے انتقال کے بعد پٹیالہ میں مہاراجہ کے طبیب مقرر ہوئے، حکیم صاحب کا قیام پٹیالہ میں تھا کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کی وحشت ناک اطلاع ملی۔ بیہوشان ہوئے اور دہلی آنا چاہا۔ مہاراجہ نے اطمینان دلایا ان کی فوج ایسٹ انڈیا کمپنی کی حمایت کر رہی تھی۔ چنانچہ ان کے حکم پر دہلی میں شریف منزل کی حفاظت کی گئی اور نہ صرف ان کے اہل خاندان بلکہ اس علاقہ کے لوگوں کو اس سخت ابتلا و فساد کے زمانہ میں عافیت نصیب ہوئی۔ دہلی کے بہت سے معززین نے شریف منزل میں پناہ لی اور پٹیالہ کی فوج کی وجہ سے وہ تباہی سے محفوظ رہے، یہ اہل شہر پر ان کا بڑا احسان ہے۔

حکیم صاحب کو خاندانی وضع کا بڑا خیال رہنا تھا۔ انہوں نے پٹیالہ میں بڑی شان سے زندگی بسر کی۔ وہیں ۵۴ برس کی عمر میں ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء وفات پائی۔

غالب کے حکیم غلام مرتضیٰ خاں سے تعلقات تھے، غالب کا ان کے نام ۱۸۶۵ء کا ایک سفارش نامہ بھی ملتا ہے۔ حکیم غلام رضا خاں اور حکیم احمد سعید خاں دو صاحبزادہ یادگار رہے۔

حکیم احسن اللہ خاں

حکیم احسن اللہ خاں بن حکیم عزیز اللہ صدیقی ابن نظام الدولہ عین الملک حکیم محمد احمد خاں

دہلوی شیخ زین الدین ہروی کی اولاد سے تھے۔ ان کے بزرگ ہندوستان میں پہلے کشمیر آئے، وہاں سے دہلی پہنچے۔ شیخ زین الدین کامزار کشمیر میں چشمہ ڈل کے کنارے واقع ہے اور بنام زمیندار شاہ موسوم ہے۔ ان کے خاندان میں جہاں پیری مریدی کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا وہاں ان کے اجداد ہمیشہ مناصب جلیلہ پر سرفراز رہے۔

حکیم محمد عزیز اللہ خاں کے بارے میں سرسید نے لکھا ہے کہ وہ کمالات ان کے تیز تخیل اور جیٹہ تفریر سے خارج ہیں، اپنی ذات سے تحصیل علم طب کی طرف متوجہ ہوئے اور اس فن شریف کو احکم الحکما حاذق الملک حکیم محمد ذکار اللہ خاں سے حاصل کیا اور اہل نامی شہر شاہ جہان آباد سے اس فن میں بسنت لے گئے۔ یہ حکیم احسن اللہ خاں ۱۲۱۲ھ - ۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے، منطق، فلسفہ، ہندسہ اور ہیئت دہلی کے اساتذہ سے اور طب اپنے والد سے پڑھی حکیم ذکار اللہ خاں سے بھی تلمذ کیا۔ انہوں نے بہت جلد دہلی میں ایسی طبی حیثیت حاصل کی کہ سرسید کے بیان کے مطابق اہل شہر کسی اور کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے، وہ مغلیہ عہد کے آخری عظیم المرتبت طبیب ہیں۔

ابتداء میں فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں والی فیروز پور جھر کہ کی ملازمت میں منصب طبابت پر مامور ہوئے ان کی وفات کے بعد اسد الدولہ نواب فیض محمد خاں والی جھر کے معالج خاص بنے اور ان کی آخر زندگی تک جھر میں طبی خدمات انجام دیں۔ پھر اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں شاہی طبیب کا اعزاز ملا عطاءتے خلعت کے ساتھ عمدۃ الملک، حاذق الزماں کے خطاب سے نوازے گئے۔ بعد میں بہادر شاہ ظفر کے طبیب خاص مقرر ہوئے، احترام الدولہ، عمدۃ الحکما، معتمد الملک ثابت جنگ کے

لے نزہتہ النواظر جلد ۷، ص ۲۱

لے آثار الصنادید ص ۵۰۸

خطبات عطا ہوتے۔ اور وزیر اعظم کے عہدہ پر سرفراز کئے گئے۔ یہ بڑے دانش مند صاحب تدبیر و سیاست تھے۔ ان کے اثر و اقتدار کا یہ عالم تھا کہ کوئی کام بدون ان کی صلاح و مشورہ کے نہیں ہوتا تھا۔ اور تمام بادشاہی امور کا ان پر انحصار تھا۔ ان کا اخلاق اس قدر وسیع تھا کہ ہر صاحب غرض کی التماس پوری کرنے کی کوشش کرتے تھے، سرسید کے الفاظ میں ”اہالی شہر سے کم ہو گا کہ ان کو اپنا محسن نہ سمجھتا ہو۔“

عبد اللہ کیف نے اپنے تاریخی روزنامہ میں ان کی صداقت، خلق اور سخاوت کی خاص طور پر تعریف کی ہے۔

حکیم احسن اللہ خاں کی معارف پر وی، علم دوستی اور قدر افزائی کے بہت سے واقعات ہیں۔ انہوں نے اپنے عہد کے اہل علم کو دربار سے وابستہ کرنے اور ان کے اعزاز و اکرام کا پورا خیال رکھا۔ غالب اور سرسید کو دربار سے منعلق کرانے میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔ غالب سے خصوصی تعلق تھا۔ ۱۸۵۰ء میں ان کی سفارتش سے غالب بہادر شاہ کے دربار میں تیموری خاندان کی تاریخ لکھنے پر مامور ہوئے اس پر انہوں نے یہ شعر کہا تھا ہے

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

حالی کا بیان ہے ”۱۲۶۶ھ (۱۸۵۰ء) میں مرحوم ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ نے مرزا کو خطاب نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ اور چھ پارچہ کا خلعت مع تین رقوم جو اہر یعنی حیفہ و سزینج و جمایل مروارید کے دربار عام میں مرحمت فرمایا اور خاندان تیمور کی تاریخ نویسی کی خدمت پر بہ مشاہرہ پچاس روپیہ ماہوار کے مامور کیا

۱۔ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۲۰۰

۲۔ آثار العنادید ص ۵۰۸

۳۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامہ ص ۶۲

اور یہ قرار پایا کہ احتزام الدولہ حکیم احسن اللہ خاں مرحوم مختلف تاریخوں سے مضا میں
 التفاط کر کے مرزا کے حوالہ کیا کریں اور مرزا ان تمام مطالب کو اپنی طرز خاص کی
 فارسی نثر میں بیان کریں۔ مرزا نے تمام کتاب کا نام پر توستان اور اس کے پہلے
 حصہ کا نام مہر نیم روز اور دوسرے کا ماہ نیم ماہ تجویز کیا تھا۔ ماہ نیم ماہ بالکل نہیں
 لکھایا گیا۔ مہر نیم روز ختم ہونے کے بعد غدر ہو گیا لہٰذا اس سلسلہ میں محمد حسین آزاد
 نے لکھا ہے، حکیم احسن اللہ خاں طبیب خاص بادشاہ کے تھے۔ انہیں تاریخ کا
 شوق تھا اور اہل کمال کے ساتھ عموماً تعلق خاطر رکھتے تھے۔ مرزا نے ان کے ایما
 سے اول کتاب مذکور کا ایک حصہ لکھا۔ اسی کے ذریعہ سے ۱۸۵۰ء میں یاریاب
 حضور ہو کر خدمت تاریخ نویسی پر مامور ہوتے تھے، مالک رام نے مرزا کی قلعہ میں
 رسائی کے تعلق سے میاں کالے صاحب کا بھی نام لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں، مولانا نعیم الدین
 میاں کالے بہادر شاہ کے پیر تھے اور غالب کے بھی دلی دوست اور پرانے
 مہربان، ان کے علاوہ احتزام الدولہ حکیم احسن اللہ خاں مدار المہام بھی ان کے
 قدر دان تھے۔ ان صاحبوں نے سفارش کی اور بہادر شاہ نے منظور کر لیا کہ مرزا
 خاندان نیموری کی تاریخ فارسی زبان میں لکھیں لے۔

غالب کی کتاب بیچ آہنگ کے منظوم اشٹنہار سے جو ہفتہ وار اسعد الاخبار
 میں مورخہ ۲ مارچ ۱۸۴۹ء کو شایع ہوا ہے، معلوم ہونا ہے کہ یہ کتاب حکیم احسن اللہ
 خاں کے توسط سے مطبع سلطانی میں چھپی تھی۔

اسی طرح حکیم احسن اللہ خاں نے مرزا غالب کو ان کے کلکتہ کے زمانہ قیام

۱۔ یادگار غالب ص ۳۳، ۳۴ ذکر غالب ص ۱۴۸ تا ۱۵۰

۲۔ آب حیات ص ۵۰۰ مہر نیم روز ۱۲۶۱ھ ۱۸۵۲ء میں شایع ہوئی تھی۔ غالب

غلام رسول مہر ص ۲۲۰

۳۔ ذکر غالب ص ۹۰

میں خط لکھ کر ان کی نثر کو شایع کرنے خواہش کی تھی بسے

”ایک دفعہ بہادر شاہ سخت بیمار ہوئے۔ مرزا اجدر شکوہ نے جو اکبر شاہ ثانی کے بھتیجے اور مرزا سلیمان شکوہ کے بیٹے تھے، صحت یابی کی خوشی میں مجتہد العصر (سید محمد) کے ہاتھ سے علم چڑھوایا۔ اس واقعہ کے بعد یہ بات عموماً مشہور ہو گئی کہ بادشاہ شیعہ ہو گئے۔ اس شہرت کا بادشاہ کو بہت رنج ہوا اور حکیم احسن اللہ خاں نے اس کے تدارک کے لیے کچھ رسالے شایع کرائے اور بہت سے اشتہارات کو چوں اور بازاروں میں چسپاں کئے گئے۔ بادشاہ کے حکم سے مرزا غالب نے بھی ایک مثنوی فارسی زبان میں لکھی، جس کا نام دمع الباطل رکھا گیا اور جس میں بادشاہ کو تشیع کے اتہام سے بری کیا گیا تھا۔ اس مثنوی میں غالب نے جو مضامین حکیم احسن اللہ خاں نے بتائے تھے ان کو فارسی میں نظم کر دیا تھا۔ مجتہد العصر نے جب غالب سے دریافت کیا کہ آپ نے خود مذہب شیعہ اور مرزا اجدر شکوہ کی نسبت اس مثنوی میں ایسا لکھا ہے، غالب نے لکھ بھیجا کہ بادشاہ کا جو حکم ہونا ہے اس کی تعمیل کرتا ہوں اس مثنوی کا مضمون بادشاہ اور حکیم احسن اللہ خاں کی طرف سے اور الفاظ میری طرف سے تصور فرمائے جائیں گے، حکیم صاحب غالب کے علاوہ ذوق کے بھی قدر داں تھے، مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں، ”حکیم احسن اللہ خاں حبیب شاہی تھے اور بڑے مقرب تھے۔ انہی کے پاس بادشاہ کی غزلیں جمع ہوا کرتی تھیں۔ یہی دیوان ظفر نرتیب دیتے اور مرتب کر کے چھپواتے تھے۔ مطبع سلطانی انہی کے اہتمام میں تھا۔ سخن کے جوہر شناس تھے۔ استاد ذوق کا کلام بھی ثلوق سے لکھو ایسے تھے۔ کلام کی محبت سے استاد کی محبت رکھتے تھے۔“

ایک دن دربار میں ایک شہزادہ آیا اور آہستہ آہستہ بادشاہ سے کچھ

۱۔ یادگار غالب ص ۳۸۵ ۲۔ ایضاً ص ۷۸

۳۔ دیوان ذوق مرتبہ آزاد ص ۱۳۷

کہا اور رخصت ہو گیا۔ حکیم حسن اللہ خاں بھی موجود تھے۔ انہوں نے عرض کیا صاحب عالم اس قدر جلدی یہ آنا کیا تھا اور تشریف لے جانا کیا تھا، صاحب عالم کی زبان سے اس وقت نکلا اپنی خوشی نہ آتے نہ اپنی خوشی چلے، بادشاہ نے ذوق کی طرف دیکھ کر کہا اسناد کیا صاف مصرعہ ہوا ہے۔ اسناد تے توقف کر کے عرض کیا ہے

لائی جات آتے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آتے نہ اپنی خوشی چلے

حکیم حسن اللہ خاں نے مومن کے فارسی خطوط مرتب کئے تھے۔ خطوط کا یہ مجموعہ

انشائے مومن کے نام سے ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء میں مطبع سلطانی سے چھپا تھا۔ اس کے

شروع میں حکیم حسن اللہ خاں کا دیباچہ ہے۔ اس میں خطوط کے علاوہ مومن نے

جو دیباچے اور تفریطیں تخریر کی تھیں، انہیں بھی شامل کیا گیا ہے۔ انشائے مومن کے

بیشتر خطوط حکیم حسن اللہ کے نام ہیں۔ مجموعہ کے پہلے خط میں امراض اور ان کے

اسباب سے بحث کی گئی ہے۔ اس سے مومن کی مسابیل طب سے دلچسپی اور فنی آگاہی

کا اظہار ہوتا ہے۔ مومن خاں کا فارسی دیوان بھی حکیم صاحب نے ۱۲۷۱ھ میں مطبع

سلطانی سے چھپوایا تھا، اس کا دیباچہ بھی حکیم صاحب نے لکھا تھا۔

اس طرح اس دور کے دہلی کے تینوں نامور شاعروں ذوق، مومن اور غالب

سے حکیم صاحب کے گہرے ذاتی مراسم قائم تھے۔

حکیم حسن اللہ نے بڑی قدر دانیاں کی ہیں۔ میر ابو القاسم محبت برادر زادہ میر

نظام الدین ممنون کے بارے میں مرزا قادر بخش صاحب نے لکھا ہے کہ جالی بنوس زمان

بقراط دوراں حکیم حسن اللہ خاں کی قدر دانی سے وقایع نگاری خاص سلطانی کے

عہدہ سے ممتاز اور تادم مرگ یہی منصب ان کے واسطے موجب امتیاز

رہا۔

مرزا یوسف علی خاں عزیز (وفات ۱۸۷۲ء در بھوپال) جو مرزا غالب کے شاگرد تھے، انہیں احترام الدولہ نے بہادر شاہ سے یہ نذر مرثیہ و قصیدہ خدمت پچار پارچہ مع گوشتوارہ و خطاب سراج الشعراء، سلطان الذاکرین دلویا اور تیس روپیہ ماہانہ و تالیف مقررہ کرایا بلکہ

ظہیر دہلوی نے حکیم صاحب کی فرمائش سے قصہ شہزادہ ممتاز کا فارسی سے سلیس اردو ترجمہ کیا تھا۔ اس کے صلہ میں شاہ دہلی نے خطاب و خلعت مرحمت کیا تھا۔ وہ قصہ حکیم صاحب نے بندامل عطار کو چھاپنے کے لیے دیا تھا بلکہ حکیم صاحب نے ایک کتاب عجایب القصص جو انبیاء کے حالات میں ہے مولوی فخر الدین سے مرتب کرائی تھی۔

برٹش میوزیم لندن میں مرآت الاشباہ کا فارسی مخطوطہ ہے۔ فہرست نگار ڈاکٹر چارلس ریو نے اس کا مصنف فخر الدین حسین کو قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ فخر الدین حسین نے اسے حکیم احسن اللہ خاں، مصور غلام علی خاں اور بابر علی خاں کی اعانت سے سرانجام دیا ہے، اس کتاب کا ایک مخطوطہ صولت پبلک لائبریری رامپور میں بھی ہے۔

مرآت الاشباہ کا اردو ترجمہ ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء میں مطبع مرتضوی محمد ارٹھنی خاں سے چھپا ہے۔ یہ ترجمہ مطبع کے مہتمم محمد ارٹھنی خاں نے کیا ہے اور میرے پیش نظر ہے انہوں نے لکھا ہے ”محمد ارٹھنی خاں مہتمم مطبع مرتضوی دہلی نے رسالہ مرآت الاشباہ سلاطین خاندان تیمور یہ مولفہ احترام الدولہ عمدۃ الحکماء معتمد الملک حاذق العہد والادان حکیم محمد احسن اللہ خاں بہادر ثابِت جنگ کو تہ تکلیف بعض اجاب زبان فارسی سے اردو میں بعبارت سلیس عام فہم خلاصہ کیا اور کچھ کچھ حال مختصر دیگر کتب

لے تلامذہ غالب ص ۲۳۷

لے مخزنہ جاوید جلد ۵ ص ۵۸۷

تواریخ بھی ایزاد کیا گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکیم احسن اللہ خاں کی تصنیف ہے، اس کتاب میں فرمانراؤں کے علاوہ اہلبا اور شعرا کے حالات بھی درج ہیں۔ مرزا غالب کا بھی تذکرہ ہے اور یہ غالب کا وہ تذکرہ ہے جو ان کی جیات میں شایع ہوا ہے۔ اہلبا میں حکیم احسن اللہ خاں کا بھی تذکرہ شامل ہے جو مترجم کا اضافہ کر دہ معلوم ہوتا ہے۔

۱۸۵۷ء کے حالات سے متعلق حکیم احسن اللہ خاں کی یادداشتیں MEMOIRS ہیں جنہیں انہوں نے سر جان کئے JHON KAYE کی خواہش پر قلمبند کیا تھا۔ جان کئے نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا ہے جو انڈیا آفس لائبریری لندن میں محفوظ ہے پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی کی طرف سے ۱۹۵۸ء میں یہ شایع ہوا ہے۔ معین الحق اس کے مرتب ہیں۔

حکیم صاحب شاعر بھی تھے۔ نسخہ نے سخن شعرا میں ان کا نمونہ کلام پیش کیا ہے۔ علم اور اہل علم سے حکیم صاحب کا بڑا تعلق تھا، مشاہیر کی ان کے ہاں آمد و رفت رہتی تھی۔ نواب زین العابدین خاں عارف حکیم صاحب کے مکان سرکی والان میں جاتے رہتے تھے بلکہ

خود ان کی سرکار سے بھی بہت سے صاحب کمال وابستہ تھے، شیخ ہدایت اللہ اور حافظا امام الدین جو ۱۸۵۷ء سے قبل انگریزی فوج میں رسالدار تھے، انگریزوں سے نفرت ہوتی تو ملازمت سے استعفیٰ دے کر چلے آئے۔ حکیم احسن اللہ خاں کے مصاحبوں میں شامل ہو گئے تھے بلکہ

۱۔ مرات الاشبہ ص ۱

۲۔ سخن شعرا ص ۱۲

۳۔ دہلی کی آخری شمع ص ۱۱

۴۔ دہلی کی یادگار ہستیاں ص ۲۹

حکیم احسن اللہ خاں محض سلطنت کے انتظامی امور ہی نہیں انجام دیتے تھے۔ بادشاہ کے علاجی فرایض بھی ان سے متعلق تھے۔ وہ صبح بادشاہ کے برآمد ہونے پر ان کی نبض ملاحظہ کرتے، اور دریافت مزاج و احوال کرتے تھے۔ یہ اراکین خاندان شاہی اور بیگمات کا علاج بھی ان کے ذمہ تھا، ۲ جون ۱۸۴۷ء کے روز نامہ کے مطابق، بادشاہ نے حکیم احسن اللہ خاں سے ارشاد کیا کہ نواب عزیز آبادی بیگم کی طبیعت ناساز ہے دوسرے اطباء کے مشورے سے آپ ان کا علاج کریں۔ ۱۸۵۷ء میں ان کا کردار مشکوک رہا، جس سے ان کی شخصیت اور عظمت متنازع ہوئی۔ غلام رسول مہر نے لکھا ہے، ”حکیم احسن اللہ خاں کے ایک پروردہ نے ناجائز طریقوں سے روپیہ جمع کر لیا تھا۔ حکیم صاحب اس راز سے آگاہ تھے۔ پروردہ نے اپنی بددیانتی کو پردہ اخفا میں رکھنے کی غرض سے یہ افواہ اڑادی کہ حکیم صاحب انگریزوں کے بھی خواہ میں اور ان کے لیے جاسوسی کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ باغی بگڑ گئے اور حکیم صاحب کے قتل کی نیت سے ان کے مکان پر چڑھ دوڑے۔ حسن اتفاق سے حکیم صاحب اس وقت قلعہ میں بادشاہ کے پاس موجود تھے، باغی قلعہ میں پہنچے اور حکیم صاحب کو گھیر لیا۔ خادم نواز بادشاہ نے اپنے آپ کو حکیم صاحب پر ڈال دیا اور اس طرح مظلوم کی جان بچائی۔ باغیوں نے حکیم صاحب کا سامان لوٹ لیا، مکان کو آگ لگا دی۔ سارا مکان جل رہا تھا، دیواریں دود آلود ہو گئیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دیواریں مکان کے ماتم میں سیاہ پوش ہیں۔“

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں حکیم صاحب کو ہر قسم کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔ انگریزوں

۱۔ بہادر شاہ ظفر کا روز نامہ ص ۷

۲۔ ایضاً ص ۱۷

۳۔ ایضاً ص ۲۰۲

۴۔ غالب ص ۲۵۸

کے بھی وہ معنوب رہے اور سلطان جی میں نظر بند کئے گئے۔ غالب کے خطوط سے کچھ اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ مرزا آفندہ کو ایک خط میں لکھا ہے: ”حکیم احسن اللہ خاں کو ان کی جو بلیاں مل گئی ہیں اب وہ مع قبایل ان مکالوں میں جا رہے ہیں۔ اتنا حکم ان کو ہے کہ شہر سے باہر نہ جائیں“ حکیم غلام نجف خاں کے نام خط میں انہوں نے قدرے تفصیل سے کام لیا ہے، ”میاں تم کو مبارک ہو کہ حکیم پر سے وہ سپاہی جو ان کے اوپر متعین تھا، اٹھ گیا اور ان کو حکم ہو گیا کہ اپنی وضع پر رہو مگر شہر میں رہو۔ باہر جانے کا اگر قصد کرو تو پوچھ کر جاؤ اور ہر ہفتہ میں ایک بار کچھری میں حاضر ہو کر وہ چنانچہ وہ کچے باغ کے پچھوارے مرزا جاگن کے مکان میں آ رہے۔۔۔“

جی ان کے دیکھنے کو چاہتا ہے، مگر از روئے احتیاط نہیں جاسکتا، ”مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے بعد دیسی ریاستوں نے ان کی پذیرائی کی۔ وہ جے پور مہاراجہ کے طبیب خاص ہو کر گئے، وہاں سے کبھی کبھی دہلی آیا کرتے تھے۔ غالب کے انتقال سے ایک روز پہلے ۱۴ فروری ۱۸۶۹ء کو جب حالت بگڑی اور وہ بے ہوش ہوئے تو فوراً حکیم محمود خاں اور حکیم احسن اللہ خاں کو اطلاع دی گئی، پھر ۱۵ فروری مطابق ۲ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ کو ان کے جنازہ میں بھی انہوں نے شرکت کی۔“

ریاست قرولی سے بھی حکیم صاحب کا تعلق رہا۔ وہاں سے سات سو روپیہ ماہوار پاتے تھے۔ موزالابا کے مطابق وہ وہاں وزارت کے منصب پر فائز تھے۔ ریاست بھوپال میں اگرچہ نواب سکندر بیگم کے عہد میں حکیم محرم ۱۲۸۰ھ/۲۹ جولائی ۱۸۶۳ء کو طب یونانی سے متعلق ایک قانون جاری کیا گیا تھا، جس میں افسر لایا

۱۔ اردوئے معلیٰ غالب نمبر جلد ۲ ص ۶۱۴

۲۔ یادگار غالب ص ۱۰۰

۳۔ گنجینہ سلیمانی ص ۲۲۸ مرآت الاشباہ ص ۲۵

۴۔ موزالابا جلد ۲ ص ۲۲۰

کے اختیارات، طبیبوں کے فرایض اور دوا سازی کے احکام نئے لیے لیکن میرا خیال ہے کہ نواب سکندر بیگم کی وفات ۳ اکتوبر ۱۸۶۸ء تک اس محکمہ کو ترقی نہیں دی جاسکی تھی اور افسر الہا کے عہدہ پر کسی کا تقرر عمل میں نہیں آیا تھا۔ یہ میں اس لیے وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ جیات سکندری یا ریاست بھوپال کی کسی تاریخ میں نہ افسر الہا کے عہدہ پر فائز کسی طبیب کا نام ملتا ہے اور نہ حکیم احسن اللہ خاں کے بھوپال پہنچنے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ نواب سکندر بیگم کے طبیب خاص اور اس عہد کے ممتاز طبیبوں میں دوسرے الہا کے نام لے گئے ہیں، شروع ۱۸۶۹ء میں غالب کی وفات تک حکیم صاحب دہلی کے آس پاس بچے پور اور قرولی میں نظر آتے ہیں۔ صاحب گنجینہ سلیمانی کا بیان اور بھی کسی طرح درست نہیں کہ حکیم صاحب ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء میں بھوپال سے مستعفی ہو چکے تھے ۲۔ بھوپال سے نکلنے والے عمدۃ الابرار کا ۱۸۶۱ء کا فائل میرے پیش نظر ہے۔ اس کی اشاعتوں میں بھوپال سے مستعفی ہو کر ان کی بڑودہ روانگی کا حال درج ہے۔

”تصريح خبر روانگی عمدۃ الحکما معتمد الملک حاذق الزمان حکیم محمد احسن اللہ خاں صاحب نجینا چار ماہ گزری کہ حکیم صاحب موصوف کو نواب نور الدین حسن خاں صاحب کہ منجملہ اراکین اور جاگیر دار ریاست بڑودہ ہیں۔ تخریک و نزغیب اختیار روزگار اس سرکار کے تخریر کرنے تھے۔ اور حکیم صاحب کو جو حفظ آبرو زائد تر ہے اور جس ریاست میں حسب الطلب وہاں کے رئیس مثل قرولی و کوٹہ یا جس رئیس سے ملاقات ہوتی ہے مانند ہمارا صاحب بہادر والی گوالیار کہ دہلی میں انہوں نے حکیم صاحب کو بلا یا تھا تو پہلے استنفرار رعایت مراسم تعظیم و توقیر کیا۔ اس لیے بیختگی میں کئی مہینہ گزرے۔ عرصہ ایک مہینہ کا ہوا کہ ایک معتمد اس سرکار کا بھوپال

میں آیا اور سب امور تنقیح طلب خصوصاً رعایت تعظیم و توقیر اور بروز دخول بڑودہ
 ادائیگی رسم استقبال وغیرہ وہاں سے سب لکھو امنگائے اور بابت رقم زاد راہ کے
 چند ہزار روپیہ اور نوشتہ تعداد تنخواہ بارہ سو روپیہ ماہوار کے تفویض کیا۔
 چنانچہ ۱۸ ربیع الاول ۱۲۸۸ کو حکیم صاحب نے استعفا تے روزگار اس سرکار کا
 بخدمت جناب رئیس معظمہ پیش کیا اور اس میں ایسی وجوہ موجہ لکھیں کہ جناب
 موصوفہ (شاہ جہاں بیگم) نے اس کو منظور فرمانا مناسب سمجھا اور کمال تاسف
 ان کی اجازت و روانگی پر فرمایا کس واسطے کہ عموماً ہر قسم کے مریضوں کو اور خصوصاً
 غربانی بید سنگاہ کو نسبت ان کی غایت توجہ بسوئی مرضانی غریب نہایت
 آسائش و آرام تھا، غرض کہ حکیم صاحب بتاریخ ۲۹ ربیع الاول (۱۲۸۸ھ) روانہ جانب
 اٹارسی مع اجمال و انتقال ہوئے وہاں سے بسواری ریل بخط مستقیم بڑودہ کو تشریف
 لے جائیں گے، تفویض کے حساب سے ۱۸ ربیع الاول کو ۷ جون اور ۲۹ ربیع الاول
 ۱۲۸۸ھ کو ۱۸ جون ۱۸۷۱ء تھا۔

رجب ۱۲۹۰ھ مطابق ستمبر ۳، ۱۸۷۳ء بڑودہ میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون
 ہوئے۔ نواب ضیاء الدین احمد تیرور خشتاں (وفات ۱۸۸۵ء) نے حکیم غریب
 سے تاریخ وفات تکالی ہے سے "بود سال فوئش حکیم غریب"
 نواب ضیاء الدین احمد نے سال ولادت اس مصرعہ سے نکالا
 تھا، "سن مولدش بودہ لفظ غریب" (۱۲۱۲) سرو لیم بیل نے دہلی میں ان کے انتقال
 کا لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔ "وائی بفراط وقت مرد افسوس" سے بھی تاریخ
 وفات برآمد ہوتی ہے۔

۱۔ عمدۃ الاخبار جلد ۱ شمارہ ۲۸۶۵ جون ۱۸۷۱ء

۲۔ اورینٹل بائوگرافیکل ڈکشنری ص ۲۵

۳۔ نزہتہ النواظر جلد ۷ ص ۲۲

سید محمد علی جو یا کا یہ پورا قطعہ اس طرح ہے

احسن اللہ خاں طبیب اجل جان بجان آفریں سپرد افسوس

ازدہان دل این صد آمد دای بقراط وقت مرد افسوس

مرزا فرحت اللہ بیگ نے حکیم صاحب کا نقشہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے "گورے چٹے تھے سفید بھری ہوئی ڈاڑھی، گول چہرہ، اس میں کچھ کچھ چیچک کے داغ۔

آنکھوں سے ذہانت ٹپکتی تھی۔ سر سے پاؤں تک سفید لباس پہنتے تھے"۔

حکیم صاحب حسن معالجہ اور درس میں جو اب نہیں رکھتے تھے۔ جہاں سے

درس کا سلسلہ جاری رہا۔ حکیم سید ابراہیم کے تذکرہ میں جو ہاپوڑ سے بھوپال پہنچ

کر ملازم ہو گئے تھے۔ حکیم فیروز الدین نے تحریر کیا ہے "حکیم سید ابراہیم (ہاپوڑ) کو

حکیم احسن اللہ خاں سے زمانہ قیام دہلی سے سلسلہ تلمذ تھا۔ کیونکہ جب حکیم صاحب دہلی

میں قیام پذیر تھے یا جب قرولی سے دہلی تشریف لاتے تھے تو یہ ان کے مطب میں

تشریف ہوتے تھے۔ ان کو حکیم صاحب کے بھوپال تشریف لانے کی نہایت خوشی

ہوتی اور ان کی خدمت میں بعد فراغ امور ان ملازمت حاضر ہو کر مجالس قانون اور

شرح مجالس قانون حکیم علی گیلانی نام مجالس جیمات پڑھی اور صبح شام مطب

میں حاضر رہ کر نسخہ نویسی اور تشخیص امراض کرتے رہے۔ بالمرہ تاہنگام قیام حکیم

صاحب موصوف کے حلقہ درس میں جو طلبہ فن طب تشریف ہوتے تھے ان کی

تعلیم و تدریس بھی حکیم سید ابراہیم سے متعلق تھی، وہ پڑھایا کرتے تھے اور حکیم

احسن اللہ خاں صاحب سنا کرتے تھے۔ تقریباً دو سال تک یہ مشغلہ اور صحبت

رہی۔ اور حکیم صاحب موصوف نے ان کو غوامض و دقائق فن طب کے سکھلانے

میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا، حکیم احسن اللہ خاں کے بے شمار شاگردوں میں حکیم

۱۲ لہ دہلی کی آخری شمع ص ۱۲

۱۵۹ لہ رموز الاطبا جلد ۲ ص ۱۵۹

محمد بدرالدین خاں اور حکیم بلدیو سہائے میرٹھ مشہور ہیں۔ حکیم سید کرم حسین نجادہ کو حکیم بلدیو سہائے سے تلمذ کی نسبت تھی۔

حکیم احسن اللہ خاں کی تصنیفی یادگاروں میں ایک احسن القرا بادین ہے۔ یہ ان کے معمولات و مجربات کا بہترین مجموعہ ہے۔ کتب خانہ محل مہاراجہ جے پور۔ نواب صابر علی خاں نواب محمد گڑھ، ڈاکٹر عبد المجید راجہ لال تل پور اور رضالا تبریزی راجپور میں اس کے نسخے ہیں۔ نسخہ راجپور کی اہمیت یہ ہے کہ اس کا سال کتابت ۱۲۶۵ھ/۱۸۵۸ء ہے جو قرا بادین کا سال تصنیف ہے۔ راقم الحروف کے ذخیرہ میں اس قرا بادین کا ایک انتخاب محفوظ ہے۔

حکیم احسن اللہ خاں کو تعمیرات سے بھی دلچسپی تھی، ۱۲۶۰ھ/۱۸۵۳ء میں انہوں نے بدل بیگ خاں کی پرانی جوہلی کو خرید لیا۔ یہ بہت وسیع اور بڑی جوہلی تھی۔ اسی سنہ میں انہوں نے اس کا دروازہ بنوایا تھا۔ غالب نے اس کے کتبہ کے لیے قطعہ تاریخ لکھا تھا۔

بنادہ بنا احسن اللہ خاں
کہ غالب پئے سال تاریخ او
سردارہ بد انساں در دلکشا
رقم زد در دلکشا جذا
حکیم صاحب نے جوہلی کے احاطہ میں ایک حمام تعمیر کرایا تھا۔ اس کے اندر
سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ تھا، ہوا الحکیم
مرتب گشت این حمام دلخواہ
بہ تعمیر فقیر احسن اللہ
محمد امیر رضوی

حمام کے باہر کی دیوار پر سنگ مرمر کا دوسرا کتبہ یہ تھا۔
بدہلی احسن اللہ خاں بنا کرد
بکی گرمایہ باقدسی نشین

لہ علی گڑھ کے طبی مخطوطات ص ۱۲۸/۱۲۷

بکی گرمایہ باقدسی نشین۔ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۲۰۰

بفرق بانی خود سایہ افکن
شدہ تعمیر این حمام احسن

۱۲۹۸ = ۳۰ . ۱۲۹۸

پی سالتی کہ یارب جاوداں باد
بشتم روی لفظ آنگاہ گفتم

۳۰

غالب نے بھی اس گریہ کی تاریخ بنا رکھی تھی ہے

دلکش اگر مایہ انجام یافت
آنکہ در گفتار غالب نام یافت
ہم در آنجا صورت ارتقام یافت
ہر دورا در "گوشہ حمام" یافت

۲۲۰

احترام الدولہ فرمان داد تا
بامداد ان رفت آنجا بہر غسل
قطعہ تاریخ آن فرخ بنا
شست باپوں "راحت و آرام" جت

۳ ۴۰۹ ۲۲۲

گوشہ حمام کے اعداد ۲۲۰ میں راحت کے ۴۰۹ اور آرام کے ۲۲۲ جمع کرنے پر ۱۲۷۱ ہوئے اس میں "با" کے ۳ عدد کم کر کے ۱۲۶۸ سال تعمیر برآمد کیا ہے۔
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ سے متصل حکیم صاحب نے ایک خوشنما مسجد اور حویلی بنوائی تھی، ان پر یہ کتبے نصب تھے۔

تاریخ مسجد

احسن اللہ خاں پاک سرشت
خامہ ام "خانہ خدا" بنوشت
۱۲۶۱ھ

بیر خردم نمود آگاہ
تعمیر فقیر احسن اللہ

۱۲۶۳ھ

مسجدی ساخت چوں بحسن عمل
اے نظر بہر سال تاریخش
تاریخ مکان

ارسال بنائے نو بدرگاہ
برداشت سراز دیار دہلی

بید نے آثار الصنادید میں اور شیر الدین احمد نے واقعات دار الحکومت دہلی میں

مسجد اور مکان کی تصویریں دی ہیں۔

حکیم غلام نجف خاں

حکیم غلام نجف خاں فاروقی خاندان سے تھے سلسلہ نسب بابا فرید الدین گنج شکر سے ملتا ہے۔ ان کے اجداد میں شیخ قطب الدین حضرت شیخ سلیم چشتی کے پوتے تھے۔
مؤلف اقبال نامہ جہانگیری نے انہیں شیخ سلیم چشتی کا دختر زادہ لکھا ہے۔
شیخ قطب الدین کا شمار اکبر کے امرا میں آتا تھا، جہانگیر سے انہیں خاص تعلق رہا۔ جہانگیر کو ان کی والدہ نے ایام طفولیت میں پرورش کیا تھا، جس کی وجہ سے جہانگیر ان سے بھائیوں کی طرح محبت کرتا تھا، جہانگیر نے اکبر سے روگردانی کے زمانہ میں بعض مقامات پر قبضہ کر کے اپنے آدمیوں کو ان کا انتظام سونپا تھا۔ شیخ قطب الدین کو صوبہ بہار کا صوبیدار مقرر کیا تھا۔ جہانگیر نے اپنے دور فرمانروائی میں انہیں پنج ہزاری منصب اور بنگال وارڈیسہ کی امارت عطا کی۔ شیخ قطب الدین کی والدہ کے انتقال پر جہانگیر نے ان کی نعش کو کندھا دیا اور کئی دن کھانا نہیں کھایا اور کپڑے بھی نہیں بدلے۔

جہانگیر کو جب شیرا فگن کے باغبانہ طرز کی اطلاع ملی تو شیخ قطب الدین کو بنگال کا حاکم بنا کر بھیجا۔ بردوان میں شیرا فگن ان سے ملنے آیا اور موقع ملتے ہی ان پر تلوار کے

۱۔ آثار الصنادید ص ۳۵۷ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۲۸۸ و ۲۸۹

۲۔ نزہتہ النواظر جلد ۷ ص ۳۶۳

۳۔ دہلی کی یادگار ہستیاں ص ۲۸۳، بحوالہ تاریخ ہندو کا رالٹہ جلد ۶ ص ۵

۴۔ نزک جہانگیری ص ۴۱

دار کے اور یہ جان بختی ہوئے۔

شیخ قطب الدین کے بیٹے شیخ محمد فرید المناطیہ مختتم خاں عہد جہانگیری و
دشاہ جہانی کے امرا میں تھے۔ جہانگیر نے پنج ہزاری منصب ذات اور پنج ہزاری سولہ
عطا کیا تھا چار ہزار بیگمہ اراضی موضع مولیا میں دی تھی۔ وہاں انہوں نے ایک قلعہ کی
بنیاد ڈالی اور جہانگیر کے نام پر شیخ پورہ اس جگہ کا نام رکھا۔ یہ ضلع بدایوں میں ہے
شیخ فرید کا شیخ پورہ ہی میں انتقال ہوا۔

حکیم غلام نجف خاں کے والد کا نام حافظ محمد مسیح الدین تھا یہ اوایل عمری میں فوت
ہوئے۔ صاحب مرآۃ الاشبہ نے انہیں بھی طبیب لکھا ہے۔

غلام نجف خاں اپنے خالو میر سید علی کے ساتھ پانچ برس کی عمر میں دہلی آئے۔
میر سید علی سرکار انگریزی میں تحصیلدار اور آخر میں گورنر جنرل کے میر منشی ہوئے۔

غلام نجف خاں نے فن طب کی تحصیل حکیم صادق علی خاں ابن حکیم محمد شریف خاں
سے کی اور مشق نسخہ نویسی و علاج معالجہ حکیم احسن اللہ خاں کی خدمت میں بہم پہنچائی۔

حکیم احسن اللہ خاں سے قرابت قریبہ بھی تھی اور حکیم احسن اللہ خاں کی بہن ان سے منسوب
تھیں ان کی تعلیم میں احسن اللہ خاں نے کمال کوشش کی یہاں تک کہ یہ دہلی کے

مشاہیر اطباء سے ہوئے بہادر شاہ نے عند الدولہ اعنقاد الملک کا خطاب دیا۔
پہلی کی حکومت قائم ہونے پر عہدہ طبابت پر مامور رہے اور اعزاز و اکرام برقرار رہا۔

قدرت سے زیادہ دست نشا پیا یا تھا کہ وہ امراض جو لا علاج سمجھے جاتے تھے ان کی توجہ
سے زایل ہو جاتے تھے۔ ۱۸ جون ۱۸۴۷ء کے روز ناچہ کے مطابق مرزا مظفر بہادر کی

۱۔ دہلی کی یادگار ہستیاں ص ۳۵۰ بحوالہ اقبال نامہ جہانگیری ص ۱۷

۲۔ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۱۸۳

۳۔ مرآت الاشبہ ص ۶۷

۴۔ آثار الصنادید ص ۵۱ و ۵۲ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۲۰۶

مختاری کا عہدہ حکیم غلام نجف خاں کو مرحمت کیا گیا، اور ان کو خلعت پنج پارہ اور سرہ قم جو اہر حضور انور کی طرف سے عطا کیا گیا۔

مرزا غالب سے حکیم صاحب کا مہر و محبت کا رشتہ تھا، غالب کے متعدد خطوط ان کے نام ہیں ایک خط میں غالب نے ان سے کسی کی سفارش کرتے ہوئے لکھا ہے ”حکیم غلام نجف خاں سنو اگر تم نے مجھے بنایا ہے یعنی اسناد اور باپ کہنے ہو یہ امر سے اذروئے نیک تو خیر اور اگر اذروئے اغتقاد ہے تو میری عرض مانو اور میرا سنگھ کی تقصیر معاف کرو۔ بھائی انصاف کرو اس نے حکیم حسن اللہ خاں سے رجوع کی اور وہ تمہارے بھائی بھی ہیں اور تم کو ان سے استفادہ بھی ہے۔ اگر گھبرا کر حکیم محمود خاں کے پاس گیا تو ان کے باپ (حکیم صادق علی خاں) سے تم کو نسبت نلہد ہے، ابتدا میں ان سے پڑھے ہو۔ پس یہ غریب سوائے تمہارے اگر گیا تو تمہارے ہی علاقہ میں گیا۔ وہ بھی گھبرا کر اور خفقان سے تنگ آ کر اب جو حاضر ہونا ہے تو لازم ہے کہ اس پر بہ نسبت سابق توجہ زیادہ فرماؤ اور بدل اس کا معاالجہ کرو۔ الطاف کا طالب غالب۔ غلام نجف خاں کا دہلی میں انتقال ہوا، قدم شریف میں دفن ہیں۔

حکیم رکن الدین خاں

رکن الدولہ حاذق الملک حکیم رکن الدین خاں بہادر دہلی کے ممتاز اور صاحب اثر لوگوں میں تھے۔ اور شاہی خطاب کا اعزاز رکھتے تھے۔ فارسی اور اردو میں خاص کر فارسی میں شعر کہتے تھے، مہرز انبگین بیگ نے دربیہ خرد میں ان کی حویلی کا ذکر کیا ہے۔

۱۸۵۷ء کا تاریخی روز ناچھ ص ۲۰۵

۱۸۵۷ء کا تاریخی روز ناچھ ص ۲۰۵

۱۸۵۷ء کا تاریخی روز ناچھ ص ۲۰۵

حکیم مرزا رحیم بیگ رحیم

حکیم مرزا رحیم بیگ رحیم شاہ جہاں آباد کی ولد مرزا ایبر بیگ نے ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء میں میرٹھ پہنچ کر حکمت مآب کمالات انتساب حکیم بوعلی خاں کی خدمت میں تحصیل طب کی حکیم صاحب نے اہلیت ذاتی پر نظر کر کے فرزندگی میں لیا اور شفقت پدراہ ان کے حال پر کی۔ محمد بخش نادان کے شعر و سخن میں تشاگرد تھے پہلے شرر نخلص تھا بعد میں رحیم اختیار کیا، ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء میں حسب فرمایش حکیم احسن اللہ خاں قصص الانبیا کو نظم کیا تھا یہ شعر و سخن کا مذاق شستہ تھا، فارسی شعر بھی خوب کہتے تھے، آخر میں سردھنہ میں قیام رہا ہے

حکیم عبد اللہ خاں منتظر

حکیم خواجہ عبد اللہ خاں محمدی خاں کے بھتیجے تھے، دہلی کے کامیاب طبیبوں میں گنے جانے تھے، منتظر تخلص تھا، سکتے کے عارضہ میں انتقال ہوا ہے

حکیم سکھاندر قم

حکیم سکھاندر صاحب پایہ ارجمند دہلی کے کابینہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے

۱۔ گلستان سخن ص ۲۴۱

۲۔ مخزنہ جاوید جلد ۳ ص ۳۷۴

۳۔ یادگار شعرا ص ۱۶۷ (بحوالہ شورش)

محلہ دھرم پورہ میں سراؤگیوں کے بڑے مندر کے قریب رہتے تھے۔ فضیلت علمی کے ساتھ شعر بھی عمدہ کہتے تھے۔ فن طبابت میں وجید العصر اور صناعت شعر میں شاہ نصیر سے مستفید تھے۔

مرض کی تشخیص کا یہ عالم تھا کہ صورت دیکھ کر مرض کو دریافت کرتے تھے۔ ایام ضعیفی تک فارغ البالی سے زندگی بسر کرتے رہے۔ علم نجوم اور رمل میں بھی عمدہ مہارت تھی۔ اس فن کو حکیم مومن خاں سے کسب کیا تھا، کتب درسیہ فارسی و عربی مختلف اساتذہ سے پڑھیں اور مدت تک طالبان کمال کو پڑھائیں، حق پسند و حق شناس، وجاہت ظاہری و باطنی سے پرستہ تھے۔ وضع ایسی رکھتے تھے کہ خاص و عام کی نظروں میں ادب و احترام قائم کرتی تھی۔ خوش پوشاک، خوش وضع، خوش اخلاق، ظریف الطبع اور شکیل آدمی تھے۔ اپنے اسناد مومن خاں کا ایسا ادب کرنے تھے جیسے کوئی بیٹا باپ کا کرتا ہے، ان کمالات پر مزاج میں مسکینی بہت تھی۔ ہر فرد بشر کے ساتھ خلوص سے پیش آتے تھے۔

بعد ایام غدر بسبب دلشکنی و مایوسی امور دنیوی دست بردار ہو گئے تھے، خانہ نشینی اختیار کی تھی البتہ مطلب جاری تھا، ۴۳ برس کی عمر میں ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء انتقال کیا۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور خوب پڑھتے تھے۔ دیوان تو غدر میں تلف ہو گیا تھا مگر صدہا کاغذات پر ان کا کلام ان کے بیٹے کے پاس موجود تھا۔ حکیم سکھانند کے ہاں شعر اور اہل علم کی آمدورفت رہتی تھی۔ محمد حسین آزاد نے لکھا ہے کہ انہوں نے لالہ گھنشیام داس عاقبی کو جو شاہ نصیر کے شاگرد تھے دہلی میں سکھانند کے مکان پر دیکھا تھا۔

۱۔ گلستان سخن ص ۲۴۷ سخن شعر ص ۱۹۰

۲۔ دہلی کی آخری نغمہ ص ۳۱

۳۔ مخزنہ جاوید جلد ۳ ص ۲۹۲ - ۴۔ آب حیات ص ۲۶۰

حکیم امیر سنگھ

حکیم سکھانند کے پوتے تھے۔ ان کا شمار دہلی کے نامور طبیبوں میں تھا۔ یہ مدرسہ طبیبہ کے پہلے ہندو سند یافتہ اور حکیم عبدالمجید خاں کے رشید تلامذہ میں تھے۔ انہوں نے اپنے آبائی مطب کی جانشینی کے فرایض انجام دیتے رہے۔

حکیم سید منور علی آشفنتہ

حکیم سید منور علی خلف سید علی نواز رضوی دہلی میں پیدا ہوئے۔ فن طب میں دست بلند اور پایہ عالی رکھتے تھے، بلند فکر تھے، بلکہ اس فن میں انہیں حکیم غلام حیدر خاں سے جو مشاہیر اعیان دہلی میں تھے، استفادہ کا موقع ملا تھا۔
باطن اور کرم الدین نے بھی طب میں ان کی اچھی مہارت کا ذکر کیا ہے۔ فن شعر میں شیفنتہ کے علاوہ مومن سے بھی تلمذ تھا، تخلص کی تاثیر سے آشفنتہ مزاج اور شوریدہ طبع تھے۔ مزاج میں پیدائشی طور پر بے باکی تھی، نہایت ذکی و فہیم اور فن سخن سے قدرتی مناسبت رکھتے تھے، ان کی طبیعت کی رسائی، فکر کی استقامت اور ذہن کی تیزی کی سبھی نے تعریف کی ہے۔ کرم الدین سے ۱۸۴۶ء میں میرٹھ میں ملاقات

۱۔ مخزنہ جاوید جلد ۲ ص ۴۹۵

۲۔ بزم سخن ص ۲۱

۳۔ گلشن بے خار ص ۱۴

۴۔ گلستان بے خزاں ص ۱۰ طبقات شعرا تہ ہند ص ۳۵۸

۵۔ گلستان سخن ص ۱۲۲

ہوتی تھی اس نے ان کو بہت ذی ہوش اور عقلمند لکھا ہے اور چالیس برس کے قریب
 عمر بیان کی ہے۔ صاحب خم خانہ جاوید کے مطابق ۶۱۸۰۸ کے آس پاس یہ پیدا ہوئے
 تھے، اسپرنگر کی تالیف کے وقت یہ زندہ تھے۔ میرٹھ میں رہ رہے تھے۔ اور
 سررشتہ دار کے عہدہ پر فائز تھے۔

حکیم عبد الکریم سوز

امام بخش صہبائی کے بیٹے تھے۔ پدر بزرگوار سے کتب درسی فارسی کی تحصیل کی۔
 اس کے بعد علوم عربیہ کو تحقیق اور دقت نظر سے پڑھ کر طب کی تکمیل کی، اور دہلی میں
 طبیب اور شاعر کی حیثیت سے شہرت پائی۔ گلستان سخن میں سوز کے متعدد
 شاعر دوں کا تذکرہ ہے۔ ان کے شاعر دوں میں محمد یعقوب نسیم (گلستان سخن ص
 ۲۵۷) میر قلی علی دہلوی (سخن شعرا ص ۳۳۵) رحیم بخش طرب (ایضاً ص ۳۰۲)
 حکیم مزار رضا قلی آشفتنہ (ایضاً ص ۲۸) ابن حکیم محمد شفیع اکبر آبادی (فردوس علی
 خاں سخن شعرا ص ۵۰) وغیرہ ہیں۔

حکیم اکرام الدین لاند

حکیم عبد الکریم سوز خلیفہ امام بخش صہبائی کے ماموں زاد بھائی تھے۔ سوز

۱۔ لطائف شعرائے ہند ص ۳۵۸

۲۔ مخزنہ جاوید جلد ۱ ص ۷۲

۳۔ یادگار شعرا ص ۱۴

۴۔ سخن شعرا ص ۲۹ ۵۔ گلستان سخن ص ۲۶۹

سے ہی تلمذ تھا۔ طب میں دخل رکھتے تھے۔ ایام غدر میں جوان قضا کر گئے۔

حکیم محمد عبدالحکیم بسمل

جالینوس زمان بفراط دوران حکیم پیر بخش کے بیٹے اور فاضل عصر امام بخش مہیائی کے بھتیجہ تھے۔ فارسی میں ملکہ حاصل تھا۔ کامل طبیب تھے، مرزا قادر بخش صابر نے انہیں وجہہ خوش قیادہ فصیح زبان پاک طینت اور صاف دل لکھا ہے۔ اور ان کے کلام میں خوبی معنی، خوش اسلوب نثر، اکیب اور حسن استعارہ کی تعریف کی ہے۔ صاحب بزم سخن کے مطابق معتبر شاعر تھے، کلام پختہ تھا، فن طب اور حکمت میں دخل رکھتے تھے۔

حکیم غلام حسین بیدل

حکیم خواجہ غلام حسین بیدل خلف حکیم خواجہ محمدی خاں نیر خواجہ رحمت اللہ خاں باطن حکیم زادہ ہونے کی وجہ سے طب سے طبی مناسبت تھی۔ غدر کے بعد چند سال تک دہلی میں مطب کرتے رہے، شاعری میں عبد الرحمن خاں احسان کے شاگرد تھے۔ کلام کے دیکھنے سے طبیعت کی پختگی اور مشافی کا پتہ چلتا ہے۔

۱۔ مخزن جاوید جلد ۲ ص ۵۱۷

۲۔ سخن شعرا ص ۴۴

۳۔ گلستان سخن ص ۱۵۰ ۴۔ بزم سخن ص ۳۸

۵۔ گلستان سخن ص ۱۶۰ نسخا نے خواجہ رحمت اللہ کا تخلص ناظم لکھا ہے (سخن شعرا ص ۷۵)

۶۔ مخزن جاوید جلد ۱ ص ۶۷۱

حکیم میر علی جان

حکیم میر علی جان اپنے زمانہ میں دہلی کے ممتاز طبیبوں میں تھے۔ ان کے والد حکیم مہتاب خاں کا شمار بھی اچھے طبیبوں میں تھا۔ حکیم میر جان کے بیٹے میر نصیر الدین عرف میر نواب نیز میں سخن تھے۔ نواب نخلہ تھا۔ ناسخ سے شاعر دی کا افتخار رکھتے تھے آخر میں بنارس قیام رہا۔

حکیم محمد احسن خاں احسن

حکیم محمد احسن خاں حکیم محمد احسن خاں کے بیٹے اور دہلی کے نامور اطباء میں تھے۔ مرزا قربان علی بیگ سالک کے شاگردوں میں درجہ اختصاص رکھتے تھے، عین جوانی میں ۱۸۷۲ء میں انتقال کیا۔ ان کے بھائی حکیم محمد احسن خاں بھی طبیب تھے۔ یہ بھی جوانی میں رخصت ہوئے۔

حکیم میر اکبر علی فروغ

میر شمس الدین فقیر کے شاگرد تھے، طب اور نجوم میں بہت دخل تھا، میت میں بھی اچھی استعداد تھی، اردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔

۱۔ سخن شعرا ص ۵۳۳ ۲۔ مخزن جاوید جلد ۱ ص ۱۷۳

۳۔ یادگار شعرا ص ۳۲۷ (بحوالہ علی ابراہیم و عشقی)

۴۔ لطائف شعرائے ہند ص ۳۰۹ سخن شعرا ص ۳۶۶

حکیم شیخ رحیم بخش طربت

رحیم بخش طربت شیخ نور محمد تھانویسری کے نواسہ تھے۔ فارسی کتابیں امام بخش صہبائی سے پڑھی تھیں۔ فن شعر میں حکیم عبدالکریم سوز سے تلمذ تھا۔ غدر کے بعد زندہ تھے اور طبابت کے ذریعہ بسر اوقات کرتے تھے، ڈیوڑھی صاحبہ محل میں ان کی طرف سے بزم مشاعرہ بھی منعقد ہوا کرتی تھی۔

حکیم مرزا محمد علی بیگ عاقل

حکیم صاحب قادر الکلام شاعر اور مضمون آفرینی اور لطف زبان میں مشاق تھے۔ ان کا دیوان معصوم علی خاں سوختہ نایب تحصیلدار علی گڑھ کی حسب فرمائش آگرہ میں چھپا تھا، ایک واسوخت بھی ان کی یادگار ہے۔

حکیم غلام علی جیدری

حکیم غلام علی جیدری معروف بہ شیخ جمعہ دہلی کے باشندہ تھے آخر میں پٹنہ چلے گئے تھے۔ شعر و شاعری کا سلسلہ رہتا تھا۔ عشقی نے انہیں اچھا طبیب بتایا ہے اور حسین آباد میں قیام کا لکھا ہے۔

۱۔ مخزنہ جاوید جلد ۵ ص ۴۴۱ ۲۔ ایضاً جلد ۵ ص ۵۵۴

۳۔ یادگار شعرا ص ۶۶ (بحوالہ علی ابراہیم)

۴۔ ایضاً ص ۶۶ (بحوالہ تذکرہ عشقی)

حکیم مولوی عبدالقادر

حکیم مولوی عبدالقادر مولوی عبدالخالق کے بڑے صاحبزادہ اور دہلی کے مشاہیر میں تھے ان کے چھوٹے بھائی مولوی عبدالرب جامع مسجد سہارنپور کے بانی ہیں۔ مولوی عبدالقادر محلات شاہی کے امام اور بیگم ولی عہد کے استاد تھے قلعہ میں بڑی عزت تھی طبیب تھے علم طب باقاعدہ پڑھا تھا لیکن مطب نہیں کرتے تھے۔ یوں علاج معالجہ سے انکار بھی نہ تھا مولوی عبدالحامد خان بہادر ڈپٹی کلکٹر ان کے بیٹے اور شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد ان کے داماد تھے بلکہ

حکیم حسام الدین

۱۸۵۷ء کے بعد حکیم ذکاء اللہ خاں کے صاحبزادہ حکیم حسام الدین عرف منجھلے صاحب نے خاندان کا نام روشن کیا اور نہ صرف دہلی بلکہ اطراف و جوانب ہند میں اپنی خدا داد قابلیت کا سکہ بٹھایا انہوں نے کبھی فن طب میں متعدد گراں قدر تصانیف چھوڑیں جو طالبان فن کے لیے چراغ راہ ثابت ہوئیں۔

مرات الاسبابہ کے آخر میں چند طبیوں کے احوال درج ہیں اس میں حکیم حسام الدین کو حکیم نجف بخش خاں کا خلف لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔ حکیم حسام الدین کا رنگ طبیب بافرہنگ فلاطون زماں حکیم حسام الدین خاں عرف حکیم منجھلے صاحب کا خلف الصدق حکیم نجف بخش خاں مرحوم و مغفور بہ صاحب بنفش شناسی میں یگانہ

۱۔ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۲۱۳

۲۔ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۱۸۷

اور مرض دانی میں مشہور زمانہ ہیں۔ بیشتر علاج آنکھوں کا کرتے ہیں۔ نابینا کو چشم
زدن میں بینا کرتے ہیں۔ گل زگس ان سے چارہ چاقاں چاہے تو بجاہے اور صنوبر
علاج خفقان کے واسطے ان سے رجوع لاتے تو زیبا ہے۔

حکیم صاحب خاندان بقائی کے پہلے فرد ہیں جنہوں نے آنکھوں کے علاج میں
شہرت پائی۔ اور یہ روایت بعد میں ان کے خاندان کا طرہ امتیاز بنی۔

حکیم حسام الدین دہلی میں فنی اور وفاہی کاموں میں پیش پیش رہتے تھے۔
پندرہ روز مرقع تہذیب لکھنؤ کی ۵ نومبر ۱۸۷۳ء کی اشاعت کے مطابق ”دہلی میں
حکیم محمود خاں اور حکیم حسام الدین صاحب حکمائے یونانی نے غربا کی تیمارداری
کے واسطے چارہ دوکائیں عطاری کی مقرر فرمائی ہیں۔ یہاں سے غربا کو دوا مفت
ملا کرے گی۔“

حکیم اسد علی خاں

حکیم ذکار اللہ کے صاحبزادہ اور ذی علم طبیب تھے۔ ان کے مطب میں مریضوں
کا اس قدر مجمع ہوتا تھا کہ طلبہ تشخیص و نسخہ نویسی کے لیے اس میں حاضر ہتے تھے
اور انہیں وہاں عملی مشق کا موقع ملتا تھا۔ دہلی کے مشہور طبیب حکیم بدر الدین خاں کے
متعلق ملتا ہے کہ انہوں نے تین برس ان کے مطب میں استفادہ کیا۔ ان کے
صاحبزادہ حکیم یوسف حسین خاں صاحب درس و افتادہ تھے، حکیم بدر الدین نے
ان سے قانونی پڑھا تھا۔ اپنے زمانہ میں حکیم یوسف حسین خاں اور ان کے

۱۔ مرآت الانبیاء ص ۶۷ ۲۔ تاریخ صحافت جلد ۲ ص ۵۰۲

۳۔ امتحان الالباب لکافتہ الالباب ص ۲۸۱

۴۔ ایضاً ص ۲۱۹

بھائی حکیم شجاعت علی خاں، خاندانی بقائی کے ممتاز طبیبوں میں گنے جاتے تھے۔
حکیم محمد یوسف حسین خاں کے شاگردوں میں حکیم جمشید علی خاں اختر (جے پور) قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے حکیم محمد سلیم خاں اور حکیم بدر الدین خاں سے بھی استفادہ کیا تھا۔

حکیم مرزا منور علی خاں

حکیم مرزا منور علی خاں کے جد امجد نواب علی مردان خاں رئیس قندھار شاہجہاں کی دعوت پر ہندوستان آئے، شاہ جہاں کے حکم سے دارا شکوہ نے ایک لاکھ روپیہ ان کے اوپر سے پنچا اور کیا۔ ان کے ساتھ تین ہزار پیشہ ور اور اہل سحر اور ڈیڑھ سو علما آئے، انہی دستکاروں کے ہاتھوں جامع مسجد دہلی اور تاج محل کی تعمیر ہوئی۔ ۱۰۲۸ھ/۱۶۳۸ء میں نواب علی مردان خاں جب دہلی پہنچے تو بادشاہ نے نیم قدموں پر مصافحہ کیا۔ ہفت ہزار می ہفت ہزار سوار منصب تھا۔ ۱۰۶۲ھ/۱۶۵۳ء میں شاہ جہاں نے دہلی میں ان کے مکان پر قدم رنجہ فرمایا تھا۔ علم نجوم کے ماہر تھے۔ ان کی کتاب الشمس والقمر کا مخطوطہ رضالا تبریری راپور میں موجود ہے۔

حکیم مرزا منور علی خاں کے والد مرزا شہوار خاں معتمد الملک ثابت جنگ تھے۔ حکیم صاحب نے فارسی کتب امام بخش صہبائی سے اور عربی درسیات مولانا فضل خیر آبادی سے پڑھی تھیں۔ طب میں حکیم احسن اللہ خاں کے شاگرد تھے۔ اور وہ ان پر خاص توجہ فرماتے تھے۔ حکیم احسن اللہ خاں جب شاہی معالجہ میں مصروف ہوتے تو دارالشفاکا مطب ان کے اور حکیم غلام بخش خاں کے سپرد کرتے تھے۔ حکیم مرزا منور بڑے ذہین و ذکی تھے۔ حکیم محمد سلیم خاں داروغہ خیر سے بہت

دوستی تھی۔ انہوں نے ایک روز کسی مریض کا قارورہ ان کے معائنہ کے لیے بھیجا اور حامل قارورہ سے کہا کہ مریض کا کوئی حال نہ بتانا۔ حکیم صاحب نے قارورہ پر نظر ڈالی اور کہا کہ اس عورت کو اسقاط ہوا ہے اور کزاز کا اندیشہ ہے، چتا پنچہ دوسرے روز کزاز ہو گیا اور پانچ گھنٹہ بعد وہ عورت فوت ہو گئی۔

حکیم صاحب ۱۸۵۷ء کے بعد جے پور چلے گئے تھے۔ مہاراجہ سوانی جے سنگھ نے یکدم ان فوج منقرہ کر دیا تھا، اس ذمہ داری کے ساتھ مطب کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ جے پور منتقلی میں غالباً حکیم محمد سلیم خاں سے تعلق کو دخل تھا، جنہیں جے پور میں مہاراجہ کے ہاں بڑا مرتبہ اور اعزاز حاصل تھا۔ ۱۳۰۷ھ ۱۸۸۹ء کو فوت ہوئے تھے۔

محمد منور علی خاں یکدم ان	حق آگاہ و حق جو و حق گو و حق داں
سوئے گلشن قدس اللہ گویان	جو فرمودہ رحلت ازیں دار فانی
منور علی خاں مقبول یزدان	شنیدم اختر کہ میگفت ہائف

حکیم احمد علی احمد

دہلی کالج میں فارسی کے استاد اور دہلی کے مشہور طبیب تھے۔ مرزا قادر بخش صابر کے مطابق، ہر چند جمیع علوم میں دستگاہ تمام ہے لیکن فن طبابت میں یدِ طولیٰ اور تشخیص امراض میں حدس صاحب ایسے کہ بیماری زگیس کی علت اور سوسن کی گونگی زبان کا سبب دریافت کرنا ایک کارِ سہل ہے، سوائے نیکمیل مدارج علمی کے اخلاق پسندیدہ اور اوصاف جمیدہ اس طرح اس مجمع کمالات کی ذات میں فراہم ہیں کہ کتب اخلاق اگر تمام عالم سے محو ہو جائیں اس کی گفتار و کردار سے ہر کتاب کے بدلے

لے دہلی کی یادگار شخصیتیں ص ۱۲۰

۲۲۱ ص ۲ جلد ۲ ص ۲۲۱

ایک اور کتب خانہ متن و شرح کا بہم ہو سکتا ہے، گاہ گاہ فکر شعر بھی دامنگیر ہے۔ اردو اور فارسی دونوں میں شاعری کرتے تھے۔ چشمہ فیض کے نام سے اردو کی قواعد پر ایک کتاب لکھی تھی۔

حکیم سید محمد سعید اختر

حکیم سید محمد سعید سید عبدالمجید کے بیٹے تھے، قدیم وطن دہلی تھا۔ ۱۸۵۷ء میں دہلی چھوڑ کر قبضہ نوئی جو دہلی سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے سکونت اختیار کرنی پڑی۔ ننھیال سکندر آباد تھا، وہاں عربی فارسی کی تعلیم پانے کے بعد فن طب کی تحصیل کی۔ طب میں مہارت حاصل کر کے سکندر آباد ہی میں طب کرتے رہے۔ شاعری میں اپنے ماموں قاضی غیاث الدین خورشید سے مشورہ کرتے تھے۔ چند ناول بھی لکھے جو جہاں نما اور دیگر اخبارات میں ہفتہ وار شائع ہوئے۔ رسالہ بدیعنا کے کئی برس اڈیٹر رہے ان کے شاگردوں میں قمر سکندر آبادی اور وحشت شاہ جہاں پوری صاحب دیوان تھے۔

حکیم غلام محمود خاں

حکیم محمود خاں اخلاق جمیدہ کی تصویر، شرافت و نجابت کا مجسمہ، فخر شہر، فرشتہ خصال۔ جب دلی کا جہاز بنا ہی میں آیا ہوا تھا، جب سیلاب بلا، گرداب فنا کے پھیپھڑوں

۱۔ گلستان سخن ص ۱۳۵

۲۔ دہلی کی یادگار ہستیاں ص ۸۹

۳۔ مخزن جاوید جلد ۳ ص ۵۵

نے اس بیڑے کے ٹکڑے اڑا دیئے تھے۔ اس کا ایک ایک تختہ نذر امواج تڑاؤں
 تھا۔ کسی کو بھی کسی کا سہارا نہ تھا۔ ناخداہمت ہار چکے تھے، ملاخوں کو اپنی اپنی بڑی تھی۔
 یہ کہہ کر اسخ مرد میدان جو دی پہاڑ پر تھا۔ نوح بھی کشتی بھی تھا، ملاح بھی بے ٹھکانوں
 کا ٹھکانا، بے سہاروں کا سہارا۔ دلی کی مٹنی ہوئی تہذیب کی امٹ یادگار، جب
 دلی میں غدر پڑ رہا تھا، اس شہر کو مصیبتوں نے گھیر رکھا تھا، زمانہ دلی والوں کا دشمن
 تھا، سر چھپانے کو بھی انہیں کہیں ٹھکانا نہ تھا۔ اس وقت اس مرد شریف نے ان پر وہ
 احسانات کئے، میں جن کے حق سے دلی والے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

حکیم محمود خاں کے بھائی حکیم غلام مرتضیٰ خاں پٹیالہ سے وابستہ تھے اور خود حکیم
 محمود خاں ریاست جند سے منسلک تھے۔ انگریزوں کے دہلی پر قبضہ کے وقت
 ان ریاستوں کی فوجیں ان کے ساتھ تھیں، ان کے فرمانرواؤں نے انگریزوں سے
 وعدہ لیا تھا کہ شریف منزل کی حفاظت کی جائے گی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے لرزہ خیز مناظر حکیم محمود خاں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے
 طوائف الملوک کے اس دور میں انہوں نے عوام کے ساتھ بڑی ہمدردی کا روناؤ
 کیا۔ معمولی شبہ میں لوگ پکڑ لیے جاتے تھے اور ان کی جائداد اور مال و اسباب ضبط کر لیا
 جاتا تھا، ہمارا جہ پٹیالہ کی فوج کی وجہ سے شریف منزل دلی کے مظلوم باشندوں کی
 بنائے پناہ تھی، لاکھوں کی امانتیں بھی حکیم محمود خاں کے پاس جمع ہو گئی تھیں جن کو امن ہونے
 کے بعد نہایت دیانت داری کے ساتھ انہوں نے مالکوں کے حوالہ کیا، حکومت کو
 اطلاعات مل رہی تھیں کہ ان کے ہاں بڑی تعداد میں لوگ چھپے ہوئے ہیں ممکن ہے
 ان میں کچھ باغی بھی ہوں۔ اس نازک وقت میں کسی کے ساتھ رعایت ممکن نہ تھی۔
 حکیم محمود خاں کو بھی گرفتار کیا گیا۔

لہ دلی کا سنبھالا ص ۳۱ و ۳۲

لہ اجمال خاں ص ۱۲۵

۲ فروری ۱۸۵۸ء کو حاکم شہر چند سپاہیوں کے ساتھ آیا اور حکیم محمود خاں کو جن کی موجودگی سے لوگوں کو بڑا سہارا تھا، دوسرے ساتھ آدمیوں سمیت اپنے ساتھ لے گیا۔ لیکن آبرو والوں کی آبرو کا بھی خیال رکھا گیا حکیم محمود خاں اور چند دوسرے معززین کو تین روز کے بعد جانے کی اجازت مل گئی۔ چند آدمی ایک ہفتہ کے بعد رہا ہوئے اور اپریل ۱۸۵۸ء میں باقی لوگ بھی چھوڑ دیے گئے۔

حکیم محمود خاں اپنے خاندانی علمی اور طبی کمالات اور باطنی خوبیوں کے سبب تمام ہندوستان میں مشہور اور ہر دلعزیز تھے، انہوں نے شریف منزل کی شہرت کو سابقہ نشان سے باقی رکھا، دور دور سے لوگ علاج کے لیے آتے اور شفا یاب ہو کر واپس جاتے۔ انہوں نے ایسی قابلیت سے خاندانی مطب سنبھالا اور حد اقل دو مہارت فن کے وہ معجزے دکھائے کہ غیر ملکی حکومت کے عروج و اقبال کے زمانہ میں طب یونانی کا چراغ روشن رہا، وہ جامع معقول و منقول، حاوی فروع و اصول اور نفس شناسی اور مرض دانی میں بے عدیل و بے نظیر تھے۔

حکیم صاحب کی پیدائش ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء کو ہوئی تھی، اپنے والد اور خاندان کے بزرگوں سے طب کی کتابیں پڑھیں، ان کی تصانیف میں ضیاء الایضار کا نامہ عشرت اور قانون شریفی ہیں۔ انہوں نے زندگی بھر بلاناغہ اپنا روزنامہ لکھا تھا۔ افسوس یہ روزنامہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تبرک کی طرح ان کی اولاد میں تقسیم ہو گیا۔

دہلی اردو اخبار کی ۵ دسمبر ۱۸۸۴ء کی اشاعت میں حکیم محمود خاں کے ایک کامیاب علاج کی خبر شایع ہوئی ہے۔ "جے پور کے خطوط سے واضح ہوتا ہے کہ راؤ بھوم صاحب راج بہت بیمار تھے اور امراض اس طرح کے منقادہ تھے کہ مدت مدید سے ان کا دفعیہ مشکل تھا، حکیم محمود خاں سے رجوع کیا۔ سوا ڈیڑھ مہینہ ان کا علاج ہوا تھا جو عنایت

لے غالب نامہ ص ۷۸

لے مرآت الانبیاء ص ۶۶

الہی سے کامل صحت ہو گئی۔ اور انہیں بر حال کو غسل صحت کیا۔ حکیم صاحب موصوف کو خلعت
بیش قیمت پانچ پارچہ کا دو تھالا سات سو روپیہ کا سونا لگا ہوا بطریق انعام دیا گیا۔ یہ
۲۲ برس کی عمر میں ۱۸۹۲/۱۳۰۹ بعارضہ فالج وفات پائی۔ ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء تاریخ پیدائش
تھی۔ سید حسن رسول نما میں دفن کئے گئے، مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے تین شعر کہے تھے
جولوہ حزار پر کندہ ہیں۔

بکت العیون اما ترید جمودا	أبکت شریفا صادقا محمودا
أسفت لفقہ الطب عمر قرانہ	فاست وصل باسا تحس فقیدا
أملت علی متواد یوم معادہ	قبر الذی فی الطب کان جمیدا

مولانا حالی کا مرتبہ ان کی وفات کا مرتبہ نہیں، علم دفن کا مرتبہ ہے، حد اقت و کمال
اور شرافت و تہذیب کا مرتبہ ہے اور سب سے بڑھ کر دہلی مرحوم کا مرتبہ ہے سے
اے جہان آباد اے اسلام کے دارالعلوم، اے کہ تھی علم و ہنر کی تیرے اک عالم میں دھوم
تھے ہر در تجھ میں اتنے جتنے گردوں پر نجوم
زیب دیتا تھا لقب تجھ کو جہاں آباد کا
نام روشن تجھ سے تھا غرناطہ و بغداد کا
تیری طینت میں ودیعت تھا مذاق علم و دین
ہند میں تھا جو محدث تھا و دیر خوشہ چین
تھا نفقہ بھی مسلم تیری خاک پاک کا
بیہقی وقت تھا ایک ایک فقہ اس خاک کا
لب میں گو یونانیوں کا سب آگے تھا قدم
جب کہ تو آباد تھا دنیا میں اے باغ ارم
آن کر اس نے لیا تھا دوسرا تجھ میں جنم
بھرتے تھے تیرے اطبا بھی میحائی کا دم

ہند میں جاری تھی سے طب یونانی ہوئی
شہر شہر اس جنس کی یاں تھ سے ارزانی ہوئی
لکے ساتھ اسلام نکلا تھا عرب سے جو علوم
جن میں تھی اسلامیوں کی چار سو عالم میں دھوم
دولت و اقبال کا جب تک رہا تھ پر ہجوم
کینٹیوں پر تیری ابر آتے تھے ان کے جھوم جھوم
آئی گلشن میں نہ تیرے بھول کر فصل خزاں
تیری سرحد میں رہا ہے علم و دانش کا سماں
دور آخر میں کہ تیرا تیل تھا سب جل چکا
بھٹتے بھٹتے تھا کچھ اک تو نے سنبھالا سا لیا
خاک نے یاں پھر تیری اگلے وہ لعل بے بہا
جن سے روشن ہو گیا کچھ دن کو نام اسلاف کا
عہد ماضی کا سماں آنکھوں میں سب کی چھایا گیا
خواب جو بھولا ہوا مدت کا تھا یاد آ گیا
جاہ و مکت قوم کی گو تھ میں کچھ باقی نہ تھی
پر نہ کی عرض ہز میں تو نے اب بھی کو تھی
اس بزرگی سے گزاری تیرھویں تو نے صدی
پھر گئی آنکھوں میں پھر تصویر دور اکبری
علم دین و شعر و حکمت طب و تاریخ و نجوم
ڈال دی پھر تو نے اپنی چار سو ہر فن میں دھوم
علم والے علم کے دریا بہا کر چل دیے
واعظان قوم سوتوں کو جگا کر چل دیے
کچھ سخنور تھے کہ سحر اپنا دکھا کر چل دیے
کچھ مسیحا تھے کہ مردوں کو جلا کر چل دیے
ایک تختہ رہ گیا تھا تیری ٹوٹی ناؤ کا
لے گیا سیل فنا اس کو بھی اے دلی بہا
جا چکی تھی تھ سے گواے شہر عظمت قوم کی
ہو چکی تھی آبر و مدت سے رخصت قوم کی
پر کچھ اک محمود خاں کے دم سے تھی پت قوم کی
اٹھ گیا وہ بھی جہاں سے آہ قسمت قوم کی
کیا دکھا کر اب دلائے گا سلف کو یاد تو
ناز کس پر کرے گا اے جہاں آباد تو
اس کا تھا دیوان خانہ ملک کا دار الشفا
خلق کا دن رات رہتا تھا جہاں نانا بندھا

مفت بیماریوں کو اس کے در سے ملتی تھی دوا فکر نذرانہ کا تھا اس کو نہ شکرانے کا تھا

اس کے استغنیٰ سے جھک جاتا تھا سر مغرور کا

اور عنایت سے کنول جاتا تھا کھل مزدور کا

بے حقیقت اس نے سمجھا مال و دولت کو سدا تھے برابر اس کے نزدیک اغنیا اور بے نوا

گوٹیب اور ڈاکٹر تھے شہر میں بے انتہا کوئی مقلس کا نہ تھا پر سان حال اس کے سوا

کرتے ہیں جو دعوتی ہم دردمئی نوع بشر

اس نے باطل کر دیتے تھے ان کے دعوے سر بسر

گو کہ جاتے تھے نٹھانوں میں خاص و عام سب پر الجھ جاتے تھے سخت امراض میں بیمار جب

خلق کا پھر ملجا و ماویٰ اسی کا تھا مطلب اس کے بیماریوں کو گویا یوس ہوں یا جاں بلب

سو رتدیر و معالج کی خطا کا ڈر نہ تھا

موت کا ڈر تھا مگر مہلک دوا کا ڈر نہ تھا

حکیم محمود خاں کی عالی ہمتی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اس شاہکار مرثیہ میں عالی نے کہا ہے۔

وہ زمانہ جب کہ تھا دلی میں اک محشر پیا نفسی نفسی کا تھا جب چاروں طرف غل پڑ رہا

اپنے اپنے حال میں چھوٹا بڑا تھا مبتلا باپ سے فرزند اور بھائی سے بھائی تھا جدا

موجزن تھا جبکہ دریائے عتاب ذوالجلال

باغیوں کے ظلم کا دینا پہ نازل تھا و بال

دیکھ کر یاروں کو جب آنکھیں چرا جاتے تھے یار ساتھ دینا تھا کسی کا موت سے ہونا دوچار

یار سے یار آشنا سے آشنا تھے شرمسار شہر میں کھنی چار سو گویا قیامت آشکار

آگ تھی اک مشتعل ایسی کہ تھا جس سے خطر

جل نہ جائیں اس کے شعلہ سے کہیں سب خشک و ز

مجرم و بے مجرم میں تھا حاکموں کو اشتیاء عدل تھا مجرم کا دشمن اور بری کا غدر خواہ

مجرموں کے جرم پر دیوار و در تھے سب گواہ یر نہ تھا کوئی شفیع ان کا کہ جو تھے بے گناہ

ایسے نازک وقت میں مردانگی اس نے جو کی

اہل انصاف اس کو بھولے ہیں نہ بھولیں گے کبھی

بلیقین جن ملزموں کو اس نے سمجھایے خطا مارشل لایس ثبوت ان کی صفائی کا دیا

چین سے بیٹھانے جب تک ہو گیا اک اک رہا جو کہ تھے نادار، کی ان کی اعانت بر ملا

زردیا کھانا دیا کپڑا دیا۔ ستر دیا

بے ٹھکانوں کو ٹھکانا بے گھروں کو گھر دیا

حکیم صاحب کے جنازہ اور بیوم کی فاتحہ میں لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ اس زمانہ میں اس کی مثال نہیں تھی۔ ان کے انتقال پر دہلی کے شہریوں کی طرف سے ٹاؤن ہال میں ماتمی جلسہ منعقد ہوا تھا۔ اس کی صدارت ڈپٹی کمشنر دہلی نے کی تھی۔ منقرین میں مولوی لطف الرحمن بیرسٹر جو کلکتہ سے خاص تعزیت کے لیے آئے تھے، محمد اکرام اللہ خاں، بالوگر دھاری لال اور ڈپٹی نذیر احمد تھے۔ ڈپٹی نذیر نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ حکیم محمود خاں نے انتقال فرمایا، وہ بھی مفاہات، گویا آسمان سے پہاڑ ٹوٹ پڑا، حکیم محمود خاں سے بھی مشہور طبیب ہو گزرے، میں مکران جیسی شہرت کہ چہار دانگ ہندوستان میں ان کی صداقت کا غلغلہ تھا، میرا خیال ہے کہ منقذ میں میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی، میں ان کی وفات کو قومی بلکہ ملکی مصیبت خیال کرتا ہوں۔ وہ مصیبت ہم دلی والوں پر سب سے زیادہ شاق ہے، دلی میں عالم، مشائخ، ہر فن کے استاد، ہر ہر ہنر کے کامل درجنوں کوڑیوں بابا بے دے کر ایک محمود خاں کا دم رہ گیا تھا۔ صد ہزار افسوس یہ نعمت بھی سلب ہو گئی۔ یہ فخر بھی چھین گیا، یہ چراغ بھی گل ہو گیا۔ حکیم محمود خاں طب یونانی کی صداقت کا بحکم ثبوت تھے، حکیم محمود خاں اور ڈپٹی نذیر احمد کے تعلق سے راشد انجیری نے نغمہ نام کے عنوان سے ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے، وہ لکھنے میں "والد مرحوم نے انتقال سے پہلے حکیم محمود خاں اور ڈپٹی نذیر احمد کی ملاقات کا

حال لکھنا شروع کیا تھا کہ وہ پسماندہ پڑ گئے۔ مضمون کا ذکر دوران گفتگو کچھ اس طرح کیا تھا
 ”محمود خاں جیسا طبیب اب کیا پیدا ہوگا۔ مگر نذیر احمد بھی بے مثل ادیب تھے، وہ
 اپنے فن میں یکتا تھے تو یہ اپنے فن میں بے مثل حکیم صاحب نے مولوی نذیر احمد کی
 طرف کوئی خاص توجہ نہ کی۔ مولوی نذیر احمد کو یہ بات ناگوار گزری۔ حکیم صاحب اور
 سارا مطلب دیکھتا رہا اور مولوی نذیر احمد یہ جاوہ جا۔ نا تمام مضمون کے الفاظ میں
 ”حکیم محمود خاں کی نازک مزاجی ہندوستان بھر میں مشہور تھی۔ ان کا مطلب ایک
 میلہ تھا جہاں سیکڑوں مریض صحت یاب ہوتے تھے۔ نذیر احمد کی تنک مزاجی سے
 کون واقف نہیں۔ اتفاق سے سرسید نے ایک سب جج کو کسی مرضی شکایت کے
 سلسلہ میں دہلی بھیجا اور مولوی نذیر احمد کو لکھا کہ وہ خود حکیم صاحب کے پاس لے جائیں
 محمود خاں حکیم ورتیس تھے، نذیر احمد ادیب و عالم۔ مولوی نذیر احمد مطلب میں داخل
 ہوئے ایک ایسی کرک سے جو مطلب میں گونج گئی کہا السلام علیکم شریف خانی نفاست
 طبع اس کرخستگی کی متحمل آسانی سے نہیں ہو سکتی تھی۔ نہایت دھیمی سروں میں وعلیکم السلام
 کی ایک آواز نکلی اور ختم ہو گئی حکیم صاحب کے مطلب میں اگر شہنشاہ ہفت اقلیم بھی
 موجود ہو تو وہ اس سے بات کریں گے نہ حال پوچھیں گے اور جب تک وار نہ آئے
 نبض نہ دیکھیں گے پلہ

حکیم محمود خاں کے ہاں زندگی کی بلند اور اعلیٰ اقدار ملتی ہیں، دہلی میں معاشرتی اور
 تہذیبی اقدار کے فروغ میں ان کا نمایاں حصہ ہے۔ نفاست پسندی، جمالیاتی ذوق،
 رہن رہن، نشست و برخاست اور آداب و معاشرت کا وہ اعلیٰ نمونہ تھے۔
 حکیم صاحب، ڈار بھی چڑھاتے تھے، دو کلیہ ٹوپی، کرتا، کرتہ پر کچی ملل یا تن زیب
 کا انگرکھا۔ سخت چلے کے جاڑوں میں ایک نیم آستین اور صبح کے وقت ایک پتلی ادنی
 چادر۔ آڑی تراش کا چست پاجامہ۔ یہ ان کا خاندانی لباس تھا جو کم و بیش بعد تک قائم رہا۔

حکیم محمود خاں جیسے خود صاحب کمال، صاحب دل، قوم کے سچے مونس اور مخلص خدمت گزار تھے اسی طرح ان کی اولاد بھی ویسی ہی فاضل، یگانہ روزگار، خاندانی رسم و روایات کی پابند اور ہمدرد دوسر پرست خلائق ہوئی لے

حکیم غلام رضا خاں

حکیم غلام مرتضیٰ خاں کے بڑے صاحبزادہ اور خاندان شریفی کے ممتاز رکن تھے۔ ابتدائی عمر سے درس و تدریس کا شوق تھا۔ درسی کتابوں کے علاوہ قدیم طبی کتابوں پر ان کی گہری نظر تھی۔ بڑے وسیع المطالعہ اور متجرب طبی عالم تھے۔ خاندان کے بزرگوں کی موجودگی میں ان کے درس میں طلبہ کی بڑی تعداد شریک رہتی تھی۔ ان کے تینوں چچا زاد بھائیوں حاذق الملک، حکیم عبد المجید خاں، حکیم واصل خاں اور حکیم اجمل خاں نے ان سے پڑھا تھا۔ اپنے وقت میں اسناد الاساتذہ سمجھے جاتے تھے لے

علاج میں اصول کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ اور قدمائے طرز پر علاج کرتے تھے ایک دن میں سات آٹھ مرلیفوں سے زیادہ نہیں دیکھتے تھے، لیکن ان کے معائنہ پر کافی وقت صرف کرتے تھے، عمر طبعی پر پہنچ کر بعارضہ سرطان و فانت پائی۔ اپنے والد حکیم غلام مرتضیٰ کی طرح ریاست پٹیالہ میں کچھ عرصہ ان کا قیام رہا مولوی بشیر الدین احمد نے ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی کے جن نامی طبیوں کے نام گناہے ہیں، ان میں حکیم غلام رضا خاں بھی شامل ہیں لے

حکیم صاحب خالص علمی آدمی تھے۔ ۱۸۶۵ء میں دہلی سوسائٹی کے نام سے ایک علمی ادبی سوسائٹی قائم ہوئی تھی۔ یہ انجمن ماسٹر پیارے لال آشوب کی مساعی کی بہت

لے بہ دلی ہے ص ۳۰

لے تذکرۃ النخا جگان ص ۱۰۷

لے واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۲۰۷

ممنون ہے اس سوسائٹی کی میٹنگیں ہوتی تھیں۔ اس کی روتداد چھاپنے کے لیے ۱۸۶۶ء میں رسالہ دہلی سوسائٹی جاری کیا گیا تھا، سوسائٹی کی میٹنگوں میں شامل ہونے والے اور مضامین پڑھنے والے دہلی کے مقتدر اور اہل علم حضرات تھے۔ ان میں مرزا غالب، مولانا ذکار اللہ، ماسٹر رام چندر، مولانا حالی، ماسٹر بیارے لال وغیرہ کے علاوہ حکیم غلام رضا خاں بھی شامل ہوتے تھے۔

یکم جنوری ۱۸۶۶ء سے محلہ بلی ماران دیوان خانہ حکیم محمود خاں سے ہفتہ وار اکمل الاخبار جاری ہوا۔ مالک و مہتمم سید فخر الدین تھے۔ یہ اخبار اکمل المطابع میں چھپنا تھا۔ اکمل الاخبار کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حکیم غلام رضا خاں، حکیم غلام نبی، حکیم محمود خاں اور میر فخر الدین کے آپس میں بہت گہرے تعلقات تھے۔ ان کا مشورہ ہوا کہ ایک اخبار نکالا جائے جس کے لیے پریس کا ہونا بھی ضروری ہے چنانچہ اخبار اور پریس کے نام پر غور ہوا اور طے پایا کہ اپنے جد امجد حکیم شریف خاں کے والد حکیم اکمل خاں کے نام پر اخبار جاری کیا جائے اس پریس میں زیادہ تر شریفی خاندان کی مستند کتابیں چھاپنی گئیں۔ علاج الامراض اسی پریس میں چھپی تھی۔ مرزا غالب نے اس اخبار کی اشاعت میں دلچسپی لی تھی۔ مولوی سیف الحق کو لکھا تھا، اقبال نشان سیف الحق کو دعا پیچھے پانچ اشتمار اخبار کی خریداری کے اور تین اشتمار کتاب کی خریداری کے آپ کے پاس پہنچے ہیں۔ چھوٹے صاحب کو ملاحظہ کروائے اور اطراف و جوانب دور و نزدیک دیکھیں جو صاحب کتاب اور اخبار دونوں کے خریدار ہوں وہ دونوں کی خریداری کی اطلاع کا خط میر فخر الدین مہتمم اکمل المطابع کے نام لکھیں، غالب ۲۲ مارچ ۱۸۶۶ء اخبار میں مرزا غالب کے بھی مضامین چھپنے لگے۔ چنانچہ مرزا نے اکمل الاخبار میں اپنا مفصل حال چھپوایا تھا، برہان قاطع کے فیض میں جو اعتراضات و جوابات کا

سلسلہ چلا اس میں اکل الاخبار مرزا غالب کا حامی تھا۔ مرزا غالب نے ۱۹ اپریل ۱۸۶۷ء کے اپنے خط بنام مولوی سیف الحق میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ غالب کے خصوصی تعلق کی بات تھی کہ انہوں نے اردو کے معنی کا حق ملکیت "نور چشم اقبال نشان" حکیم غلام رضا خاں کے حوالہ کر دیا تھا۔ غالب نے راپور سے ایک خط حکیم غلام رضا خاں کے نام لکھا ہے، اس سے غالب کی نگاہ میں حکیم صاحب کی قدر کا اظہار ہوتا ہے "سنو صاحب۔ میں فقیر آزادہ کیش ہوں، دیندار نہیں، مکار نہیں، خوشامد میرا شعار نہیں جس میں جو صفات دیکھتا ہوں وہ بیان کرتا ہوں۔۔۔ تمہارے باب میں میرا عقیدہ یہ ہے کہ اگر بہ مثل میرا کوئی صلی بیٹا ہوتا جیسے تم ہو تو میں اس کو اپنا فخر و شرف جانتا۔ علم و عقل و خلق و صدق و سداد و علم کے جامع، تورع و تقویٰ کے حاوی۔ علم اخلاق میں حکمائے روحانی نے سعادت کے جو مدارج لکھے ہیں وہ سب تم میں پائے جاتے ہیں۔ پروردگار تم کو عمر طبعی عطا کرے اور دولت و اقبال شمار سے زیادہ دے، حکیم غلام رضا خاں دہلی سوسائٹی باعث ترقی علوم ورفاہ کے ممبر تھے۔ اس کے ۱۲ مارچ ۱۸۶۹ء کے جلسہ کے شرکاء کی فہرست میں ان کا نام بھی شامل ہے اس میں غالب کے انتقال پر باہر سے آیا ایک تعزیت نامہ پڑھا گیا تھا۔ یہ

حکیم محمد تقی خاں سوزاں

حکیم محمد تقی خاں دہلوی طبیب حاذق اور شاعر باخبر تھے۔ سوزاں تخلص کرتے

۱۔ تاریخ صحافت جلد ۲ ص ۲۱۸

۲۔ اردو کے معنی ص ۱۸۶۹

۳۔ غالب کے خطوط جلد ۲ ص ۱۳۰

۴۔ احوال غالب ص ۱۹۲

تھے۔ فغان دہلی کے نام سے انہوں نے ایک طویل مسدس لکھا تھا جسے

حکیم میر نادر علی رعد

حکیم میر نادر علی رعد حضرت شہید دہلوی کے پوتے تھے۔ انہوں نے شاہ نصیر کا دیوان چھپوایا تھا، فن تاریخ میں گنجینہ خیال کے نام سے ایک عمدہ کتاب بھی تصنیف کی تھی۔ آخر میں جبر آباد چلے گئے تھے۔

حکیم محمد اسماعیل خاں ذبیح

حکیم محمد اسماعیل خاں ذبیح ابن مولوی ابراہیم خاں لایق طبیب تھے۔ دہلی میں شاعر مہذب تھا۔ اشعار میں ظریفانہ مضامین اکثر لکھا کرتے تھے۔ افضل الاخبار میں کئی برس تک ضمیمہ میں ان کے مضامین نکلتے رہے، نواب احمد سعید خاں طالب جاگیر دار لوہارو کی سرکار میں بھی کچھ عرصہ ملازم رہے۔ اچھے میاں عرفیت تھی اور بریلی سے آبائی تعلق تھا۔

صاحب نختانہ جاوید نے بھی اچھے کامیاب شاعر اور بالکمال طبیب کی حیثیت سے ان کا تعارف کرایا ہے جسے اسی کے ساتھ بہت خلیق اور متواضع تھے۔ شعر کا جملہ

- ۱۔ نختانہ جاوید جلد ۲ ص ۲۸۷
- ۲۔ ایضاً جلد ۳ ص ۲۷۰
- ۳۔ ایضاً جلد ۳ ص ۲۲۱
- ۴۔ سخن شعرا ص ۱۱۵
- ۵۔ نختانہ جاوید جلد ۵ ص ۱۳۱

ان کے مطب میں نظر آتا تھا۔

حکیم محمد حسن خاں شفا

دہلی کے باشندہ تھے۔ ذکانے اپنے زمانہ میں انہیں جوان دیکھا تھا۔

مرزا احمد اختر

مغل شہزادوں میں تھے۔ ان کے والد مرزا دارا بخت میران شاہ آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کے ولی عہد اول تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی سے نکلے۔ ۲۰-۲۵ برس تک داروگیر کے خوف سے گننامی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ شمالی ہند کے مختلف شہروں میں رہنا ہوا، بھوپال میں بھی قیام رہا۔ طب اور تصوف میں متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ قصبہ کرانہ میں عرصہ تک مطب کرتے رہے، آخر میں طب اور تصوف کی کتابوں کی بدولت اجاب کی کوشش سے کوشش دہلی نے دس روپیہ ماہانہ پنشن مقرر کر دی تھی۔ ان کی تصانیف میں سوانح دہلی بھی ہے۔

حکیم نجل رسول خان نجل

حکیم نجل رسول خان نجل ممتاز الدو لہ نواب غلام رسول خاں دہلوی کے بیٹے اور حکیم

۱۔ یہ تھی دلی ص ۱۵۲

۲۔ یادگار شعرا ص ۱۰۱ بحوالہ ذکا

۳۔ مخزنہ جاوید جلد ۱ ص ۲۲۱

آغا جان بیٹش کے شاگرد اور یکنائے زمانے تھے۔ مہاراجہ ہندو راؤ رئیس گوالیار بیٹھ
دہلی کی سرکار میں بزمہ اطباملازم رہے۔ بہت عمدہ خطاط تھے۔ مختلف قسم کے خطوں
میں مہارت تھی اس فن کو خاص محمد امیر پنجہ کش سے حاصل کیا تھا۔ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں
بعمربچاس برس انتقال کیا، ان کے دو شعر ہیں

ہفت اقلیم میں اس شہر کی تھی دھاک بڑی کوئی دنیا میں نہ تھا شہر بان دہلی
ڈھونڈتی پھرتی ہیں آنکھیں ہر جا کیا ہوئے اہل کمال دہلی

حکیم غلام مولیٰ بخش قلی

ان کے بزرگ نادر شاہ کے ہمراہ محمد ان سے دہلی آئے اور کلاں محل میں مقیم
ہوئے، اور پھر واپس ایران نہیں گئے۔ حکیم مولا بخش قاری میں امام بخش صہبائی کے
شاگرد تھے۔ صہبائی کے صاحبزادہ حکیم عبدالعزیز سوزان کے ہم سبق رہے، درسیات
عربی مولوی انتظام علی بہار پوری سے پڑھیں۔ اور طب کی تعلیم حکیم غلام نقشبند خاں
سے حاصل کی۔ شاعری میں مومن خاں سے تلمذ تھا۔ اس طرح دہلی کے مشہور زمانہ
اساتذہ سے انہیں کتاب کا موقع ملا۔

آخر زمانہ میں میرٹھ میں سکونت اختیار کی تھی۔
قلی کیوں چھوڑتا دہلی کو کیوں میرٹھ میں آ رہتا گدائی کے بھروسے پر لٹایا بادشاہی کو
قلی دہلی کے بہت اچھے شاعر تھے۔ میرٹھ کے علمی، ادبی اور دینی حلقہ میں بھی

۱۔ بزم سخن ص ۲۰ سخن شعرا ص ۸۳

۲۔ مرآت الاشباہ ص ۷۰

۳۔ مخزنہ جاوید جلد ۲ ص ۳۹

۴۔ سخن شعرا ص ۳۸۷

دقت کی نگاہ سے دیکھے گئے۔ ان کا شمار ہندوستان کے مشہور طبیوں میں تھا اللہ تعالیٰ نے ہاتھ میں شفا بھی دی تھی۔ فرماتے ہیں سے

اب اٹھایا جین بھائی رہی وجہ معاش
بچ گیا بیمار غم، اور ہو گیا سوا علاج
کیا تعلق پر الطاف حسین حالی، سید احمد دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ اور عبدالحی
بدایونی مولف تذکرہ شمیم سخن نے تقاریظ لکھی ہیں، عبدالحی قلیق کے بارے میں لکھتے
ہیں۔

”زمانہ آخر میں ہر چند بہت شاعر ہوتے، مگر صاحب کمال کا کلام ہمیشہ اپنا جلوہ عیاں
ہی دکھاتا رہا۔ اس کا گواہ دیوان قلیق ہے۔ حضرت حکیم غلام مولا عرف مولا بخش قلیق
میرٹھ کے خطہ میں ایک باکمال سخن ہم سخن سنج شاعر تھے۔ آپ کو تلمذ حضرت مولانا دہلوی
سے حاصل تھا۔ آپ کا کلام صاف دیلیس، محاورات دل پسند و تشبیہات مناسب سے
مملو نظر آتا ہے۔“

مولوی سید احمد نے لکھا ہے ”آپ کے شعروہ تڑپتے ہوتے اور برہنہ ہوتے
تھے کہ کیسا ہی ٹھنڈی طبیعت کا آدمی کیوں نہ ہو تڑپ ہی جاتا ہے۔۔۔ غرض معاملہ
بندی، بلاغت، فصاحت، مناسبت ساری خوبیاں آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔
مرتبہ بھی لکھا تو اس زور کا میاں انیس و دیر کو پورے بٹھا دیا۔ اچھے اچھے سنگدلوں کو
اپنی کیفیت بندی سے آکھ آکھ آنسو رلا دیا۔ رباعیات عمر خیام سے لگا کھاتی ہیں اور
قصاید خاقانی و انوری کا لطف دکھاتے ہیں۔“

۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء کو میرٹھ میں قلیق کا انتقال ہوا، ان کے دوست اور شاگرد
گلاب سنگھ مشتاق میرٹھی نے تاریخ وفات لکھی ہے

مر گیا یکتا عصر کی سن کر

ہر سخنور کا دل دو نیم ہوا

بول مشتاق بے سرا مید

جیف ہے اب سخن یتیم ہوا

قلیق کا دیوان مرتب تھا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی منشی عبد اللہ نے

۱۸۸۳ء/۱۳۰۰ھ میں مطبع انصاری دہلی میں طبع کرایا۔ عبدالحی صفا بدایونی نے

قطو کہا ہے

دیوان وہ خوش نما چھپا ہے
دیوان قلق کا خوش نواسے

مشتاق تھا جس کا ایک عالم
تاریخ طبع صفا یہ لکھو

کنور پال سنگھ سیاب (وفات ۱۸۸۵ء) ان کے ارشد تلامذہ میں تھے۔

حکیم خیر الدین یاس

ساکن دہلی، مومن کے خوشہ چین تھے۔ فاضل طب میں حکیم احسن اللہ خاں کی
توجہ سے مہارت تام اور معالجہ امراض میں دستگاہ تمام بہم پہنچائی تھی۔ فن شعر میں مومن
کے علاوہ ذوق سے بھی اصلاح لیتے تھے۔ جالیبنوس زماں اور بفراہ دواں تھے۔

حکیم مرزا محمد خاں مرزا

سرور شیفتہ اور کریم الدین نے حکیم مرزا محمد خاں مرزا کا تذکرہ کیا ہے اور
انہیں ذوق کا بھانجہ اور مرزا رستم بیگ کا شاگرد لکھا ہے۔

۱۔ دہلی کی یادگار ہستیاں ص ۲۹۲ تا ۲۹۴

۲۔ مخزن جاوید جلد ۲ ص ۸۷

۳۔ گلشن بے خار ص ۲۴۲

۴۔ گلستان سخن ص ۲۸۱ بزم سخن ص ۱۲۷

۵۔ دہلی کی یادگار شخصیتیں ص ۱۱۳

۶۔ لطائف شعرائے ہند ص ۳۲۹ یادگار شعرا ص ۱۵۵ بحوالہ عمدہ منتخبہ و گلشن بے خار

۷۔

حکیم مہر علی ضابط

حکیم مہر علی ضابط دہلی کے باشندہ تھے۔ اور طب خوب جانتے تھے۔

حکیم قیام الدین

حکیم حسام الدین کے دونوں بیٹوں حکیم حاجی قیام الدین اور حکیم حاجی لطیف حسین خاں نے خاندان کی فنی روایت کو آگے بڑھایا۔ دہلی کے معززین اور شرفا میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ حکیم قیام الدین بڑے صاحب علم تھے اور قدما کی کتابوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کا مطلب بہت کامیاب تھا، معالجہ چشم میں خصوصی مہارت حاصل تھی۔ حکیم ذکار اللہ خاں کی کتاب قریا دین ذکاتی ۱۳۰۲ھ ۱۸۸۲ء میں دہلی سے ان کے اہتمام میں طبع ہوئی تھی۔ اس میں حکیم قیام الدین کے لیے ”حکمت مآب اور حذافت دنگاہ“ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

حکیم لطیف حسین خاں

حکیم لطیف حسین خاں بھی آنکھ کے علاج میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ طب کے علاوہ دینی علوم سے خوب واقفیت تھی۔ گورنمنٹ اسکول میں عربی و فارسی کے مدرس تھے۔ بشیر الدین احمد مؤلف واقعات دار الحکومت نے بھی ان سے تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کا

طریقہ علاج اس قدر مؤثر تھا کہ دو روز بعد ایک سے مرلیض ان کے مطب میں کھینچے چلے آتے تھے۔ ان کی بخویر و تشخیص میں کسی بڑے سے بڑے طبیب کو معمولی تزییم و تبدیلی کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ حاذق الملک حکیم عبد المجید خاں نے جب مدرسہ طبیبہ جاری کیا تو ان کے علاوہ کوئی ایسا استاد کامل نظر نہیں آیا جس سے مدرسہ کے پرنسپل کا عہدہ جلیلہ سنبھالنے کے لیے کہا جاتا۔ انہوں نے محض خدمت کے خیال سے اس منصب کو قبول کیا اور آخر دم تک علم طب کی خدمت کرتے رہے۔

امداد صابری کی کتاب دہلی کی یادگار شخصیتیں میں گورنمنٹ اسکول کی مدرسہ اور مدرسہ طبیبہ کی پرنسپل حکیم لیلیٰ حسین کے بجائے حکیم قیام الدین سے منسوب ہے۔ جب کہ ان کی دوسری کتاب دہلی کی یادگار ہستیاں کے علاوہ بشیر الدین احمد کی واقعات دار الحکومت سے اس کی نفی ہوتی ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔

حکیم ظہیر الدین خاں

حکیم غلام نجف خاں کے بیٹے اور حکیم احسن اللہ خاں کے بھانجے تھے۔ طب کی تعلیم خاندان کے بزرگوں سے حاصل کی۔ حکیم احسن اللہ خاں نے ان کو متنبی کیا تھا، عبد اللطیف نے انہیں پسندیدہ روش اور نیک خصلت لکھنے کے ساتھ اپنے بزرگ اجاب میں لکھا ہے۔ اور انہیں ایک بڑے ادیب، مہربان اور عظیم المرتبت ہستی کے طور پر یاد کیا ہے۔ دہلی میں اپنے بزرگوں کی طرح طب میں بڑا نام پایا تھا۔ حکومت کی طرف سے ان کو خان صاحب کا خطاب تھا۔ آزریری مجسٹریٹ بنائے گئے تھے، دہلی میونسپل کمیٹی کے

۱۔ دہلی کی یادگار ہستیاں ص ۱۹۱ واقعات دار الحکومت ص ۱۸۷

۲۔ دہلی کی یادگار شخصیتیں ص ۱۱۸

۳۔ ۱۸۵۷ کا تاریخی روزنامہ ص ۶۲

بھی کئی برس ممبر رہے۔ حکومت برطانیہ کی طرف سے ”فہرست منظور شدہ درباریان قسمت
دہلی لغایت ۳۱ دسمبر ۱۸۹۱ء“ میں جلیوں میں حکیم غلام رضا خاں ولد حکیم غلام مرتضیٰ خاں اور
حکیم ظہیر الدین آنریری مجسٹریٹ ولد حکیم غلام نجف خاں کا نام درج ہے بلکہ
۱۸۹۲ء میں دہلی کے معزین اور سربراہ آوردہ لوگوں نے ایک انجمن موید الاسلام
بنیم خانہ اور لڑکے لڑکیوں کا اسکول قائم کیا تھا، غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کا اسکول نہ ہونے
کی وجہ سے مسلمان بچے عیسائی اسکولوں میں داخل ہو کر عیسائی مذہب اختیار کرنے پر
آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح مسلم بنیم خانہ نہ ہونے کی وجہ سے لاوارث بچے عیسائی
مشرعوں کے ہاتھوں میں چلے جاتے ہیں۔ منشی کرم اللہ خاں دہلوی، عبد الرحمن ناسخ، حکیم
اجمل خاں، مولوی عبد الاحد، مولانا عبدالحق حقانی وغیرہ کے ساتھ حکیم ظہیر الدین اور حکیم
رضی الدین اس کے سرگرم کارکن اور سرپرست تھے بلکہ

حکیم ظہیر الدین نے دو شادیاں کی تھی پہلی شادی اپنے خاندان میں شیخ پورہ میں
کی۔ ان سے حکیم رضی الدین اور چار بیٹیاں ہوئیں۔ اہلیہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی
محمد میر کی بہن نور جہاں سے کی۔ ان سے ایک لڑکے ریاض الدین تھے، جو قبل شادی
باپ کی حیات میں انتقال کر گئے تھے۔

حکیم عنایت اللہ خاں شوق

حکیم عنایت اللہ خاں شوق فرید آباد کے روسا میں تھے۔ شاہ جہاں آباد میں تکمیل علم
کے بعد مہیبائی سے فن سخن میں تلمذ اختیار کیا۔ استاد ان بالکمال ذوق مومن اور غالب

۱۔ روسا سے با اختیار و نامی خاندان پنجاب ص ۱۶۲

۲۔ دہلی کی یادگار شخصیتیں ص ۵۰۹

۳۔ دہلی کی یادگار ہستیاں ص ۳۵۳

کی نشستوں میں شریک رہتے تھے تحصیل علم طب کے بعد ایک مدت تک سرکار انگریزی کی ملازمت میں بسر کی۔ علم طب میں دخل کامل تھا۔ لہ سرکار انگریزی سے پلشن لے کر خانہ نشین ہو گئے تھے۔ مطب کا سلسلہ آخر تک جاری رہا اور لوگوں کو ان کے مطب سے بہت فیض پہنچا۔ خوش فکر اور سخن سنج تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ دیوان مرتب تھا۔ ۱۸۸۶ء میں بقیہ حیات تھے۔

حکیم منوال ماہر نشاد

حکیم ذوقی رام دہلوی کے فرزند اور ہوشیار طبیب تھے۔ طبع جدت طراز تھی۔ زور فکر سے مضامین کو شستگی سے ادا کرتے تھے۔ ریاست پٹیالہ میں بھی مطب کیا۔ پروفیسر رام چندر ریاضی داں ان کے ہم زلف تھے۔ ۱۸۹۲ء کے قریب انتقال کیا۔ تقریباً ۷۰ برس کی عمر باتی ہے۔

حکیم مدن لال مدن

حکیم مدن لال مدن دہلوی شاعری میں چند پرشاد نظم شیدا دہلوی کے شاگرد تھے۔ شاعر اور طبیب دونوں حیثیتوں سے امتیاز تھا۔

۱۔ مخزن جاوید جلد ۵ ص ۹۲

۲۔ یادگار ضیغم ص ۱۸۴

۳۔ مخزن جاوید جلد ۲ ص ۳۲۸

۴۔ تاریخ صحافت جلد ۲ ص ۷۵۲

حکیم محمد حسن خاں

دہلی کے اس عہد کے ممتاز اطباء میں حکیم محمد حسن خاں بھی تھے۔ اپنے علم و فضل سے معالجات اور ملکی کاموں میں دلچسپی کی وجہ سے قدر کا درجہ حاصل تھا۔ منشی بلاقی داس کے اخبار پندرہ روزہ لٹن گزٹ دہلی کے ۷ مئی ۱۸۷۷ء کے شمارہ میں خبر ہے کہ ڈپٹی کمشنر نے مرزا سلیمان جاہ، نواب ضیاء الدین احمد خاں رئیس لوہارو، خان محبوب بخش سوداگر، حاجی قطب الدین سوداگر، حافظ عزیز الرحمن وکیل، حکیم محمد حسن خاں اور بخش انعام اللہ خاں ساکن آدیسوں کو فتحپور کی جائیداد کا ممبر مقرر کیا۔ صاحبان مذکورہ کا ارادہ ہے کہ اس کی آمدنی سے ایک مدرسہ جاری کریں، چنانچہ ان حضرات کی کوشش سے مدرسہ قائم ہوا اور یہ فیض آج بھی جاری ہے۔

حکیم میرا شرف علی

حکیم اشرف علی کا شمار اپنے زمانہ کے مشہور طبیبوں میں تھا۔ بشیر الدین احمد نے لکھا ہے "موری گیٹ سے ایک لمبی سڑک جو کشمیری گیٹ کے پاس جا نکلتی ہے اس کی ایک گلی میں دلی کے مشہور طبیب حکیم اشرف علی کا مطب تھا ان کے بعد ان کے صاحبزادہ حکیم نذیر احمد مطب کرتے ہیں۔ باپ بیٹے دونوں دہلی کے مشہور معالجین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ایک اور جگہ دہلی کے نامی اطباء کا ذکر کرتے ہوئے بھی بشیر الدین نے ان کا نام لیا ہے۔"

۱۔ تدریج صحافت جلد ۳ ص ۵۳

۲۔ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۲۵۴

۳۔ ایضاً ص ۴۰۷

غالب نے میر مہدی مجروح، میر سرفراز حسین اور منشی نبی بخش حقیر کے نام خطوط میں ان کا ذکر کیا ہے۔ دہلی کے رہنے والے اور میر اسد علی کے صاحبزادہ تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں گرفتار ہوئے رہائی کے باوجود بھانڈا ضبط ہو گئی۔ غالب نے مجروح کے نام خط میں ان کا خاکہ کھینچتے ہوئے لکھا ہے: "کل دو پہر ڈھلے ایک صاحب اجنبی، سانولے سلونے دارھی منڈے، بڑی بڑی آنکھوں، اے تشریف لائے تمہارا خط دیا صرف ملاقات کی تقریب میں تھا، بارے ان سے اسم شریف پوچھا گیا، فرمایا اشرف علی اقصیت کا استفسار، ہوا معلوم ہوا سید میں، ہمیشہ پوچھا حکیم نکلے، یعنی حکیم میر اشرف علی، میں ان سے مل کر بہت خوش ہوا، خوب آدمی ہیں اور کام کے آدمی ہیں،" مجروح نے ان کی وفات پر جو قطعہ لکھا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء میں بنا کہس میں میرضہ میں انتقال ہوا، قطعہ یہ ہے:۔

در بنارس زہیضہ جان گذاشت
شد غریب الوطن، سینین وفات

میر اشرف علی دہلی زاد
چونکہ در غربت انتقال نمود

۱۳۰۸

حکیم سعد الدین احمد خاں

حکیم سعد الدین احمد خاں ضیاء الدولہ بہادر کے شاہی خطاب سے منتر تھے۔ یہ نواب رکن الدولہ کے صاحبزادہ اور غالب کے حقیقی بھانجہ مرزا عاشور بیگ کے سالے تھے۔ غالب نے ان کا ذکر علامہ الدین احمد خاں علانی کے نام ایک خط میں کیا ہے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد انگریز حکومت کے غناب کا شکار ہوئے، دہلی پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد یہ پانی پن میں روپوش ہو گئے، دہلی میں ان کی پاپٹھ سوریہ

ماہانہ کی ملاک تھیں جسے حکومت نے ضبط کر لیا۔ نواب ضیاء الدولہ لکھو گئے تاکہ مرزا عاشور بیگ کے بھائی مرزا عباس بیگ کی مدد سے اپنی جائداد و اگذاشت کرائیں، مگر ناکامی ہوئی یہ لاہور ہو گئے اور وہاں ریٹی گن نام کے ایک وکیل کے ذریعہ حکومت سے اپنی جائداد کا مطالبہ کیا۔ وکیل کی کوشش سے جائداد و اگذاشت ہو گئی ہے بشیر الدین احمد نے ۱۳۱۰ھ/۳-۱۸۹۲ء میں انتقال کا لکھا ہے حضرت نظام الدین میں مدفون ہیں۔

حکیم خواجہ کاظم علی خاں

دہلی کے ایک ذمی ثروت اور ذمی حیثیت خاندان کے فرد تھے، ان کے والد خواجہ ہاشم علی خاں کا دہلی کے سربراہ اور وہ اصحاب میں شمار تھا اور ان کے دادا نواب زین العابدین خاں فہم و فراست، حسن تدبیر اور انشائیہ کی وجہ سے دبیر الدولہ کے شاہی خطاب سے مفتخر تھے۔

کامیاب مطب اور خاندانی وقار کے سبب عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ۵ ربیع الثانی ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء بروز جمعہ جہان فانی کو خیر باد کہا۔ نرمان دروازہ کے باہر چونٹھ کھمبے کی عالی شان عمارت کے ایک احاطہ میں ان کی اور ان کے بیٹے حکیم محمد مظفر علی خاں کی قبریں ہیں جن پر سنگ مرمر کے کتبے نصب ہیں۔

حکیم محمد مظفر علی خاں نے درسی علوم کی تحصیل اور طبی فنون کی تکمیل کے بعد ۲۴ برس کی عمر میں ۲ محرم ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۶ء بروز دو شنبہ وفات پائی۔

۱۔ غالب کے خطوط جلد ۲ ص ۱۶۹۵ بحوالہ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روز نامہ ص ۱۶۱ کارنامہ سروری ص ۳۳ تا ۳۵

۲۔ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۸۰۱

حکیم رام نرائین حیران

شاعر فصیح البیان رام نرائین حیران دہلوی منشی میگو سنگھ کھنڑی کے فرزند تھے۔ شعر خوب کہتے تھے۔ نواب فصیح الملک داغ دہلوی کے ارادت مندوں میں تھے۔ علمی استعداد معقول تھی۔ فن طب میں اعلیٰ درجہ کی دستگاہ رکھتے تھے، حکیم بہار الدین خاں سے اس فن میں استفادہ کیا تھا۔ دہلی کے علاوہ اجمیر میں بھی مطب کیا، مذاق سلیم اور فکر رسا کے ساتھ بے انتہا خلیق تھے۔ زبان پاکیزہ اور مکسالی، اسلوب بیان اچھا اور کلام سے معاملہ بندی چمکتی ہے۔ مضمون کی طرف بھی میلان پایا جاتا ہے۔

حکیم سینل پرشاد جینی

حکیم سینل پرشاد ہڈستیوں کے نام سے مشہور ایک معزز خاندان کے رکن تھے، علاج معالجہ کا سلسلہ کئی پشت سے جلدی تھا، ان کے جد امجد ویدتھری رام نواب فرخ نگر کے مشیر خاص اور معالج محلات تھے۔ آبائی وطن فرخ نگر تھا، ان کے دادا وید گردھاری لال فرخ نگر سے جھاوٹی دہلی آئے، بڑے فاضل اور لائق معالج تھے۔ تمام جھاوٹی ان کے زیر علاج رہتی تھی۔ زیادہ تر کشتہ جات اور بوٹیوں سے کام لیتے تھے، حکیم سینل داس کے والد حکیم جمناداس بھی نامی اطباء میں شمار ہوتے تھے۔ فقرا اور بوٹیوں کے جاننے والوں سے ملنے کا بے حد شوق تھا۔ کہا جاتا ہے کہ دو ہزار کے قریب بوٹیوں کے خواص سے واقفیت تھی۔ ۱۸۵۷ء کے پر آشوب زمانہ کے بعد فرخ نگر سے یہ بھی دہلی منتقل ہوئے اور یہاں بڑے معرکے کے علاج کئے، بڑے نیک دل انسان تھے۔ لوگ انہیں دیوتا

کہتے تھے۔

حکیم سینتل پرشاد نے ناگری کی ابتدائی کتابیں اپنی والدہ سے اور آیورویدک کی کتابیں اپنے والد بزرگوار سے پڑھیں، اور ان کا مطب دیکھا، سرکاری مدارس میں اردو، فارسی اور انگریزی پڑھی۔ ابتدائی عمر سے تیز طبع اور ذہین تھے۔ حکیم سینتل پرشاد نے فاضل اجل اور طبیب حاذق حکیم مولوی خیر اللہ بیگ سے قانونیچہ مفردات، ناصر می، میزان الطب اور طب کی دوسری کتابیں پڑھی تھیں دہلی میں کامیاب مطب تھا بلکہ

حکیم غلام نبی خاں

حکیم غلام نبی خاں ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء میں پیدا ہوئے۔ چند ہی برس کے تھے کہ ان کے والد حکیم غلام محمد خاں نے وفات پائی۔ حکیم محمود خاں نے مرحوم بھائی کی اس نشانی کو جو ہر قابل سمجھ کر اپنے سایہ عاطفت میں لیا۔ عربی فارسی کی تعلیم کے بعد طب کی کتابیں حکیم محمود خاں نے خود پڑھائیں۔ انہی کے مطب میں انہوں نے نسخہ نویسی کی مشق کی، ان کی طبی قابلیت سے مطمئن ہو کر حکیم محمود خاں نے شریف منزل میں انہیں علاحدہ مطب کرنے کی اجازت دی۔ حکیم غلام نبی نے ان سے عرض کیا کہ آپ نے جس محبت و شفقت سے مجھے اپنے سایہ عاطفت میں رکھا اور آج میں جس لائق ہوں وہ آپ ہی کا فیضان ہے۔ لیکن چونکہ میرے والد جہاں بھائی نے خاں کی زندگی میں انتقال فرما گئے تھے اس لیے شریف منزل کے کسی حصہ پر میرا یا میرے بھائیوں کا کوئی شرعی حق نہیں ہے۔

دہلی میں کچھ عرصہ مطب کرنے کے بعد حکیم غلام نبی خاں کلکتہ منتقل ہوئے۔ کلکتہ میں

حکیم صاحب کو بڑا اعزاز و اکرام حاصل ہوا۔ وہاں کی مفتقد اور معزز ہستیوں میں ان کا شمار تھا۔ کلکتہ میں طب یونانی کو فروغ دینے میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ ان سے پہلے وہاں یونانی طب کا زیادہ رواج نہیں تھا۔ ان کے معجز نما علاج سے لوگ طب یونانی کے مداح اور معترف ہوئے۔ حکیم صاحب کے طبی معمولات بعد میں ان کے خاندان کے طبیبوں کے لیے نشان راہ بنے۔

حکیم غلام نبی خاں علم و فضل، سخاوت اور اقبال مندی کی وجہ سے شہرت رکھتے تھے ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں ۲۶ برس کی عمر میں دہلی میں فوت ہوئے، قدم شریف میں مدفون ہیں۔ لوح مزار پر درج ذیل اشعار کندہ ہیں۔

سرافروز و اقبال مند و سخی	غلام نبی طبیب و لبیب
زونیاتے نا پائدار و دنی	پس از شمت و شش سال برست ز شمت
تہیارت گہ نقش پائے نبی	بخاکش سپردند اینجا کہ ہست
کہ خود روح آن پیکر مرمی	ہم ہی رفت در سال فوٹش سخن
پپائے نبی بہ غلام نبی	بگفت از سر حق و صدق و یقین

۱۳۲۵

حکیم بدر الدین خاں

حکیم حاجی محمد بدر الدین خاں دہلی کے ایک نہایت برگزیدہ طبی خاندان کے فرد تھے۔ ان کے والد حکیم الملک قطب الدولہ حکیم محمد قطب الدین خاں ولد ارسطوز ماں حکیم محمد حامد خاں خلف اکمل الکمل افضل الفضل حاذق الزماں حکیم محمد احمد خاں ابن حکیم محمد احسن خاں ابن خواجہ محمد افضل ابن خواجہ محمد قاسم خواجہ عبداللہ احرار کی اولاد سے تھے۔ ان کے اجداد سلاطین مغلیہ کے ہمراہ ہندوستان آئے اول ان کے بزرگ طبیب

روحانی رہے خواجہ محمد قاسم اپنے نامور اسلاف کی شرح اولیائے کبار میں سے تھے۔ ان کا مزار دولت آباد کے موضع مٹھہ میں ہے اور قاسم کی چوکی اور انبلی کی چوکی کے نام سے مشہور ہے۔ درگاہ کے مصارف کے لیے اس موضع کی آمدنی ریاست حیدرآباد کی طرف سے وقف تھی۔ اس خاندان کے بزرگ سلاطین مغلیہ کے ہمراہ آگرہ میں مقیم رہے اور فن طب میں مرتبہ کمال کے سبب یکے بعد دیگرے شاہان مغلیہ کے معالج خاص مقرر ہوئے۔ شاہ جہاں کے ہمراہ آگرہ سے دہلی آکر منتوطن ہوئے۔ حکیم بدر الدین کے داد حکیم حامد خاں شاہ عالم بادشاہ کے معالج تھے۔ ان کے والد حکیم قطب الدین نے بہادر شاہ ظفر کے عہد میں آبائی منصب کے علاوہ امینی کا عہدہ بھی پایا۔

حکیم بدر الدین حکیم شعبان ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء کو شاہ جہاں آباد میں متولد ہوئے۔ تین ہی برس کے تھے کہ والد نے وفات پائی۔ طب کی طرف متوجہ ہوئے۔ ابتدا میں حکیم اسد علی خاں خلیفہ الصدق حکیم ذکار اللہ خاں کے مطب میں تین سال اسنفاذہ کیا۔ اس کے بعد اپنے عم نامدار حکیم غلام نقشبند خاں کے مطب میں بیٹھے، ۱۸۵۰ء کے بعد حکیم احسن اللہ خاں سے طب کی تکمیل کی، اور وہ حذاقت و لیاقت پیدا کی کہ دور دوزنک ان کی شہرت پھیلی۔ ابتدا میں فارسی اور صرف و نحو وغیرہ مولانا سید جید علی پنڈوی اور معقول اور کسی قدر علم طب حکیم مرزا اسد بیگ مصنف تنبیہ الایمان سے پڑھا۔ آغاز عمر میں قانون پنج نک حکیم یوسف حسین خاں نمبرہ حکیم ذکار اللہ خاں سے تعلیم حاصل کی تھی۔

حکیم احسن اللہ خاں کو اپنے اس شاگرد پر بہت ناز تھا، ابتدا میں انہوں نے انبالہ میں مطب شروع کیا۔ حکیم احسن اللہ خاں نے ان کی حذاقت اور فطانت دیکھ کر انہیں رئیس ضلع مین پوری کے علاج کے لیے بھیجا۔ پھر اپنے استاد کی ہدایت پر نواب صاحب ٹونک کے ماموں صاحبزادہ محمد خاں کے معالجہ کے واسطے ٹونک گئے، وہاں کے چار پانچ ماہ کے قیام میں عمائدین ریاست ان کے زیر علاج آئے۔ اس کے بعد دہلی میں مطب

شروع کیا۔ حکیم احسن اللہ خاں جب دہلی سے کسی ریاست کی طلبی پر باہر جاتے تھے تو ان پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنا دہلی کا مطلب ان کے سپرد کرتے تھے۔ حکیم بدر الدین خاں مہاراجہ جیند کے طبیب خاص رہے۔ مگر شکل یہ تھی کہ حکیم صاحب دہلی میں معالجہ میں مصروف رہتے تھے اور حسب ضرورت و طلب ریاست جیند جاتے تھے۔ دہلی کے بعض طبی گھرانوں کا تذکرہ یہاں دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔

دہلی کے طبی خاندان

دہلی میں اس زمانہ میں اطبا کے چند خاندان بہت مشہور تھے اور قدیم سے چلے آتے تھے۔ ان میں ایک شریف خانی جن کی یادگار حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں تھے۔ دوسرے علوی خانی جس کے اہم فرد اس وقت حکیم سید اشرف علی خاں تھے۔ تیسرے بقا خانی جس کی جانشینی کے فرائض حکیم حاجی لطیف حسین خاں اور حکیم حاجی قیام الدین خاں کے علاوہ حکیم یوسف حسین خاں اور حکیم شجاعت علی خاں انجام دے رہے تھے۔ چوتھا خاندان احسن خانی تھا جس کے ممتاز رکن حکیم بدر الدین خاں تھے جو اپنے فضل و کمال کی وجہ سے معاصرین میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ایک اور خاندان محسن خانیوں کا تھا۔ اس محسن خانی خاندان میں حکیم بدر الدین کی شادی ہوئی تھی، ان کے خسر حکیم محمد صادق علی خاں مشہور بہ حکیم آغا جان خلف حکیم محمد احسن خاں ابن حکیم محمد محسن خاں جن کا قدیم مسکن فیض بازار قریب دہلی دروازہ کوچہ تارا چند کٹرہ حکیم محسن خاں تھا جو زمانہ شاہ جہاں سے چلا آتا تھا۔ حکیم محسن خاں اپنی مسجد میں قریب مسکن دفن ہیں۔

حکیم احسن اللہ خاں نے حکیم بدر الدین خاں کو جو سند عطا کی تھی، اس پر ۲۰ شعبان ۱۲۸۳ھ مطابق ۲۸ دسمبر ۱۸۶۶ء کی تاریخ اور مہر ثبت ہے، حکیم صاحب کی مہر "عمدة الحکماء معتمد الملک حاذق الزمان حکیم محمد احسن اللہ خاں ۱۲۵۱" (۱۸۳۵ء) کی عبارت سے مزین ہے۔ حکیم بدر الدین

کا درس کا مشغلہ بھی تھا۔ ان کے تلامذہ میں حکیم سید نظیر حسین مشہور تھے۔ جنہوں نے ۱۸۸۲/۶۱۳۰ میں ان سے طب کی تکمیل کی تھی۔

حکیم بدر الدین کا اہم علمی کام امتحان الالباب لکافتہ الاطبا کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ بدر الدجی کے نام سے باہتمام خواجہ مصلاح الدین خاں مطبع مصالح المطابع دہلی سے محرم ۱۳۱۸ مئی ۱۹۰۰ء میں طبع ہوا ہے۔ گزارش مترجم میں انہوں نے لکھا ہے کہ یہ گوہر گراں بہا مجھے خزینہ کتب حضرت استاذی حکیم احسن اللہ خاں سے دستیاب ہوا، بلا مبالغہ ہندوستان کے تمام کتب خانے اس صحیفہ نایاب سے خالی ہیں۔ اس کے فضائل کی عمومیت اور فواید کی کثرت نے مجھے اس امر پر آمادہ کیا کہ میں اس کا ترجمہ اپنی ملکی زبان میں پیش کروں، اصل کتاب عبدالعزیز بن علی منطیب نے بعد سید الوزر اصفی الدین عربی میں لکھی تھی یہ دس ابواب پر مشتمل ہے۔ مخطوطہ ۶۸۸/۶۱۲۸۹ سے قبل کا نقل کر دیا ہے۔ یہ مخطوطہ شاہان مغلیہ کے کتب خانہ کا ہے اور اس پر جلال الدین اکبر اور شاہ جہاں کی ہر بی ثبت ہیں، اس کتاب میں چند ورق کم تھے، میں عرصہ سے اس فکر میں تھا کہ اس کا کوئی اور نسخہ ملے تو اس سے مقابلہ کر کے ترجمہ کی تکمیل کروں۔ ملکی اور غیر ملکی اخبارات میں شائع کرانے کے باوجود اس کے دوسرے نسخے کی کہیں موجودگی کی اطلاع نہیں ملی۔ آخر اسی نسخے سے ترجمہ کا کام شروع کیا، مولانا شبلی نعمانی علی گڑھ سے دہلی کسی تقریب میں آئے انہوں نے بھی اس کتاب کے کسی نسخے سے اپنی عدم واقفیت ظاہر کی، کچھ عرصہ بعد جب وہ مصر اور قسطنطنیہ گئے اور وہاں کے کتب خانوں کی انہوں نے سیر کی تو اس کتاب کا ایک نسخہ خرید کر کتب خانہ میں دیکھا اور ہندوستان آکر حکیم صاحب کو اس کی اطلاع دی، مولانا شبلی نے اس کے توسط سے حکیم صاحب نے اپنا نسخہ مصر بھجوایا اور جرجی زیدان کی معرفت کتب خانہ خدیوہ کے نسخے سے گم شدہ اوراق کی باضابطہ نقل و مقابلہ کا کام انجام پایا۔ مولانا عبدالحق خیرآبادی اور مولانا عبدالحق حنفانی سے ترجمہ میں حکیم صاحب کو مدد ملی ہے۔

صاحب نرہنتہ الخواطر نے حسن معاالجہ کے ساتھ ان کی سنجیدگی، مناسبت اور اعلیٰ اخلاق کی تعریف کی ہے۔ اور ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء میں ان کا انتقال کا لکھا ہے یہ

گوسوامی چنی لال

سمت ۱۹۲۳ء کو پیدا ہوئے۔ آیور ویدک اور طب کی کتابیں مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ ہندوستان کے بہت سے شہروں کی سیاحت کا اتفاق ہوا اور مناسبت طبیعت کی وجہ سے جو ویدیا طبیب صاحب کمال ملا، ہر ایک سے کچھ نہ کچھ اکتساب کرنے کی کوشش کی، ویدک شاستروں کی تعلیم گنگا وشنو جی شاستری عرف گنگا پیسو می رام جی سے حاصل کی۔ اور ان کی ہدایت کے بموجب پنڈت تارا چند جی وید سے بھی شاستروں کو تحصیل کیا۔ چنی لال جی نے ویدک شاستروں پر اس قدر محنت کی کہ ہزاروں اشلوک حفظ یاد تھے۔ مرہٹوں کے ساتھ خواہ امیر ہو یا غریب یکساں برتاؤ کرتے تھے۔ چنی لال جی نے اپنے والد سے فن موسیقی کی بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ ان کے والد گوسوامی پنالال جی اس فن میں درجہ کمال رکھتے تھے۔ والد کے ہمراہ ملک کے متعدد راجوں اور نوابوں کے ہاں انہیں باریابی کا موقع ملا۔ ۱۸۹۹ء میں کمشنر دہلی کی معرفت لارڈ کرزن ولسرے سے بھی شرف ملاقات حاصل ہوا تھا۔

پنڈت شبوزاں مذاق

شبوزاں مذاق کے مورث اعلیٰ پنڈت کرشن رائے جی مہاراج ایک بڑے

۱۔ نرہنتہ الخواطر جلد ۸ ص ۸۹

۲۔ رموز الالباب جلد ۲ ص ۵۲۶

بزرگ اور علم و ید و اپنشد سمرتی شناستر کے عالم و فاضل اور آیور ویدک کے ماہر تھے۔ لیکن انہوں نے اسے ذریعہ معاش کبھی نہیں بنایا۔ زمینداری اور مالی حالت معقول تھی اس لیے عام طور پر کوٹھی وال کہلاتے تھے۔

پنڈت شیو زاین نے آٹھ برس کی عمر میں تعلیم شروع کی تین سال بعد سنسکرت کا آغاز کیا۔ بعد ازاں دو برس تک فارسی کی تعلیم پائی۔ ابتدا میں مختلف محکموں میں سرکاری ملازمت کی۔ اس کے بعد آیور ویدک اور یونانی کتابیں پڑھیں، محنت اور توجہ سے مریضوں کا علاج کرتے تھے۔ شہرت اور نیک نامی حاصل تھی۔ دہلی میں انیسویں صدی کی دوسری دہائی میں جب طاعون پھیلا تو یہ دن رات معالج میں مصروف رہے اور بڑی تعداد میں مریض ان کے علاج سے شفا یاب ہوئے۔ نیز طبیعت اور ذہن آدمی تھے، شعر و شاعری کا بہت شوق تھا۔ مذاق نخلص کرتے تھے۔ رسالہ کمال دہلی میں ان کا کلام اکثر شایع ہونا تھا۔

حکیم انوار احمد انور

حکیم حافظ سید انوار احمد انور دہلوی خلف حافظ سید خیر الدین صحیح النسب سید اور دہلی کے قدیم باشندہ تھے۔ شاہان مغلیہ ان کے اسلاف کرام کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بہادر شاہ ظفر سید خیر الدین کو اپنی طرف سے شاہ سلیمان چشتی سجادہ نشین تونسہ شریف کی خدمت میں مع نذرانہ بھیجا کرتے تھے۔ حکیم صاحب کے بڑے بھائی حکیم احسن اللہ خاں کے شاگرد رشید تھے اور ریاست پیپالہ میں بزمہ اہل ملازم تھے۔ حضرت انور طب میں اپنے بڑے بھائی کے شاگرد تھے۔ پنجاب یونیورسٹی سے امتحان زبده الحکما بھی پاس کیا تھا۔ علم رمل اور نجوم میں اچھا دخل تھا۔ تشجیح مرض کے ساتھ قدرت نے ہاتھ میں شفا بھی عطا کی تھی۔ ابتدا میں حافظ غلام

رسول و برآں کو کلام دکھایا۔ بعد میں داغ سے تلمذ اختیار کیا۔ کچھ عرصہ حیدرآباد میں
نواب لائق الدولہ غالب جنگ کی سرکار میں بصیغہ طبابت ملازم رہے۔ ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء
میں آبائی وطن دہلی میں انتقال کیا۔

حکیم الہی بخش

دہلی کے مشہور طبیبوں میں تھے، ان کی شہرت کی اصل وجہ ان کی حذاقت اور علاجی
دسترس تھی۔ مراش خانہ میں مطب اور رہائش کا سلسلہ تھا۔

حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں

۱۲۴۴ھ/۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ کینت ابو سعید تھی۔ ابتدائی کتابیں مولوی عبدالرحیم
اور باقی کتابیں مولانا محمد علی چاند پوری اور دوسرے علمائے پڑھیں۔ حدیث کے لیے مولانا
نذیر حسین محدث دہلوی کے آگے زانوئے تلمذتہ کیا۔ طب کی تعلیم عم بزرگوار حکیم غلام
مرفضی خاں اور پچازاد بھائی حکیم غلام رضا خاں سے حاصل کی۔ مطب اپنے والد حکیم محمود
خاں سے سیکھا۔

حکیم محمود خاں کی زندگی میں مطب اور درس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور معالج
و مدرس کی حیثیت سے بہت جلد صاحب امتیاز بن گئے تھے۔

۱۔ نخخانہ جاوید جلد ۱ ص ۲۹۰

۲۔ دہلی کی یادگار ہستیاں ص ۳۲۱

۳۔ نزہتہ النواظر جلد ۸ ص ۳۱۰

۴۔ سیرت اجمل ص ۶

مدرسہ طبیبہ

خاتندان شریفی میں درس کا سلسلہ بہت اوپر سے چلا آ رہا تھا۔ دور دور سے طلبہ دہلی کے دوسرے اساتذہ کی طرح شریف خانی طبیبوں سے تحصیل طب کے لیے آتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ملک میں نیا نظام تعلیم جاری ہوا۔ طب کی تعلیم بھی جواب تک قدیم طرز پر جاری تھی۔ انفرادی طور پر درس کا سلسلہ جس میں چند مخصوص کتابیں پڑھائی جاتی تھی، اور جماعتیں کتابوں کے نام سے قائم تھیں۔ مثلاً قانونیہ کی جماعت، شرح اسباب کی جماعت، کلیات قانون کی جماعت۔ جدید تقاضوں کے تحت طبی نظام تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت سب سے پہلے حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں نے محسوس کی۔ حکیم محمود خاں اور خود ان کے ہاں جو طلبہ زیر تعلیم تھے، ان کے درسی سلسلہ کو منظم کرنے کے لیے ۱۸۸۳ء میں انہوں نے اسے ایک مدرسہ کی شکل دی۔ چند برس شریف منزل ہی طبی درسگاہ کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔ اس کے بعد ۱۸۸۸ء میں انہوں نے اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں اور حکیم جمیل الدین کے تعاون سے ایک باقاعدہ مدرسہ کے قیام کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ ۱۸۸۸ء میں ایک مشاورتی جلسہ طلب کیا گیا، جس میں مدرسہ طبیبہ جاری کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔ عمائد شہر ہندو اور مسلمان جمع تھے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے جلسہ میں تقریر کی اور اس تجویز کو بہت سراہا گیا۔

۲۲ شوال ۱۳۰۶ھ / ۲۳ جون ۱۸۸۹ء کو افتتاحی تقریب منعقد کی گئی، مسٹر آر کلا ر ک ڈپٹی کمشنر دہلی نے افتتاح کیا۔ اس شاندار افتتاحی جلسہ میں سر سید احمد خاں، جلال الدو نواب ممتاز علی خاں رئیس دو جانہ، صاحب عالم مرزا سلیمان شاہ گورگانی، نواب محمد

۱۔ حکیم اجل خاں ص ۱۳۰

۲۔ لب یونانی ۱۹۰۱ء سے ۱۹۲۷ء تک۔ بیہ نطل الرحمن۔ یادگاری مجلہ علم لادویہ سیمینار ص ۳

اسحق خاں اللہ رام کشن داس اللہ سری کشن داس ڈپٹی ہادی حسین مولوی حتمت اللہ
 خاں (میرٹھ) مولوی لطف اللہ علی گڑھ نواب رضا علی خاں رئیس راجپور، نواب احمد علی
 خاں رئیس راجپور، میجر شمشیر بھٹیا رئیس گوالیار، شاہزادہ والا گوہر، ملا اسماعیل منڈالی
 برما اور دہلی کے بکثرت لوگ شریک تھے بلکہ سرسید اور ڈپٹی نذیر احمد کی تقریریں
 ہوئیں۔ نذیر احمد نے ایک طویل نظم اس موقع پر پیش کی۔ ۱۸۹۰ء میں مدرسہ طبیبہ کا پہلا
 سالانہ جلسہ بڑے نزک و احتشام سے منعقد ہوا۔ ڈپٹی کمشنر میر مجلس تھے۔ ڈپٹی نذیر
 نے زور دار تقریر کی۔ ڈپٹی نذیر مدرسہ کے ہر جلسہ میں پابندی سے شریک ہوتے تھے
 اور ان کی تقریر تقریب کا لازمی حصہ تھی۔ ان کے لیکچروں کے مجموعہ میں یہ تقاریر شامل ہیں
 ان کی نظمیں بھی بڑی طویل ہوتی تھی، سرسید بھی ان جلسوں میں شریک ہوتے رہے
 مدرسہ طبیبہ کے آٹھویں سالانہ جلسہ منعقد ۲۷ مارچ ۱۸۹۷ء میں سرسید شریک تھے بلکہ
 ۱۸۸۹ء میں مدرسہ طبیبہ شریف منزل سے اٹھ کر گلی فاسم جان میں نواب صاحب
 لوہارو کے مکان میں جو ڈپٹی ہادی حسین خاں کے مکان سے متصل تھا قائم ہوا تھا۔ حکیم
 عبدالرشید خاں اس کے پہلے پرنسپل تھے یہاں سے تقریباً ۱۹۱۵ء میں یہ چوڑی والاں
 میں ڈپٹی سلطان خاں کی جوہلی میں منتقل ہوا۔ اس کے قریب مدرسہ طبیبہ نہانا تھا جو
 ۱۹۰۸ء میں قائم ہی وہیں ہوا تھا، چوڑی والاں میں مدرسہ طبیبہ صرف پانچ برس رہا۔
 پھر طبیبہ کالج کی تعمیر ہونے پر ۱۹۲۱ء میں قرول باغ منتقل ہو گیا یہ
 ۱۸۹۸ء میں حکیم عبدالمجید خاں کو حاذق الملک کا خطاب عطا کیا گیا، ٹاؤن ہال میں
 شاندار پیمانہ پر دہلی کے شہزیوں کی طرف سے تہنیتی جلسہ منعقد ہوا۔ ڈپٹی نذیر احمد نے
 جو نظم پیش کی اس کا ایک شعر ہے

۱۔ لیکچروں کا مجموعہ جلد ۱ ص ۱۷۵ ۲۔ ایضاً جلد ۲ ص ۱۷۷

۳۔ نواب لوہارو کے اسی مکان میں ۱۹۲۷ء کے بعد جامعہ طبیبہ منتقل ہوا، اور تقریباً ۳۳ برس کے بعد ۱۹۸۰ء
 میں ہمدرد طبی کالج کے نام سے ہمدرد نگر نغلی آباد اس کی منتقلی عمل میں آئی اور آج وہ جامعہ ہمدرد کا ایک
 حصہ ہے۔ ۴۔ زنون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین ص ۲۲۲

ہوتی ہے یوں تو اوروں کو عزت خطاب سے لیکن ہوئی خطاب کو عزت جناب سے
اپنی تقریر میں انہوں نے کہا ”خطاب اگرچہ دوسرے حضرات کو بھی ملے لیکن یہ پہلا
موقع ہے کہ اہل شہر حکیم عبدالمجید خاں کے خطاب پر حکومت کے شکر یہ کے لیے جمع ہوتے
ہیں، حکومت کو اندازہ ہوگا کہ انہیں خطاب عطا کر کے نہ صرف حکیم عبدالمجید خاں کو بلکہ
تمام اہل شہر ہندوؤں اور مسلمانوں کو ممنون احسان کیا ہے لہ“
حکیم عبدالمجید خاں کی اعلیٰ طبی قابلیت اور حیرت انگیز معالجات نے ان کی شخصیت
کو بہت بلند کر دیا تھا۔ بڑی بڑی ریاستوں میں انہیں رسوخ اور وقار حاصل تھا۔ درس
میں بے مثل سمجھے جاتے تھے۔ کلیات قانون کے درس میں خاص امتیاز حاصل تھا۔
قدما کی کتابوں پر بڑی نظر تھی، وہ بہت اچھے مقرر تھے۔ دیر تک بے تکان بولتے تھے
روایت خاندان کے مطابق انہوں نے ثقافت کو فروغ دینے کے سامان فراہم کئے
ان کے ہاں علم و ادب اور شعرو سخن کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ دہلی کے منتخب شعرا
ادبا اور عمائدین شریک ہوتے تھے۔ لالہ سری رام نے لکھا ہے کہ ۱۸۹۸ء میں قاضی محمد
خلیل حیران خلف خان بہادر قاضی عبدالمجید منگلوی بہ جنون رئیس اعظم بریلی حاذق الملک
حکیم عبدالمجید خاں کے طلب و تقاضہ پر بغرض علاج و سیر دہلی تشریف لائے تھے اور ان
کے علمی جلسوں اور بے تکلف صحبتوں میں ہر وقت شریک رہتے تھے۔ ایک روز
چند شاعر جمع تھے جن میں سید مہدی مجروح (شاگرد غالب) قابل ذکر، میں، شاعری
کا تذکرہ ہوا۔ سب صاحبوں نے کچھ نہ کچھ نظم کیا۔ قاضی صاحب نے بھی چند رباعیات
فی البدیہہ کہیں جن میں سے ایک یہ تھی۔
اے بوسجد حاذق ملک و وجد خلق
ممود ہر و صادق عہد و شریف وقت
یکتا نونی۔ وجد زمان و فرید خلق
عبدالمجید، عبدمجید و مجید خلق

اسی طرح پھر ایک مرتبہ چند شعرا کا مجمع تھا۔ اسمعیل حسین منیر کے قصیدہ فریاد زنداں کا تذکرہ تھا۔ اجاب نے قاضی صاحب سے بھی فکر فرمانے کا اصرار کیا۔ چنانچہ انہوں نے ایک طویل قصیدہ اسی زمین میں رقم کیا۔

حکیم عبدالمجید خاں کے زیر علاج بڑے بڑے یہودی اور عیسائی علما بھی رہتے تھے چنانچہ ان کے زیر علاج ایک یہودی عالم سے مولانا شرف الحق صدیقی (وفات ۱۹۳۶ء) نے عبرانی و یونانی زبان پڑھی۔ اس نے انہیں تخریری سند عبرانی زبان میں دی تھی۔ جس کے نیچے اس کا اردو ترجمہ حکیم اجمل خاں کے ہاتھ لکھا ہوا ہے۔ ۱۹۶۸ء میں دہلی میں اس کا مناظرہ لارڈ شپ لیفرائے سے مسجد فتحپوری کے اندر ہوا، اس میں معززین شہر اور مشاہیر علما کے علاوہ اطباء میں حکیم محمود خاں، حکیم اجمل خاں، حکیم احمد سعید خاں، حکیم سمیع الدین بقائی شامل تھے بے ملا واحدی نے لکھا ہے کہ میں نے ہوشس کی آنکھیں کھولیں تو دلی میں بے تاج کا بادشاہ حکیم عبدالمجید خاں کو دیکھا۔

دہلی کی درگاہ قدم شریف کی مسجد و حریم اور مجلس خانہ بوسیدہ ہو گئے۔ حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں اور شاہ محمد عمر اخوندجی (وفات ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۷ء) نے ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء میں دو ڈھائی ہزار روپیہ کے صرفہ سے اس کی تعمیر کرائی۔ بیرون دہلی حکیم صاحب کی فیس ایک ہزار روپیہ یومیہ تھی۔ لیکن دہلی میں کوئی فیس نہیں لیتے تھے، صاحب نزہتہ الخواطر نے عجایب الزمن اور محاسن الہند جیسے الفاظ میں ان کی تعریف کی ہے۔ حکیم صاحب کا دہلی کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی سے گہرا تعلق تھا۔

۱۔ خانہ جاوید جلد ۲ ص ۵۳۵

۲۔ دہلی کی یادگار ہستیاں ص ۳۲۱

۳۔ ایضاً ص ۳۲۱

۴۔ ایضاً ص ۳۲۲

۵۔ نزہتہ الخواطر جلد ۸ ص ۳۱۰

راشد الخیری نے دلی کے پیر غیب کے میلہ کا ذکر کیا ہے۔ جسے دلی نے ۱۸۵۷ء کے بعد برسوں منایا۔ ہر جمعرات کو لوگ شام کو جمع ہو جاتے تھے اور اہل فن کمال اپنا دکھا کر داد دیتے تھے، اور شہر والوں کی ٹولیاں کی ٹولیاں چاروں طرف از ندگی کا لطف اٹھاتی پھرتی تھیں، کہیں طبلہ اور ستار، کہیں کشتیاں، کہیں تیج، کہیں مدار می کا تماشہ، اگر آج یہ چیز معیوب نہ سمجھی جاتے تو کہہ دوں کہ حکیم عبدالمجید خاں جو امیر الدین نیولے اور اسمعیل انجھو کے عاشق تھے۔ کبڈی میں کھڑے اور اکھاڑے میں بیٹھے حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

۲۰۔ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ / ۱۱ جولائی ۱۹۰۱ء بعارضہ ورم جگر ۵۳ برس کی عمر میں وفات پائی، درگاہ حسن رسول نما میں دفن ہوئے، حکیم محمد احمد خاں اور حکیم ظفر احمد خاں دو صاحبزادہ تھے، شدہ ہائے غروب مہر طب یونان مادہ تدریج ہے، دیگر تاریخیں ملاحظہ ہوں، ان اللہ عزوجل محی و ممیت و هو حی لایموت ۱۳۱۹۔ مرقد پاکیزہ حاذق الملک ۱۳۱۹۔ حکیم طبینت ارسطو حکمت ۱۳۱۹۔ افضل الحکما ابو علی سینا ہند ۱۳۱۹۔ طبیب دانا امام طب حکیم ابو سعید محمد عبدالمجید خاں ۱۳۱۹۔ ابن حکیم محمود خاں قدس سرہ ۱۳۱۹۔ روز چہارم بیست و سہ ربیع الاول اوائل سنہ یک ہزار سہ صد نوزدہ ہجرت نبوی ۱۳۱۹۔ صبح گاہ داعی حق را بیک اجابت فرمود ۱۳۱۹۔ وچابک بچناں شتافت ۱۳۱۹۔ و جنت نصیب زندگانی و جاودانی یافت ۱۳۱۹۔ یا صمد نور منجھ ۱۳۱۹۔

حکیم و اصل خاں

۱۸۶۱ء میں پیدا ہوئے، نامور باپ کے لاڈلے بیٹے تھے۔ حکیم محمود خاں دوسرے بیٹوں سے زیادہ ان سے محبت کرتے تھے حکیم و اصل خاں کا بیان ہے کہ بیس برس کی عمر تک طبیعت تعلیم کی طرف مائل نہیں تھی، فن کشتی کا شوق تھا اور ہر وقت ورزش

لہ دلی کی آخری بہار ص ۹۰

اور اہل ورزشش کی باتیں ہوتی تھیں، ایک روز خیال ہوا کہ اگر خاندانی فن حاصل نہ کیا تو پھر فن دانی کا دعویٰ کیسے کیا جائے گا۔ چنانچہ دن میں اجاب کا مجمع رہنا اور شب کو پڑھائی میں وقت صرف کرنا۔ صبح منشی رضی الدین سے فن خطاطی سیکھنا، حکیم غلام رضا خان سے اور زیادہ کتابیں حکیم عبدالمجید خاں سے پڑھیں۔ ان کے شوق کو دیکھ کر ان کی علمی حالت خود حکیم محمود خاں نے اپنی نگرانی میں درست کی۔ اور مطب سکھایا، والد بزرگوار اور برادر معظم کی موجودگی میں بھی ان کا مطب کامیاب تھا۔

حکیم عبدالمجید خاں کی وفات کے بعد ان کی ذات ہر جمع خاص و عام تھی، خاندانی مطب درس اور مدرسہ طبیبہ کی نگرانی سب ان کے ذمہ تھی۔ امر اور وساء علاج میں ان کے معتقد تھے۔ نواب صاحب دین ہمیشہ انہی کے زیر علاج رہتے تھے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے ایک نظم میں ان کی طبی قابلیت کا اعتراف کیا ہے۔ اس کا ایک شعر ہے

عزیز واک سخن ہم تم سے استفسار کرتے ہیں کہ واصل خاں کے ہوتے کس لیے بیمار پڑتے ہیں

حکیم صاحب کو فنی کاموں سے ہمیشہ گہری دلچسپی رہی۔ اپنے برادر خرد حکیم اجمل خاں کے مشورہ اور تعاون سے انڈین میڈیسنز کمپنی قائم کی۔ یہ کمپنی آگے چل کر ہندوستانی دواخانہ کے نام سے موسوم ہوئی، حکیم واصل خاں شروع میں بہت غصہ ور تھے، لیکن احساس ذمہ داری نے اس کمزوری پر قابو پایا تھا، اور مزاج میں نخل و بردباری بڑھ گئی تھی۔ یہ لباس ہمیشہ مشرقی پہنتے تھے۔ مہل کا انگرکھا، اوپر سے ایک نیم آستینہ اور مشروع کاپت پاجامہ۔ عمر نے وفات کی اور بڑے بھائی کی وفات کے ساڑھے تین سال بعد ۳ رزی الحجہ ۱۳۲۲ھ / ۲۲ فروری ۱۹۰۵ء کو دنیا سے رخصت ہو گئے۔ درگاہ حسن رسول نما میں

۱۔ تذکرۃ الخواجگان ص ۱۰۱

۲۔ تذکرہ مسیح الملک ص ۱۴۔ حیات اجمل ص ۲۷

۳۔ حکیم اجمل خاں ص ۱۴۰

۴۔ تذکرۃ الخواجگان ص ۱۰۲

دفن ہوئے یہ تاریخ وفات ہے

ایں چہیں مرد گزین فرد زماں
گفت دشوار نیگری آساں
کہ شد واصل حق واصل خاں ۱۳۲۲

چوں شدہ واصل حق واصل خاں
از خرد سال وصالش جستم
بازگو آنچه بگفتی اول
دیگر

آں نکتہ دان علم طب و عا ذق زماں
رفتہ زد ہر و برقی پی سال فوت او
کز دست پر شفاش جہانی بسود شد
واصل بخود و رحمت باد و دود شد
حکیم واصل خاں کو شعر و ادب سے بھی ذوق تھا داغ کے ساتھ نشست رہتی تھی ایک
مرتبہ انہوں نے داغ سے پوچھا کہ آپ کے بعد آپ کی زبان لکھنے والا بھی کوئی باقی
رہے گا جواب میں داغ نے بخود کا نام لیا بلکہ

سیح الملک حکیم محمد اجمل خاں

حکیم محمود خاں کے چھوٹے صاحبزادہ حکیم اجمل خاں، اشوال ۱۲۸۲ھ ۱۱ فروری ۱۸۶۸ء
کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی عمر میں مولوی داہم علی سے حفظ قرآن مجید کی سعادت حاصل
ہوئی۔ دہلی کے اس زمانہ کے بہترین اساتذہ سے تعلیم کا موقع ملا صرف و نحو پیر جی
صدیق احمد دہلوی، منطق و فلسفہ شمس العلماء مولوی عبدالحق حقانی اور مولوی حکیم
عبدالرشید رامپوری اور دیگر علوم مرزا عبید اللہ بیگ، حکیم مولوی جمیل الدین
اور دوسرے اساتذہ سے پڑھے، خوشنویسی میں خلیفہ محمد امیر پنجہ کش اور مولوی
رضی الدین سے مہارت پیدا کی۔ طب کی تعلیم خاندان کے بزرگوں حکیم محمود خاں

لے سیرت اجمل ص ۶

لے گنجینہ گوہر ص ۵۱

حکیم عبد المجید خاں اور حکیم غلام رضا خاں سے حاصل کی۔ مطالعہ اور کتب بینی کا شروع سے شوق تھا۔ شوق مطالعہ اور ذوق علم کی وجہ سے حکیم محمود خاں ان کو ملا کہا کرتے تھے۔

۱۸۸۳ء میں مدرسہ طیبہ کے قیام کے وقت اگرچہ ان کی عمر زیادہ نہیں تھی، لیکن انہوں نے مدرسہ میں دلچسپی لینے شروع کی۔ اور کچھ عرصہ بعد درس کا سلسلہ بھی جاری کیا۔ درس و تدریس کے دوران انہیں طب یونانی کے مسایل پر آزادانہ غور و فکر کا موقع ملا، اور ان کی نظر میں وسعت پیدا ہوئی۔

۱۸۹۲ء میں وہ ریاست راجپور میں طیب خاص کے عہدہ پر فائز ہوئے تقریباً ۹ برس ۱۹۰۲ء تک وہاں ان کا قیام رہا۔ راجپور میں عرب طیب مکی جیسا ادیب نہیں موجود تھا، حکیم صاحب نے ان سے عربی زبان و ادب میں مہارت بہم پہنچائی۔ یہ طیب مکی کی ادبی تربیت کا نتیجہ تھا کہ حکیم صاحب بلا تکلف عربی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ عراق اور مصر کے سفر میں ان کی عربی دانی کا اظہار ہوا۔ مولانا شبلی کا کہنا تھا کہ میری نظر میں ہندوستان بھر میں حکیم اجمل خاں سے زیادہ کوئی شخص قابل عزت نہیں ہے کیونکہ علم و امارت کا ان سے بہتر پیکر ملنا مشکل ہے۔ راجپور میں ان کے فارسی ذوق کی بھی نشوونما ہوئی، ریاست میں اہل علم کا بے نظیر اجتماع تھا۔ شعر و سخن کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں، حکیم صاحب کی ان میں شرکت رہتی تھی۔ راجپور میں دوسرا بڑا فائدہ ریاست کے کتب خانہ سے استفادہ تھا، اس کا اہتمام ان کے سپرد ہوا، انہوں نے نہ صرف نادر مخطوطات کا مطالعہ کیا بلکہ بہت سے اہم علمی نسخوں کی نقلیں بھی حاصل کیں۔ حکیم صاحب نے جن کا تعلق کتب خانہ سے ۱۸۹۶ء میں قائم ہوا تھا کتب خانہ

۱۔ تذکرۃ الخواجگان ص ۱۰۳

۲۔ تذکرہ مسیح الملک ص ۱۶

۳۔ ایضاً ص ۱۹

کی فہرست بھی مرتب کی ہے یہ ۱۹۰۱ء میں طبع ہوئی تھی۔ اس پر سات صفحے کا ان کا عالمانہ مقدمہ ہے۔

حکیم عبدالمجید خاں کے انتقال کے بعد حکیم اجمل خاں کو سب سے زیادہ فکر مدرسہ طیبہ کی ہوئی۔ جس کی نگرانی کا تمام بار ان کے کندھوں پر آگیا تھا۔ ۱۲ اگست ۱۹۰۱ء کو دہلی کے ٹاؤن ہال میں ڈپٹی کمشنر کی زیر صدارت ایک عام جلسہ ہوا۔ اور حکیم صاحب نے ایک لاکھ روپیہ کے لیے اپیل شایع کی، اس اپیل میں انہوں نے بتایا کہ اب تک ۶۵ طلبہ اس مدرسہ سے سند حاصل کر چکے ہیں بلکہ

۱۹۰۲ء میں حکیم صاحب عارضہ قلب میں مبتلا ہوئے اور انہوں نے ستمبر سے آخر نومبر تک تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے بیرٹھلا ہور منٹگمری اور دوسرے مقامات کے سفر کئے لیکن صحت یابی نہیں ہوئی، مزید تبدیلی کے لیے ۱۱ مارچ ۱۹۰۵ء کو وہ عراق کے سفر پر روانہ ہوئے اس سفر کا ان کی صحت پر خوشگوار اثر پڑا۔ ۹ جون کو واپسی پر اہل دہلی نے ان کا شایان شان استقبال کیا، عراق میں حکیم صاحب نے بصرہ نجف، کربلا اور دوسرے مقامات مقدسہ کی زیارت کی تھی۔

۱۹۰۲ء میں انہوں نے یونانی اینڈ ویدک میڈیسنز کمپنی کا اجراء کیا، یہ کمپنی مشترکہ سرمایہ سے قائم کی گئی تھی اور اس میں شہر کے ممتاز اصحاب شریک تھے۔ اس کو مزید وسعت دینے ہوئے انہوں نے ہندوستانی دواخانہ کا بنیاد ڈالی اور شرکاء کو آمادہ کیا کہ وہ اپنے حصص مدرسہ طیبہ کے حق میں فروخت کر دیں۔ ۱۹۰۷ء میں حکیم صاحب نے شعبہ ادویہ کی تہذیب و اصلاح کے لیے ایک زبردست اسکیم تیار کی، دواؤں کی تیاری اور کاروباری نظام کو بہتر بنایا گیا، ۱۹۱۰ء میں دواخانہ کی عمارت تعمیر کی گئی اور کچھ ہی عرصہ بعد دواخانہ ترقی کر کے کالج کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ بن گیا۔

۱۔ حیات اجمل (غفار) ص ۵۲

۲۔ حیات انجمن (رشید احمد) ص ۷۷

فروری ۱۹۰۶ء میں حکیم صاحب نے طبی کانفرنس کی بنیاد ڈالی۔ ۲۶، ۲۷، ۲۸ نومبر ۱۹۱۰ء کو اس کا پہلا کل ہند اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ اس کے ذریعہ انہوں نے ملک کے اطباء کو ایک مرکز پر جمع کر کے دیسی طبوں کی بقا اور تحفظ کے لیے جدوجہد شروع کی اور ان کے روشن مستقبل کے لیے اہتمامات کئے۔ جنوری ۱۹۰۸ء کو انہیں قدیم خاندانی خطاب حاذق الملک حکومت کی طرف سے عطا کیا گیا۔

جنوری ۱۹۰۹ء کو انہوں نے مدرسہ طبیبہ زنانہ کالفرنٹ گورنری پنجاب کی اہلیہ لیڈی سرلوتی ڈین سے افتتاح کرایا۔ یہ مدرسہ چوڑی والان میں جوہلی ڈپٹی سلطان خاں کی متصل عمارت میں قائم ہوا تھا بعد میں یہاں سے طبیبہ کالج قروں باغ میں منتقل ہوا۔ اس میں پہلے صرف فن قبالت کی تعلیم دی جاتی تھی بعد میں یونانی اور آیور ویدک کی تعلیم بھی شامل کی گئی۔

۲۶ مارچ ۱۹۱۰ء کو دہلی میں ندوۃ العلماء کا اجلاس منعقد ہوا، حکیم صاحب صدر اجلاس منتخب ہوئے۔ ان کے صدارتی خطبہ سے ان کے مصلحانہ نقطہ نظر کا اظہار ہوتا ہے۔ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۵ء تک مسلسل پندرہ برس ندوہ کی مجلس انتظامیہ کے رکن رہے۔ ۱۰ مئی ۱۹۱۲ء کو انہوں نے دہلی میں تحریک اصلاح ندوہ کا اجلاس طلب کیا تھا۔ ۸ نومبر ۱۹۲۶ء کو ندوہ کی تاریخ میں دوسری دفعہ انہوں نے کانپور کے اجلاس ندوۃ العلماء کی صدارت کی۔

علی گڑھ تحریک سے حکیم صاحب کو شروع سے دلچسپی رہی۔ ۱۸۹۲ء میں جب محمدن ایجوکیشنل کانفرنس کا ساتواں اجلاس دہلی میں ہوا تو حکیم صاحب مجلس استقبالیہ کے سکریٹری بنے۔ دہلی میں کانفرنس کی مخالفت زور و شور سے کی گئی، لیکن حکیم عبدالمجید خاں اور حکیم اجمل خاں نے مخالفتوں کی پروا نہ کر کے سرسید کی تعلیمی تحریک کا پورا ساتھ دیا۔ رامپور کے زمانہ قیام میں حکیم صاحب کی تحریک پر نواب محسن الملک علی گڑھ کالج

کی طرف سے وفد لے کر راجپور گئے۔ جنہیں نواب راجپور نے پچاس ہزار روپیہ کا عطیہ دیا۔ حکیم صاحب کی وجہ سے راجپور میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا بھی کامیاب جلسہ ہوا۔ اسی زمانہ میں ۱۹۰۰ء میں حکیم صاحب علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی مقرر ہوئے۔

۱۹۱۱ء میں حکیم صاحب شہنشاہ جارج پنجم کی تاجپوشی میں نواب راجپور کے قائم مقام کی حیثیت سے شرکت کے لیے انگلستان تشریف لے گئے، وہاں ان کی شاہی طریق پر عزت کی گئی۔ مشہور اخبارات نے تھاویہ شائع کیں اور ان کے طبی و ملکی مرتبہ اور سلامت مغلیہ کے ساتھ خاندانی تعلقات کو واضح کیا۔ حکیم صاحب لندن میں ڈیڑھ ماہ قیام پذیر رہے، سر تھیوڈر مارلسن سابق پرنسپل علی گڑھ کالج کی وساطت سے لندن کے ہسپتال، میڈیکل کالج دیکھنے کے علاوہ انہوں نے انڈیا آفس لائبریری اور برٹش میوزیم میں کافی وقت گزارا، اور وہاں کے نوذرات کا مطالعہ کیا، وہ کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹی بھی گئے۔ مشہور منسٹر قومی جی براؤن سے بھی ملے جو ان سے تبادلہ خیالات کر کے بہت محفوظ ہوئے۔ انگلستان سے واپسی پر پیرس تشریف لے گئے، وہاں کے عظیم الشان ہسپتال اور دوسرے تاریخی مقامات کا دورہ کیا۔ پیرس سے برلن کا سفر کیا، میڈیکل کالج، ہاسپتال اور دواسازی اور آلات جراثیمی کے کارخانے دیکھے اور طب اور دواسازی کی ترقی سے بہت متاثر ہوئے۔ برلن کی اورینٹل لائبریری کا بھی معائنہ کیا اور اس کی نادر کتابیں دیکھیں۔ ویانا کے شفاخانوں کا بھی معائنہ کیا۔ وہاں سے قسطنطنیہ پہنچے۔ میڈیکل کالج، شفاخانوں اور تاریخی مقامات کی سیر کی۔ قسطنطنیہ سے قاہرہ تشریف لے گئے۔ جامعہ ازہر اور دوسری قابل دید جگہوں کا دورہ کیا۔ وقت گزارا، قسطنطنیہ اور قاہرہ میں ان کے اہباب نے ان کا پر جو کوشش کرنا شروع کیا۔ ہندوستان آنے پر بمبئی اور دہلی میں ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ انکلینڈ، فرانس، جرمنی، آسٹریا، ترکی اور مصر کی اس سیاحت میں حاصل نثر بات مشاہدات سے فائدہ اٹھا کر

انہوں نے ہندوستانی دواخانہ اور مدرسہ طبیبہ میں چند اہم اصلاحات کیں۔ مجلہ طبیبہ جولائی ۱۹۱۱ء کے مطابق ”وہ پہلے شخص ہیں جن کو یورپ کی سرزمین میں ایشیا کی طبوں کی زندگی کے لیے لوگوں نے کام کرنے ہوئے دیکھا۔ وہ پہلے ہندوستانی ہیں جن کا بچھیت اس کے کہ وہ ہندوستان کے طبیب اعظم ہیں یورپ میں جا بجا خیر مقدم ہوا۔ اور انہوں نے نہ صرف رسمی ملاقاتوں بلکہ طبی مشوروں سے جا بجا یورپ والوں پر طب اسلامی کی قدر و وسعت کا حال آیتہ کیا۔ وہ پہلے فاضل طبیب ہندوستانی ہیں جن کو یورپ میں اتنی بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ بڑے بڑے امرار، علما ان سے ملاقات کرنے ان کی فرودگاہ پر آتے رہے۔ صد ہا لوگوں سے ان کی ملاقاتیں اور گفتگوئیں ہوئیں حکومت نے ان کو اعزاز بخشا اور ان کی شہرتیں بلاد مغرب میں نئے نئے ساز و سامان کے ساتھ ہوتی رہیں، اسی سفر میں لندن کے چیرنگ کر اس ہسپتال میں حکیم صاحب کی ڈاکٹر انصاری سے ملاقات ہوئی تھی۔ قسطنطنیہ میں اسی زمانہ میں نواب سلطان جہاں بیگم بھوپال بھی تشریف لائی ہوئی تھیں۔ وہاں حکیم صاحب کو زیادہ تر بیگم صاحبہ کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا۔

۱۱ دسمبر ۱۹۱۱ء کو جارج پنجم نے دہلی میں دربار کیا۔ حکیم صاحب لندن کے دربارنا چوٹی میں شرکت کے بعد اب دہلی کے دربار میں بھی شریک ہوئے۔ ایک دوسرے موقع پر لارڈ ہارڈنگ نے خاص طور پر انہیں جارج پنجم کی خدمت پیش کیا۔ اس زمانہ میں حکیم صاحب کے تعلقات لارڈ ہارڈنگ سے بہت دوستانہ ہو گئے تھے یہ تعلقات سیاسی اختلافات کے باوجود آخر تک باقی رہے۔ ۲۹ مارچ ۱۹۱۶ء کو لارڈ ہارڈنگ نے طبیبہ کالج کانسنگ بنیاد رکھا تھا، تقریباً پانچ سال بعد کالج کی بنیاد وسیع اور شاندار عمارت کی تکمیل کے بعد ۱۹۲۱ء میں انہوں نے گاندھی جی کو کالج کے افتتاح کی دعوت دی اور ایک بہت بڑے جلسہ میں رسم افتتاح انجام پائی۔

جون ۱۹۱۶ء کی ابتدائی تاریخوں میں حکیم صاحب نے اجیر میں دارالعلوم معینیہ عثمانیہ کے سالانہ جلسہ کی صدارت کی۔ اس موقع پر مشائخ و صوفیاء کے متعلق اپنی رائے نیز نصاب تعلیم، ترویج علوم اور تحفظ نخبیقات قدیم کا اپنی تقریر میں خاص طور پر ذکر کیا۔ ۲۶ جون کو انہوں نے نظارۃ المعارف قرانیہ کے پہلے جلسہ کی دہلی میں صدارت کی، اس تحریک کے بانی مولانا عبید اللہ سندھی تھے۔

مسجد کانپور کے سانحہ نے حکیم صاحب کو بہت متاثر کیا اور وہ کئی ماہ اس سلسلہ میں بیحد مہروف رہے۔ ڈاکٹر انصاری نے لکھا ہے کہ مجروحین کی دیکھ بھال اور مقدموں کی پیروی کے لیے فنڈ کی فراہمی میں حکیم اجمل خاں نے منجملہ اور سربر آوردہ مسلمانوں کے نمایاں حصہ لیا۔ وہ قریب قریب ہر مہینہ مجھ کو اپنے ہمراہ لے کر دلی سے کانپور جایا کرتے تھے۔ ۱۹۱۷ء میں انہوں نے دہلی میں اسلامیہ کالج کے قیام کے لیے کوششوں کا سلسلہ نیز کیا، اور بہت کم وقت میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ جمع کر لیا۔ لیکن بعد میں ان کی توجہ جامعہ ملیہ کی طرف ہو گئی۔ اور دہلی میں اسلامیہ کالج کے قیام کی تجویز آگے نہیں بڑھ سکی۔ ۱۹۲۰ء میں حکیم صاحب، علی برادران اور ان کے ہم خیال دوسرے بڑھئیوں نے تمام ممبران یونیورسٹی کورٹ کو دعوت دی کہ وہ حکومت سے امداد لینا بند کریں۔ اس لیے کہ اس کے ذریعہ حکومت اپنا اثر و اقتدار یونیورسٹی کے نظم و نسق میں بڑھا رہی ہے۔ لیکن کثرت رائے سے یہ تجویز منظور نہیں ہوئی۔ ان لوگوں نے طلبہ کالج سے عدم تعاون کی اپیل کی اور تقریباً چھ سو طلبہ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کو چھوڑ دیا۔ ان کے لیے ایک مستقل درسگاہ قائم کرنا ضروری ہوا۔ ۵ نومبر ۱۹۲۰ء کو مولانا محمود الحسن علی گڑھ آئے اور یونیورسٹی جامع مسجد میں بہت بڑے جلسہ میں جامعہ ملیہ کی اقتناحی رسم ادا فرمائی۔ مرکزی خلافت کمیٹی نے جامعہ ملیہ کے لیے دس ہزار روپیہ ماہانہ کی گرانٹ

منظور کی حکیم اجمل خاں امیر الجامعہ اور عبدالمجید خواجہ شیخ الجامعہ مقرر ہوئے۔ اس واقعہ کے بعد مسلم یونیورسٹی سے حکیم صاحب کا تعلق ختم ہو گیا اور انہوں نے یونیورسٹی کے کسی جلسہ میں شرکت نہیں کی، لیکن ۱۹۲۷ء میں جب علی گڑھ میں طبیبہ کالج کا قیام عمل میں آیا تو حکیم اجمل خاں اس کی تفریر راقی کمیٹی کی میٹنگ میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے۔ بعد میں حکیم صاحب کی کوشش سے جامعہ ملیہ کو دہلی منتقل کیا گیا اور وہ آخر زندگی تک امیر جامعہ کے منصب پر فائز رہے۔

دہلی میں حکیم صاحب کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ نومبر ۱۹۲۱ء میں ہندو مہا سبھا کے اجلاس دہلی کے وہ صدر مجلس استقبالیہ منتخب کئے گئے۔ وہ تنہا مسلمان تھے جو مہا سبھا کے پلیٹ فارم پر اس حیثیت سے نظر آئے اور جن پر اس طرح مہا سبھا نے اظہار اعتماد کیا یہ صحیح ہے کہ ہندو مہا سبھا کے رجحانات اس زمانہ میں اس قدر شدید نہ تھے جتنے کہ بعد میں ہوئے۔ پھر بھی یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ دہلی میں حکیم صاحب کو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کا اعتماد اس قدر حاصل تھا جتنا کسی دوسرے مسلمان کو کبھی حاصل نہیں ہو سکا۔ حکیم صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں صرف ایک ہی نقطہ اتحاد پر سارا زور دیا اور تاریخی اسناد پیش کر کے بتایا کہ مسلمان بادشاہوں نے کس حد تک گائے کی قربانی کے متعلق رواداری اور وسیع الجہالی کا ثبوت دیا تھا بلکہ

۱۹۲۵ء میں انہوں نے بحالی صحت کے لیے یورپ کا دوسرا سفر کیا، جس جہاز سے حکیم صاحب روانہ ہوئے اسی جہاز سے ہندوستان کے وپسراتے اور گورنر جنرل لارڈ ریڈنگ بھی انگلستان جا رہے تھے۔ ۲۳ اپریل کو حکیم صاحب پیرس پہنچے۔ ایک ماہ قیام رہا۔ مولانا برکت اللہ بھوپالی ان دنوں وہاں مقیم تھے اور حکیم صاحب سے گہرے روابط رکھتے تھے۔ دنیا فتوں، جلسوں اور ملاقاتوں کے علاوہ جن کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا تھا، ۲۳ اپریل سے ۲۳ مئی ۱۹۲۵ء تک پورا مہینہ پیرس میں اس طرح گذرا

کہ کوئی لمحہ مہر و نیت سے خالی نہیں تھا، حکیم صاحب جہاں جاتے اپنا ذوق علمی اور جذبہ اسلامی ساتھ لے جلتے تھے پیرس میں بھی ان کو سب سے زیادہ جدید مسجد اور کتب خانوں کے دیکھنے کا شوق تھا۔ پیرس کی نیشنل لائبریری میں صبح جاتے تھے اور شام کو نکلتے تھے۔ طب کی بہت سی کتابوں کی فوٹو کاپیاں بھی حاصل کیں۔ یہ ممکن نہ تھا کہ حکیم صاحب پیرس جاتے اور وہاں کی عمومی زندگی ان کی آمد سے بچر رہتی ہندوستانیوں کے علاوہ جنرل نادر خان شاہ افغانستان اور نرزی و مصر کی گرامی منزلت شخصیتیں، روسی کمیونسٹ ایک طرف اور مصر کے قوم پرست اور سرکاری جاسوس دوسری طرف کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جو حکیم صاحب کی صحبتوں میں حاضر نہ ہوا ہو، جرمنی، فرانس اور لندن سے ہندوستانی طلبہ اور اہل علم حکیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ہنریائی نس ہمارا بھ بڑودہ اور ہنریائی نس یوراج میسور کی رفاقتیں بھی انہیں وہاں حاصل رہیں۔

۲۲ مئی کو سوئزرلینڈ پہنچے، لوزین میں جھیل لیماں کے ایک کنارہ پر مقیم ہوئے۔ اور وہاں کے قدرتی مناظر سے بہت لطف اندوز ہوتے، جولائی تک قیام رہا۔ وہاں سے چلنوا اور ویانا بھی جانا ہوا، ویانا وہ طبی نمائش دیکھنے گئے تھے تاکہ طبیہ کالج دہلی کے لیے سامان کی خریداری کے انتخاب کا موقع مل سکے۔ جامعہ ملیہ کے وہ طلبہ جو برلن میں زیر تعلیم تھے وہ جولائی کو حکیم صاحب سے ملنے ویانا آئے ان میں برکت علی، خواجہ عبد المجید، عابد حسین اور محمد مجیب شامل تھے حکیم صاحب نے نرزی کی جانا چاہا مگر وہاں کی حکومت نے صرف استنبول کی اجازت دی اور انہیں آنے پر پابندی لگائی، حکیم صاحب نے ارادہ فریج کر دیا اور مارسیلز پہنچے ہوئے براہ مصر شام کی جانب روانہ ہوئے۔ مصر میں ارکان مؤخر خلافت، علماء اہل ہزارگان جمعیتہ رابطہ شرقیہ اور دیگر اہل الرائے حضرات سے شب و روز ملاقاتیں رہیں۔ ہندوستانی طلبہ کا ایک ہجوم ہر وقت ان کے ساتھ رہتا تھا، ہندو اور سندھی تاجروں نے شاندار ضیافت کا اہتمام کیا۔ ایک ہفتہ قاہرہ میں قیام کر کے ۲۸ جولائی کو انہوں

نے فلسطین کے لیے سفر شروع کیا۔ شام اور لبنان میں حکیم صاحب نے ان ملکوں کے مشاہیر سے ملاقاتوں میں وقت گزارا۔ مفتی فلسطین سے بار بار ملاقاتیں ہوئیں، ۹ ستمبر تک ان ممالک کی سیاحت کی اور ۱۰ ستمبر کو پھر واپس آئے۔ اور ایک ہفتہ قیام کر کے وطن کے لیے روانہ ہوئے اور ۲۵ ستمبر کو بمبئی پہنچے۔ حکیم اجمل خاں کو قومی اور ملکی سیاست سے شروع سے دلچسپی تھی۔ ابتدا میں وہ سیاست میں سرسید کے متبع تھے علی گڑھ کی قومی تعلیمی تحریک کو ان کی حمایت حاصل تھی، اپنے افراد خاندان کی طرح ان کا نام بھی حکومت کے وفاداروں میں شامل تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ حالات ایسے متغیروں ہوئے کہ مسلمان سرسید کے سیاسی جادہ سے ہٹتے گئے اور انہیں ایک الگ شاہراہ بنانی پڑی۔ اکتوبر ۱۹۰۶ میں مسلمانوں کا ایک وفد گورنر جنرل سے ملا اس میں اجمل خاں بھی شریک تھے۔ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء میں علی گڑھ ایجوکیشنل کانفرنس کا ڈھاکہ میں اجلاس ہوا نواب وقار الملک صدر اجلاس تھے اس اجلاس میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ نواب صاحب ڈھاکہ نے اس کے قیام کی تجویز پیش کی اور حکیم اجمل خاں نے اس کی تائید کی۔ لیگ کے جو ممبران پنجاب کی نمائندگی کرنے کے لیے نامزد کئے گئے ان میں حکیم صاحب کا نام نمایاں تھا۔ اس طرح وہ مسلم لیگ کے ابتدائی معماروں میں سے ایک تھے۔ ۱۹۰۷ء کے لیگ کے اجلاس کراچی میں ان کی شرکت رہی۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۰۸ء کو کانپور میں مدرسہ الہیات کا افتتاح کیا۔ اور آخر دسمبر میں لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لیے امرتسر گئے۔ حکیم صاحب نے دہلی میں لیگ کے آئندہ اجلاس کے لیے وقار الملک کو دعوت دی۔ ۱۹۰۹ء کے آخر میں دہلی میں اجلاس ہوا۔ حکیم صاحب مجلس استقبالیہ کے صدر تھے۔ مارچ ۱۹۱۲ء میں مسلم لیگ کا اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا۔ مولانا شبلی نے اس میں وقف علی الاولاد کا مسئلہ اٹھایا۔

اس کام میں حکیم صاحب ان کے خاص معاون تھے۔ جنگ بلفغان کی وجہ سے ہندوستانی مسلمانوں میں بڑی بے چینی تھی۔ مولانا محمد علی نے پورے ملک میں اس کے سببے زوردار تحریک چلائی اور ایک طبی وفد روانہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جس وقت یہ وفد روانہ ہوا تو جامع مسجد کے سامنے کے میدان میں آدمیوں کے سروں کے سوا دوسری چیز نظر نہیں آتی تھی حکیم اجمل خاں اور مولانا محمد علی کی الوداعی تقریروں اور شاہ ابوالخیر کی دعائے گہرے اثرات چھوڑے۔ ۲۲۔۲۳ مارچ ۱۹۱۳ کو لیگ کے لکھنؤ اجلاس کے شرکاء دنیائے اسلام میں مچی ہوئی بلچل سے بہت متاثر تھے۔ دوسرے کانگریس کی سیاسی تحریک سے مسلم لیگ کے قائدین کا نقطہ نظر قریب ہوتا جا رہا تھا۔ لیگ کے اس اجلاس میں کانگریس کے صدر پنڈت بشن زائن در اور دوسرے ہندو لیڈر شریک ہوئے سروجی نائیڈو نے بھی پہلی دفعہ لیگ کے اجلاس کو خطاب کیا۔

ترکی کی شکست سے مسلمان بہت متزدد تھے اور عام طور پر یہ خیال پیدا ہو چلا تھا کہ اگر یہی صورت حال رہی تو اسلام کے مقدس مقامات بھی مغربی سلطنت کی دست درازیوں سے نہیں بچ سکیں گے۔ اپنی احساسات کا نتیجہ انجمن خدام کعبہ کی تحریک تھی۔ نظارۃ المعارف کی تحریک کا مقصد بھی یہی تھا۔ ۳۰۔۳۱ دسمبر کو آگرہ میں مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ زیر صدارت سربراہ ایم رحمت اللہ منعقد ہوا۔ لیگ کے اس اجلاس میں وہی اصحاب نمایاں تھے جو دو ایک سال بعد ہی مطالبہ آزادی کے میدان میں بہت تیز قدم بڑھانے والے تھے، مثلاً مظہر الحق مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد علی، حکیم اجمل خاں۔ یہ اجتماع در حقیقت اس کتاب کا دیباچہ تھا جس میں ۱۹۱۹ سے آزادی کی جدوجہد میں ہندوستانی مسلمانوں کی سوانح لکھی جانے والی تھی۔ ۱۹۱۵ کے آخر میں لیگ کے سالانہ اجلاس بمبئی کے صدر مظہر الحق منتخب ہوئے۔ اس اجلاس میں لیگ نے کانگریس کی طرف پہلا قدم اٹھایا۔ صدارتی خطبہ میں حکومت پر زیادہ سختی سے نکتہ چینی کی گئی اجمل خاں اس تاریخی اجلاس میں شریک تھے، کانگریس کے لیڈروں سے گفتگو کر کے مشترکہ

لائحہ عمل تیار کرنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی اس کے اراکین میں دہلی کے تین نمائندے
 حکیم اجمل خاں ڈاکٹر انصاری اور مولانا محمد علی تھے۔ یہ پہلا قدم تھا جو لیگ نے مشترکہ
 اور متحدہ قومی سیاست کے نصب العین کی طرف اٹھایا۔ دسمبر ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ
 اور کانگریس کے سالانہ جلسے ایک ہی جگہ لکھنؤ میں منعقد ہوئے۔ لیگ نے آئندہ
 اصلاحات کے لیے ہندو مسلمانوں کی متفقہ تجاویز مرتب کیں اور کانگریس کے
 لیڈروں کے مشورہ سے ایک ایسا متفقہ دستور العمل تیار ہوا جو عرصہ تک
 ہندو مسلمانوں کے سیاسی اتحاد کی دستاویز سمجھا جاتا تھا، لیگ کا یہ نواں اجلاس
 ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی میں ایک بڑا تاریخی واقعہ تھا۔ اسی دن سے سرسید
 کی قدیم پالیسی کا خاتمہ ہوا اور ملک کی عام سیاسی زندگی میں مسلمانوں کا مقام
 معین ہوا۔

تخریبِ خلافت اور نرکوں سے پھردی کے نتیجہ میں مسلمانوں کے بڑے
 لیڈروں میں محمد علی اور شوکت علی چھندواڑہ میں، حسرت موہانی فیض آباد میں، مولانا
 ابوالکلام آزاد رانچی میں، ظفر علی خاں پنجاب میں، مولانا محمود الحسن مالٹا میں نظر بند
 کئے گئے۔ ان کی نظر بندی کے خلاف ملک میں زبردست احتجاج ہوا۔ ایک انجمن
 نظر بندان اسلام قائم کی گئی۔ مرکزی جماعت کے صدر راجہ صاحب محمود آباد سکرٹری
 ڈاکٹر انصاری اور عبدالرحمن بجنوری اور خزانچی حکیم صاحب بنائے گئے، تمام صوبوں
 میں اس انجمن کی شاخیں قائم کی گئیں۔

اسی زمانہ میں گاندھی جی ہندوستان آچکے تھے۔ دسمبر ۱۹۱۶ء کا آخری ہفتہ کلکتہ میں
 قومی جوکشن و خروش کے مظاہروں کا عجیب و غریب زمانہ تھا۔ حکیم صاحب کانگریس اور
 لیگ کے پلیٹ فارم پر موجود تھے۔ اور لیڈروں کے اندرونی مشوروں میں نمایاں
 حصہ لے رہے تھے اب وہ اپنی سیاسی زندگی کے اس دور میں داخل ہو چکے

نھے جب کوئی سیاسی اجتماع ہتھوری، کانفرنس یا اجلاس ان کے بغیر مکمل نہ ہوتا تھا۔ غالباً پہلی دفعہ حکیم صاحب اور گاندھی جی اسی موقع پر ایک دوسرے کے قریب آئے اور اس تعلق کی بنیاد رکھی گئی جو ۱۹۲۷ تک قائم رہا۔ ۱۹۱۸ء میں لیگ اور کانگریس کے اجلاس دہلی میں ہوئے لیگ کی مجلس استقبالیہ کے صدر ڈاکٹر انصاری اور کانگریس کی مجلس استقبالیہ کے صدر حکیم اجمل خاں منتخب ہوئے۔ حکیم صاحب کا بڑا وقت ان دونوں اجلاسوں کی تیاری کے کام میں صرف ہوا۔ رولٹ ایکٹ کے خلاف پورے ملک میں ہنگامہ اور ہڑتال کا سلسلہ رہا۔ دہلی میں حکیم صاحب، ڈاکٹر انصاری، سوامی شرادھانند، رائے بہادر لالہ سلطان سنگھ پیش پیش تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب حکیم صاحب بے تاج کے بادشاہ بن گئے، ان کا شمار کانگریس کے اہم ترین زعماء میں ہوا۔ ۱۹۱۹ء میں انہوں نے اپنا خطاب حاذق الملک واپس کیا اور قوم نے انہیں مسیح الملک کا خطاب عطا کیا۔ ریشمی خطوط کی تحریک میں وہ شریک رہے، ان کے مکان، مطب اور سفر میں خفیہ آدمی نگرانی کے لیے مقرر کئے گئے، ڈاک سنسر کی جانے لگی۔ وہ تحریک خلافت اور تحریک نرک موالات کے قائدین میں تھے۔ ۱۹۱۹ء میں انہوں نے لیگ کے اجلاس امرتسر اور ۱۹۲۱ء میں خلافت کانفرنس کے اجلاس احمد آباد کی صدارت کی اور اسی سال وہ انڈین نیشنل کانگریس کے احمد آباد اجلاس کے صدر منتخب ہوئے، ملک و قوم کی یہ بڑی عزت تھی جو ان کو ایسے زمانہ میں حاصل ہوئی جب ہر قومی کارکن کا امروز اس کے فرد سبب خراب تھا۔ یہ حکیم اجمل خاں کی سحر انگیز شخصیت، طبی قامت، علما کی کمالات، قومی و سیاسی تحریکوں اور تعلیمی و ملی مسابیل میں ان کی شاندار خدمات کا عام طور پر اعتراف

۱۔ حیات اجمل (غفار) ص ۱۰۰

۲۔ حکیم اجمل خاں ص ۱۵۲

۳۔ حیات اجمل (غفار) ص ۲۵۷

کیا گیا ہے لیکن ان کی تصنیفی حیثیت اور طب میں ان کی اجتہادی شان کا زیادہ ذکر نہیں کیا جاتا ہے۔ حکیم اجل خاں کا محض ایک حاذق معالج اور قومی و سیاسی رہنما کی حیثیت سے تعارف ان کی شخصیت کے ساتھ پورا انصاف نہیں ہے، وہ طب کے ایک ایسے عالم تھے جنہوں نے مختلف طبی موضوعات پر آزادانہ قلم اٹھایا ہے اور جن کے پیش نظر قدیم مباحث کی تیض و تہذیب رہی ہے۔ ان کی نظریوں میں تشریح طب طبی مسایل کو جدید افکار و خیالات کی روشنی میں پیش کرنے کی کامیاب کوشش ہی نہیں ملتی، ان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ طب کی شناخت اور اس کی بنیادی قدروں کا ان کے یہاں پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ عربی میں ان کے سات مطبوعہ رسالوں القول المرغوب فی المار المشروب، التحفة الحامدیہ فی الصناعتہ التکلیبیتہ البیان الحسن بشرح المعجون المسمی بالکیرالبدن، اوراق مزہرۃ مثمرۃ مفترۃ الساعایینۃ الوجیزہ، المسائل الخمسہ کے علاوہ مقدمتہ اللغات الطبیۃ بھی ہے۔ ان کی اردو یادگاروں میں رسالہ طاعون، حاذق اور افادات مسیح الملک، ہیں، مؤخر الذکر کتاب میں ان کے علاجی واقعات حکیم نذر احمد خاں نے قلمبند کئے ہیں۔

بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں برطانوی حکومت کے معاندانہ رویہ اور ملک میں در آمدہ ایک نئے نظام طب کی سرپرستی کی وجہ سے طب یونانی کو شدید صدمہ پہنچا۔ اس کی ترقی اور فروغ میں دشواری ہی کا مسئلہ نہیں پیدا ہوا بلکہ اس کی بقا اور اس کا پورا وجود خطرہ میں پڑ گیا، ایسے پر آشوب اور ناموافق زمانہ میں اس کو زندگی اور توانائی عطا کرنے کے لیے جو شخصیت آگے بڑھی اور سینہ سپر ہوئی وہ مسیح الملک حکیم اجل خاں کی ذات گرامی تھی۔ ملک میں اس وقت طبیبوں کی کمی نہیں تھی۔ ہزاروں طبیب گاؤں قصبوں اور شہروں میں فراہم مطب ادا کر رہے تھے۔ لیکن اس خطرہ کا انہیں احساس نہیں تھا، جسے اس مرد فن آگاہ اور نبض

تئاس زمانہ نے بھانپ لیا تھا۔ اس کے آگے عیش و آرام، تدریسی تصنیفی اور معالجاتی
 مہر و فینیں اور سیاسی مصلحتیں آڑے نہیں آئیں۔ وہ پوری تیاری اور ہذب و عمل
 سے میدان میں اترے۔ اس نے دیسی طبوں کے ماہرین کی کل ہند تنظیم قائم کی اور
 دیسی معالجین کو ان کے گوشہ ہائے عافیت سے نکال کر برطانوی حکومت کی مفامی
 طبوں کے خلاف سازش اور منصوبہ بند پالیسی کے تار و پود بکھرنے کا زبردست
 کارنامہ انجام دیا۔

اجمل خاں کی شخصیت میں ان کی خاندانی عظمت و وقار، ذاتی اوصاف و کمالات
 فنی حد اقل و مسیحائی، اعلیٰ تعلیمی و تدریسی حیثیت، طبی تعلیم کو عصری تقاضوں کے
 مطابق ڈھالنے کے اہتمام، قومی و ملی مسابیل میں دلچسپی و شغف اور تحریک آزادی
 میں قائدانہ کردار میں سب سے زیادہ جس چیز سے متاثر ہوں وہ ان کی فنی دانشوری
 اور بقائے طب کے لیے ان کی انتھک اور بے لوث جدوجہد ہے، واقعہ یہ ہے کہ
 اگر اس وقت اجمل خاں جیسی عظیم المرتبت شخصیت سامنے نہ آئی اور وہ زبردست
 کوششیں انجام نہ دی جاتیں جو ان کی زیر سرکردگی طبی کانفرنس نے انجام دیں تو
 اس ملک میں دیسی طبیں اس طرح مٹنے کے قریب ہو جاتیں اور ان کا وہ حشر ہونا
 جو مغربی سیاست اور اس کے قومی اثرات کی بدولت پورے مشرق وسطیٰ
 میں رونما ہوا۔ حکیم اجمل خاں کی یہ وہ عظیم الشان خدمات ہیں جن کا اعتراف طب
 کی تاریخ ہمیشہ کرتی رہے گی۔

۲۷ اور ۲۸ دسمبر ۱۹۲۷ء کی درمیانی شب میں راجپور میں وفات ہوئی۔ دہلی میں
 درگاہ حسن رسول نما میں دفن ہیں۔ سایل دہلوی نے قطعہ وفات کہا جو لوح مزار پر
 کندہ ہے یہ

چکد اشک خو ہیں ز چشم جہانی
 زبان داشت شیریں دلی مہربانی
 ارسطو صفت بود لقمان روانی
 ۲۱۳۲۶

ز بحر دوامی دانائے عالم
 علم گشت اجمل لقب شد میجا
 سن رحلتش آشکار است سایل

شریف منزل

دہلی کی تاریخی یادگاروں میں شریف منزل ایک نہایت اہم عمارت ہے، گذشتہ ڈھائی سو برس میں اس منزل نے جس طرح ملک کی تاریخ کے بدلتے نکتے دیکھے، وایان ریاست اور رہنمایان ملک و ملت کا استقبال کیا، شاعروں اور ادیبوں کی محفلیں سجائیں، علماء و انبیا کی عالمانہ گفتگو میں سنیں، قومی رہنماؤں کے مشاورتی جلسوں کا نظارہ کیا اور ہزار ہا جان بلب مرلیوں کو جام صحت بخشا۔ اس لحاظ سے نہ صرف دہلی بلکہ ذاتی و بخی زمرہ کی ہندوستان کی کم عمارتیں اس کے برابر درجہ میں شمار کی جاسکیں گی۔ ملک کی بہت سی عمارتیں قومی نوعیت کے جلسوں یا شاعروں، ادیبوں اور نامور شخصیتوں سے انتساب کی وجہ سے منزلت کا خاص درجہ رکھتی ہیں، لیکن شریف منزل کی طرح وہ نہ ڈھائی سو سالہ طویل تاریخ کی امین ہیں، نہ مختلف ادوار میں ان کا وہ تاریخی کردار رہا ہے، یہ منزل ملکی سیاست اور قومی مسابیل و معاملات سے لے کر علم و ادب اور تہذیب و ثقافت کا ایسا گہوارہ رہی ہے جس کے بغیر دہلی کی سیاسی، ادبی اور تہذیبی تاریخ ادھوری نظر آتی ہے۔

شریف خانی سلسلہ کے مورث اعلیٰ بابر کے عہد میں ہندوستان آئے۔ لہ جیدر آباد اور اکبر آباد کے بعد دہلی ان کا مسکن بنا۔ حکیم واصل خاں پہلے شخص ہیں جو اورنگ زیب کے زمانہ میں آگرہ سے دہلی منتقل ہوئے۔ لہ ان کے بعد ان کے بیٹوں حکیم اکمل خاں اور حکیم اجمل خاں کا دہلی قیام رہا۔ دہلی منتقلی کے فوراً بعد ان کا عروج شروع ہو چکا تھا۔ حکیم اکمل خاں جیسا کہ کہا جاتا ہے محمد شاہ کے دربار سے

لہ سیرت اجمل ص ۱

۲۷ حکیم اجمل خاں ص ۱۰۰

والسنتہ اور حاذق الملک کے خطاب سے مفتخر تھے بلکہ لیکن ان کے قیام کی جگہ کے بارے میں تذکروں میں وضاحت نہیں ملتی ہے ہندوستان میں اگرچہ اس خاندان کی کئی پشتیں گزر چکی تھیں لیکن حکیم اکمل خاں کے صاحبزادہ حکیم شریف خاں (پیدائش ۱۱۳۸ھ/۱۷۲۵ء) کے نام سے جہاں یہ خاندان منصف ہوا اور شریف خانی خانوادہ نے ملک کے نامور خاندانوں کی تاریخ میں امتیازی جگہ پائی، وہاں شریف منزل بھی اپنی کے نام سے موسوم ہوئی۔ میرے خیال سے حکیم واصل خاں اور حکیم اکمل خاں کا قیام اسی مکان میں رہا۔ حکیم شریف خاں نے جنہیں تعمیر کا خاص ذوق تھا، اس میں اپنی پسند کے مطابق ترمیم کی اور بعد میں یہ عمارت ان کی ذاتی شہرت کے ساتھ ساتھ ان کے نام سے مشہور ہوئی، بلی ماران میں واقع شریف منزل پر کوئی تاریخی کتبہ نہیں ہے جس سے اس کے سنہ تعمیر کے بارے میں کچھ پتہ چل سکے۔ اس منزل کے سامنے جو مسجد ان کی باقیات میں سے ہے اس کی تاریخ خانہ خدا سے ۱۱۶۱ھ لوگوں نے لکھی ہے، لیکن خانہ خدا سے ۱۱۶۱ھ نہیں ۱۲۶۱ھ آمد ہوتی ہے حکیم شریف خاں کا انتقال ۱۲۲۲ھ میں ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کی وفات کے ۳۹ برس بعد حکیم صادق نے اپنے زمانہ میں لگوا یا ہے۔ حکیم صادق علی خاں کے بیٹوں میں سے دو حکیم غلام محمد خاں اور حکیم غلام مرتضیٰ خاں ریاست پٹیالہ سے متعلق رہے۔ حکیم محمود خاں شریف منزل میں خاندانی مسند طبابت پر فائز ہوئے۔ ان کے دم سے شریف منزل کی آبادی اور رونق میں اضافہ ہوا۔ ان کی ذات مرجع انام تھی انہوں نے بزرگوں کی روایات اور خاندانی وقار اور وجاہت کو قائم رکھا۔ شریف منزل جو اب تک بکثرت مقامی و بیرونی مرضاء شائقین علم طب اور دہلی کے علماء شرفا اور عمائدین کے لیے ایک مرکزی مقام کی حیثیت رکھتی تھی سلطنت مغلیہ کی تباہی اور انگریزی اقتدار کے زمانہ آغاز میں ایک اور حیثیت سے ابھر کر سامنے

آئی۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ رستخیز میں وہ باشندگان دہلی کے لیے امن کا گہوارہ بنی اور سیکڑوں لوگوں نے وہاں پناہ لے کر اپنی جان اور آبرو بچائی۔ ۱۸۵۷ء میں شریف منزل بنا ہی میں نہیں آئی۔ اس کا ایک سبب خود محمود خاں کا شخصی اعزاز تھا۔ جس وقت برطانوی فوجیں دلی میں داخل ہوئیں تو نابھہ، پٹیالہ اور جیند کی فوجیں ان کے ساتھ تھیں، اور ان مہاراجگان نے برطانوی افسران سے کہہ دیا تھا کہ شریف خانی خاندان کی حفاظت کی جائے۔ چنانچہ انگریزی فوج نے دلی میں داخل ہوتے ہی اس گھر کی حفاظت بہ بہرہ بخا دیا تھا۔ غالب کی متعدد تخریروں میں شریف منزل کا ذکر ملتا ہے۔ دستنبو میں غالب نے اس واقعہ کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے ایک اور جگہ لکھا ہے: ”باغیوں کی شکست کے بعد جب دلی والے بھاگے تو ہزار ہا اشخاص نے حکیم محمود خاں کی حفاظت میں اپنا اثاثہ چھوڑ دیا۔ حالت یہ تھی کہ لوگ حکیم صاحب کے پاس اپنا قیمتی سامان، زیور اور جوہرات محفوظ کرنے کے لیے لاتے تھے اور حکیم صاحب ایک کوٹھری بنا دیتے تھے کہ اس میں رکھ جاؤ۔ چنانچہ یہ کوٹھری چھت تک لوگوں کے پلندوں، گٹھریوں اور بکسوں سے بھر گئی۔ بقول حکیم محمد احمد خاں مرحوم اندازہ یہ تھا کہ اس وقت اس کوٹھری میں دو کروڑ روپے سے زیادہ کی امانتیں رکھی ہوئی تھیں۔ یہ مرتبہ دلی میں محمود خاں ہی کا تھا کہ لوگ ان کی کوٹھریوں میں اس طرح اپنی دولت ڈال جاتے تھے۔ غرر کے بعد جب لوگ اپنے گھروں کو واپس آئے تو حکیم صاحب نے اس کوٹھری کا دروازہ کھلوا دیا، اور فرمایا کہ جس کا جو سامان ہو وہ پہچان کر لے جائے۔“

شریف منزل متعدد عمارتوں کا مجموعہ تھی۔ جس کے مختلف حصوں میں اراکین خاندان کی رہائش تھی۔ اسی کی ایک عمارت میں حکیم غلام رضا خاں رہتے تھے۔

مرزا غالب کے دوست، انہوں نے شریف منزل میں اکل المطابع قائم کیا تھا۔ اس مطبع سے ایک اخبار بنام اکل الاخبار نکلتا تھا۔ مرزا بہاری لال مشتاق شاگرد مرزا غالب مطبع کے منتظم تھے، حکیم واصل خاں مطبع اور اخبار کی نگرانی کرتے تھے ۱۸۹۴ کے بعد تک یہ اخبار جاری رہا۔ مضامین لکھنے والوں میں اس زمانہ کے مشہور اہل قلم مولوی ذکار اللہ، سید جالب دہلوی، حکیم سید احمد حسین، نواب سید الدین خاں طالب، محمد بشیر مرزا دہلوی، مرزا غلام احمد قادیانی وغیرہ شامل ہیں، اسی مطبع سے ۱۸۹۹ء میں غالب کا مجموعہ خطوط اردوئے معلیٰ طبع ہوا تھا۔ محمود خاں کے زمانہ میں دہلی کی جو بالکمال ہستیاں تھیں۔ شریف منزل کے بام و دران کے فیض سے منور تھے۔ اس کی حیثیت ایک ایسے ادارے اور انجمن کی تھی جہاں علمی مذاکرے مذہبی مباحث اور فنی مسایل پر تبادلہ خیال کا سلسلہ رہتا تھا۔ سیاست کی گفتگیاں سلجھتی تھیں اور شعرو سخن کی محفلیں سجتی تھیں، جس طرح اس زمانہ میں غالب، ذوق، مومن، صدر الدین آزاد، حکیم احسن اللہ خاں اور دہلی کی دوسری سرکردہ شخصیتیں وہاں پہنچتی تھیں۔ اسی طرح حاذق الملک حکیم عبد المجید خاں کے زمانہ میں مولانا حالی، ڈپٹی نذیر احمد، ڈپٹی الہی بخش، مولوی ذکار اللہ، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک کا وہاں اجتماع رہتا تھا۔ شریف منزل میں واقع مطبوں میں جہاں کثرت سے مرصعا کا ہجوم ہوتا تھا۔ درس و افادہ کی مجلسیں بھی منعقد ہوتی تھیں، حکیم شریف خاں، حکیم صادق خاں، حکیم محمود خاں، حکیم عبد المجید خاں، حکیم واصل خاں اور خاندان کے دوسرے اراکین مدرسہ طیبہ کے قیام سے پہلے اپنے مطبوں میں طلبہ کو علمی و عملی تعلیم دیتے تھے۔

سیح الملک حکیم اجمل خاں کے عہد میں شریف منزل کی رونق و عظمت میں مزید اضافہ ہوا۔ ان کی شخصیت ایسی متقدر اور بااثر تھی کہ دلی میں کوئی سیاسی مشورہ

اجتماع، کانفرنس یا اجلاس ان کے بغیر نامکمل تھا۔ ان کی آواز دہلی کی آواز تھی، قومی رہنماؤں میں گاندھی جی، پنڈت موتی لال نہرو، سی آر داس، جواہر لال نہرو، ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد، بیرسٹر آصف علی، علما میں مولانا محمود الحسن، مولانا شبلی، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مولانا سید سلیمان ندوی سرکردہ شخصیتوں میں رائے صاحب پیارے لال، رائے بہادر سلطان سنگھ، سوامی نر دھانند، لالہ سری رام، اسی طرح وایان ریاست اور دہلی کے روسا اور حکام کی کثرت سے آمد و رفت رہتی تھی۔ کانگریس، مسلم لیگ، تحریک خلافت، جمعیتہ العلماء اور دوسری جماعتوں کی مشاورتی نشستوں کے علاوہ علی گڑھ، ندوۃ العلماء، جامعہ ملیہ اور دوسری تعلیمی تحریکوں کو بھی وہاں پروان چڑھنے کا موقع ملا۔ جامعہ کے مسابیل پر تو آئے دن مشوروں اور غوروخوض کا سلسلہ رہتا تھا۔ اسی طرح تقریباً روز قومی اور تعلیمی مسابیل سے متعلق جلسے منعقد ہوتے تھے۔ ندوۃ العلماء کی اصلاحی تحریک کے بہت سے جلسے ان کے مکان میں ہوئے ہیں بلکہ

حکیم اجل خاں کی قومی تحریک میں شرکت کے بعد شریف منزل دہلی میں ملک کی آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینے والوں کا اہم مرکز بن گئی تھی۔ اس کے در و دیوار قومی تحریک آزادی کے عینی شاہد ہیں، اس عہد کی دو جلیل القدر ہستیوں گاندھی جی اور مولانا آزاد کی پہلی ملاقات یہیں ہوئی تھی۔ شریف منزل میں اس دور کی سبھی عظیم شخصیتوں کا قیام رہا۔ شب بسری بھی اور خفیہ نشستوں میں اہم فیصلے بھی ایسے فیصلے جو بعد میں پوری قوم اور ملک پر اثر انداز ہوئے۔

وہاں دن آئے جو اجتماعات منعقد ہوتے تھے۔ ان میں سے بعض کا ذکر اجل خاں کے تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ ۱۹۱۷ء میں لڑکی سے ہمدردی کے نتیجے میں مسلمانوں

کے بڑے لیڈر مولانا محمد علی مولانا شوکت علی چھند واڑہ ہیں، سرت موہانی فیض آباد میں، مولانا آزاد راجپتی میں، ظفر علی خاں پنجاب میں، مولانا محمود الحسن مالٹا میں نظر بند کئے گئے۔ ان نظر بندوں کی رہائی کے مسئلہ پر ویسراے سے گفتگو کی غرض سے مسز ابینی بسنٹ دہلی آئیں۔ ملک کے بہت سے ممتاز لیڈر بھی اس موقع پر ان کی گفتگو کا نتیجہ معلوم کر کے اپنی تحریک کا پروگرام بنانے کے لیے جمع ہوئے، ۳-۴ اور ۵ نومبر ۱۹۱۷ء کا یہ اجتماع دہلی میں لیڈروں کا ایک یادگار اجتماع تھا۔ شریف منزل اور ڈاکٹر انصاری کے مکان پر مسلمان لیڈر جمع ہوئے۔ نظر بندوں کی رہائی کے لیے ایک مرکزی کمیٹی قائم کی گئی۔ راجہ صاحب محمود آباد صدر، ڈاکٹر انصاری اور ڈاکٹر عبدالرحمن سکریٹری اور حکیم اجمل خاں خزانچی مقرر ہوئے۔

۱۹۱۸ء میں دہلی میں کانگریس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ اس کی مجلس استقبالیہ کے صدر حکیم اجمل خاں تھے۔ اس اجلاس کے دوران حکیم صاحب کے مکان پر کانگریسی لیڈروں کے مشورے ہوتے رہے اور پہلی دفعہ گاندھی جی نے بتایا کہ وہ کن خطوط پر قومی تحریکوں کو چلانا چاہتے ہیں۔

دہلی میں ۱۹۱۹ء میں رولٹ ایکٹ کے خلاف جو زبردست عوامی تحریک شروع ہوئی اس میں دہلی کا امن خطرہ میں پڑ گیا اور حکومت اور عوام کے درمیان سخت ٹکراؤ کی فضا پیدا ہو گئی، اس زمانہ میں محض حکیم اجمل خاں کے انز کی وجہ سے دہلی قتل عام سے محفوظ رہی، وہ اس وقت دہلی کے بے تاج کے بادشاہ تھے شہر کے امن و امان کے لیے تمام محلوں سے نمائندے منتخب کر کے ایک پنچایت قائم کی گئی تھی جس سے کارکن شہر کی حفاظت اور انتظام کے لیے مامور تھے۔ حکیم صاحب اس پنچایت کے صدر تھے۔ ڈاکٹر انصاری کے الفاظ میں ”ان کا گھر شہر کا قلب اور کاموں کا مرکز تھا۔“

۱۹۱۸ و ۱۹۱۹ء

۱۹۰۰ء ایضاً ص ۲۰۳

تحریک ترک موالات کے سلسلہ میں ۲۲ مارچ ۱۹۲۰ کو انہوں نے ملک کے تمام ہندو مسلمان لیڈروں کو دہلی میں مدعو کیا اور اس منشورہ کا جو کئی دن تک شریف منزل میں جاری رہا، نتیجہ یہ نکلا کہ شروع اپریل ۱۹۲۰ میں گاندھی جی نے حکومت کے مقابلہ کا اعلان کر دیا۔ اجمل خاں نے اپنا خطاب حاذق الملک اور اپنا تمغہ قیصر ہند حکومت کو واپس کر کے جبر و تشدد کے خلاف اپنے رنج و نفرت کا برملا اظہار کیا۔ حکیم صاحب کی سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے ان کے مکان اور مطب پر اور سفر کے دوران خفیہ پولس کے آدمی نگرانی کے لیے مقرر کئے گئے تھے۔

۱۹۲۱ء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا ایک جلسہ دہلی میں منعقد ہوا۔ اس سلسلہ میں ملک کے بہت سے ہندو مسلمان لیڈر صبح سے شام تک شریف منزل میں جمع رہنے نکلے تھے۔

۲۲ فروری ۱۹۲۲ کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا ایک یادگار جلسہ شریف منزل میں منعقد ہوا، جس میں بشمول گاندھی جی ملک کا کوئی ممتاز لیڈر ایسا نہ تھا جو موجود نہ ہو۔ اس جلسہ میں تجویز التوا سے قانون شکنی کی سخت مخالفت کی گئی۔ لیکن گاندھی جی کی شخصیت اور دلائل نے سب کو خاموش رہنے پر مجبور کر دیا، اور تحریک التوا کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے بھی منظور کر لیا، شریف منزل میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جلسہ کا منظر بہت حسرت ناک تھا۔

سول نافرمانی کی تحقیقاتی کمیٹی کا ۳۰ جون ۱۹۲۲ کو شریف منزل میں ابتدائی جلسہ

۱۔ سیرت اجمل ص ۱۳۳

۲۔ ایضاً ص ۱۳۵

۳۔ ایضاً ص ۱۵۵ جیات اجمل (غفار) ص ۲۲۲

۴۔ سیرت اجمل ص ۱۷۲

۵۔ جیات اجمل (غفار) ص ۲۶۷

منعقد ہوا جس میں شہادتیں قلمبند کرنے کے لیے کچھ سوالات قائم کئے گئے۔ کمیٹی کی کارروائی یکم جولائی سے شروع ہوئی، حکیم صاحب نے تقریباً تمام اجلاسوں میں شرکت فرمائی۔ ۲۵۹ بیانات تحریری وصول ہوئے اور ۳۶۶ اشخاص نے زبانی شہادت دی۔ ۲۹ اگست ۱۹۲۳ء میں ایمران کر اچھا رہا ہوئے، ۲۹ اگست کو مولانا محمد علی بغیر اطلاع کے یکایک حکیم صاحب کے مکان پر پہنچے، اور چند گھنٹوں کے قیام میں انہوں نے حکیم صاحب سے فرقہ وارانہ فتنہ کے متعلق گفتگو کی۔

۲۷ جون ۱۹۲۲ء کو حکیم صاحب نے شریف منزل میں ہندو مسلمانوں کا ایک جلسہ منعقد کیا جس میں دلی کو ہندو مسلم فساد سے محفوظ رکھنے کی تدابیر پر غور کیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ ہندو مسلم اخبارات سے درخواست کی جائے کہ وہ ایک ماہ تک کوئی افواہ نہ پھیلانے کریں، جماعتوں سے بھی درخواست کی گئی کہ اشتعال دلانے والا کوئی جلسہ نہ منعقد کیا جائے۔

حکیم صاحب نے دہلی میں ایک اسلامیہ کالج قائم کرنے کی تحریک شروع کی۔ اس سلسلہ میں ہر دوسرے تیسرے دن ان کے مکان پر جلسے ہوتے تھے۔ ان جلسوں کی اکثر روئدادیں وہ اپنے قلم سے لکھتے تھے۔ پوری اسکیم کا مسودہ انہوں نے خود تیار کیا، شہر کے تقریباً تمام بااثر افراد خصوصاً ڈاکٹر انصاری، مولوی عبدالاحد، امام صاحب جامع مسجد، مسٹر آصف علی، ڈاکٹر عبدالرحمن اور بہت سے مسلمان وکلاء، پیرسٹر اور ناظران کے تحریک کار تھے۔ کل اسکیم کے لیے سرمایہ کا تخمینہ ساڑھے چھ لاکھ روپیہ تھا۔ بہت قلیل عرصہ میں انہوں نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ جمع کر لیے۔ بعد میں جب جامعہ پلہ کی بنیاد رکھی گئی تو حکیم صاحب کی تمام تر توجہ اس طرف

۱۔ سیرت اجمل ص ۱۷۵

۲۔ حیات اجمل (غفار) ص ۲۹۲

۳۔ سیرت اجمل ص ۱۹۱

مبذول ہو گئی یہ

شریف منزل میں مجلس عاملہ خلافت کیٹی کا خصوصی جلسہ زیر صدارت مسیح الملک
ہوا جس میں مقامی و غیر مقامی رہنمایان ملک شریک ہوئے۔ اس جلسہ میں لالہ لاجپت
رائے بھی تھے یہ

ترکی کے ہلال احمر عثمانی کا ایک وفد فروری ۱۹۲۲ کو دہلی آیا، دوسرے دن حکیم
صاحب سے ملنے شریف منزل گیا، اور انہوں نے انقلاب ترکی کے مسئلہ پر اراکین
وفد سے مفصل گفتگو کی یہ

عبدالمجید خواجہ علی گڑھ کے بارے میں قاضی عبدالغفار نے لکھا ہے کہ وہ شریف
منزل کی صحبتوں میں اور تحریک خلافت اور تحریک موالات کے ہنگاموں اور جامعہ ملیہ
اسلامیہ کی تحریک میں اجمل خاں کے عزیز ترین شرکار کار میں سے ایک تھے بلکہ گاندھی
جی کے خاص دوست اینڈ ریزرور کا بیان ہے کہ میں اکثر اجمل خاں سے ملنے جاتا تھا اور
اکثر ان کے ہاں کھانا کھاتا تھا چہ

مولانا آزاد کے حکیم بھورے میاں سے خصوصی تعلقات تھے اور دہلی میں ان کا اکثر
قیام شریف منزل میں بھورے میاں کے حصہ میں ہونا تھا، نواب حامد علی خاں راجپور
اگرچہ شریف منزل میں کبھی نہیں ٹھہرے مگر دہلی کے ہر سفر میں ان کا شریف منزل میں
آنا لازمی تھا۔ اجمل خاں سے بھائی کہہ کر بات کرتے تھے، ولی عہد رضا علی خاں دوران
معتوبی کسی دوسرے ولی ریاست کے ہاں قیام کرنے کے بجائے کئی ماہ شریف منزل

۱۔ حیات اجمل (غفار) ص ۱۶۲

۲۔ مائٹرا مسیح ص ۱۰۲

۳۔ حیات اجمل (غفار) ص ۲۹۶

۴۔ ایضاً ص ۱۰۰

۵۔ ایضاً ص ۱۰۶

میں مقیم رہے۔ ان کا قیام حکیم احمد سعید خاں کے حصہ میں تھا۔ شریف منزل میں یہ حصہ جمیل میاں کے حصہ کے سامنے واقع تھا، دوسرے چھوٹے بڑے رجواڑوں اور نوابوں کے علاوہ جن کی آمد کا سلسلہ تقریباً روز رہتا تھا، اجمل خاں کے زمانہ میں نواب حمید اللہ خاں بھوپال، مہاراجہ برودہ، مہاراجہ بیپالہ شریف منزل میں آئے، میں ۱۹۳۲ء میں میر عثمان علی خاں نظام حیدرآباد حکیم جمیل خاں سے ملنے شریف منزل تشریف لاتے تھے۔ اجمل خاں کی عزت و احترام کا یہ عالم تھا کہ رجواڑے جو ان کے ہاں آتے تھے وہ ان کے خاص ملازم ادریس خاں سے پہلے دریافت کرتے تھے کہ حکیم صاحب کیا کر رہے ہیں، اور اس وقت ان کی کیا مشغولیت ہے، پھر ان کی برآمدگی سے پہلے بن وغیرہ ٹھیک کرتے تھے، ادریس خاں بہت منہ چڑھے تھے، جو آنا تھا پہلے انہی کو پوچھنا تھا۔

مفتی کفایت اللہ نے شریف منزل میں اجمل خاں کی مصروفیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ”مطب سے ۲ بجے فارغ ہو کر کمرہ میں تشریف لاتے تو وہاں پہلے سے بیسیوں آدمی منظر بیٹھے ہوتے تھے، طبیبہ کالج، جامعہ ملیہ اسلامیہ، ہندوستان دو خانہ اور خدا جانے کتنے قومی اداروں کے مہمانت حضرت مرحوم کے سامنے ۲ بجے سے چار ساڑھے بجے تک پیش کئے جاتے تھے۔ اور کتنی مشاورتی مجالسیں اس عرصہ میں منعقد ہو جاتی تھیں۔ مفتی صاحب کا بیان ہے کہ ۹ بجے کے بعد رات کی صحبت میں ان کے باران قدیم اور بے تکلف احباب ہوتے تھے اور ہر قسم کی بے تکلفانہ گفتگو ہوتی تھی۔ آخر میں چار پانچ سال مفتی صاحب کی بھی ان مجالس میں شرکت رہی تھی مولانا ابراہیم حسین فاروقی کے مطابق ”رات کو اربعے کے قریب شاعرانہ نشست

۱۔ ماہنامہ ایوان اردو جون ۱۹۸۸ء بحوالہ حکیم میر بصیر احمد خلف حکیم میر انوار احمد

۲۔ تذکرہ مسیح الملک ص ۷۰

۳۔ ایضاً ص ۷۳

ہوتی تھی جس میں دو چہل شاعروں کے علاوہ دو ایک خاص دوست بحیثیت سامع کے ہوتے تھے یہ

یوسف بخاری نے حکیم صاحب کے دیوان خانہ کا نقشہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے "شریف منزل میں مقامی وغیر مقامی مریفوں کے علاوہ عالموں، درویشوں، ادیبوں، شاعروں اور لیڈروں کا مجمع رہا کرتا تھا۔ ریاستوں کے نواب اور راجا، مختلف ممالک کے سفیر اور سیاح، ارباب حکومت، مختلف وفود کے ارکان اور خاص دوست اجاب اس دیوان خانہ میں تشریف لایا کرتے تھے۔"

بہتے ہیں جمع کو چہ جاننا میں خاص وعام آباد ایک گھر ہے جہاں خراب ہیں یہ دیوان خانہ اپنی وسعت میں ایک متوسط درجہ کے کمرے سے ذرا بڑا تھا۔ اس میں پندرہ بیس افراد تو بخوبی اور مطب کے وقت تیس چالیس آدمی سما جاتے تھے، درو دیوار پر سفیدی اس پر روغن کے رنگین حاشیے جا بجا قدیم قلمی طغریٰ اور کتبے۔ ان کے درمیان مناسب مقامات پر خاندانی بزرگوں کی چند قلمی تصاویر، چمت پر ایک یاد و خوشنما جھاڑ، فانوس، دیپلز میں پائے دانوں کی جگہ مرگ چھالیں اور دروازوں پر کھاروے کے پٹاپٹی کے پردے، زمین پر درمی، درمی پر براق سی چاندنی، چاندنی پر دائیں بائیں اور درمیان میں نرم و خوبصورت ایرانی قالینوں کا فرش، دونوں طرف دیواروں کے سہارے نرم نرم بڑے گول تکیے، پھول دار غلاف چڑھے ہوئے، بدری کے کلام کا حنفہ، ایک دو فالتو کلیاں، پاندان، پیک دان قرینے سے رکھے ہوئے، دو تین خدمت گار خدمت کے لیے ہر وقت موجود رہتے تھے۔

حکیم صاحب کے دم سے دیوان خانے کی یہ تاریخی صحنیں روزانہ شب کو اکٹھے شروع ہوتیں اور بارہ بجے تک محفل گرم رہتی تھی۔ نواب فیض احمد خاں فیضی شمس العلماء سید احمد امام جامع مسجد، ان کے برادر خرد سید حامد، نواب شجاع الدین احمد خاں ناباں

نواب سراج الدین احمد خاں سائیل مولوی عبدالحق حقانی، حکیم مولوی جمیل الدین احمد، حکیم اسد علی خاں مضطر، نواب امین الدین خاں والی لوہارو، عبید الرحمن بیان، مرزا محمد علی خاں علی لارہ جگل کشور وکیل اور لالہ ہزاری مل جوہری، یہ وہ نمونہ روزگار اور یادگار زمانہ چند بزرگ تھے جو اپنی شایستگی اور سنجیدہ مذاق سے ایک دوسرے کا دل خوش کیا کرتے تھے، کبھی شعر و سخن کا چرچا ہوتا، کبھی منطق و فلسفہ پر گفتگو ہوتی، کبھی احادیث بیان کی جاتیں، کبھی آیات قرآنی کو تفسیر کی روشنی میں دیکھا جاتا۔ کبھی فقہ کے مسائل سامنے آتے، کبھی آنحضرت کے عہد مبارک اور دور خلافت پر نظر جاتی۔ اسلاف کے کارناموں پر تبصرہ ہوتا۔ سلطنت مغلیہ کے عروج و زوال کے نقشے آنکھوں کے سامنے کھلتے۔ ملک کی موجودہ اہتری کو دیکھتے ہوئے وقتی سیاست پر گفتگو ہوتی، کبھی طبیبہ کالج، ہندوستانی دواخانہ، مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ کو ترقی دینے کی تدبیروں اور مشوروں پر غور کیا جاتا۔ اسی دوران میں موسم اور وقت کے لحاظ سے طرح طرح کے ماکولات اور مشروبات، مٹھائیاں، پھل، خشک میوے، پچائے یا تھوے، پان اور حقہ کے دور چلنے لہ

کبھی میر باقر علی داستان گو خود مجلس میں آتے یا بلوائے جاتے تو ان کی داستان، زبان اور طرز بیان سے لطف اٹھایا جاتا، میر صاحب کو چنیا بیگم (افیون) سے عشق تھا۔ لہذا افیون کی کٹوری بھری مجلس میں ان کے سامنے رکھی جاتی وہ ایک ہاتھ سے افیون گھولتے گھوڑے گھوڑے وقفہ کے بعد ایک چسکی لگاتے جس قدر افیون کا نشہ چڑھتا، اسی قدر ان کی تیغ زبان کے جوہر کھلتے، اور داستان اپنے رنگ و شباب پر آتی، سننے والے عشق عشق کرتے اور داد دیتے لہ

اسی مختصر سی صحبت میں شعرار مجلس اپنے مخصوص انداز اور لب و لہجہ کے ساتھ

لہ یہ دلی ہے (اشاعت دوم) ص ۳، ۴، ۵

عہ جیات اجمل رشید احمد ص ۲۰۵

اپنا کلام بھی سناتے تھے۔ دیوان خانے کے مشاعروں میں سائیل کی اپنے بڑے بھائی
 تاباں سے نوک جھوک رہتی تھی۔ تاباں داغ کے کلام کو بازاری کلام کہتے تھے، حکیم صاحب
 کبھی کبھی یہ لطیف مذاق خود تو نہیں لیکن دوسرے دوستوں کے ذریعہ کراپا کرتے تھے
 محفل میں ایک صاحب کو اشارہ کر دیا۔ انہوں نے داغ کے کلام کی تعریف میں زمین
 و آسمان کے قلابے ملاتے شروع کر دیئے۔ تاباں کچھ دیر تک خاموش بیٹھے سنتے
 رہتے، بالآخر بھڑک اٹھتے اور جو منہ میں آتا بے دھڑک سناتے۔ حاضرین ان کی
 ٹکالی گالیوں اور منڈالی فقروں کا لطف اٹھاتے اور پھر گفتگو کا موضوع بدل جانا۔
 حکیم صاحب کا معمول تھا کہ آٹھویں دسویں تقریب کی غرض سے اپنے مخصوص
 دوستوں کے ہمراہ ہرولی یا ادکھلا جانے کو یا ایک دو روز کے لیے یہ دیوان خانہ منتقل
 ہو جانا۔ ایک دفعہ جب اس دیوان خانہ کی محفل اوکھلے میں منعقد تھی۔ دوپہر کے کھانے
 کے بعد محفل مشاعرہ گرم ہوئی، حکیم صاحب نے سائیل کی طرف اشارہ کیا۔ سائیل نے
 حکیم صاحب کا مطلب سمجھ کر داغ کی ایک غزل پڑھنی شروع کی۔ اس پر تاباں برہم ہونے
 شروع ہوئے۔ سائیل نے ان کے غصہ کو اور ہوا دی کہنے لگے بھائی صاحب شعر گوئی
 کوئی خالہ جی کا گھر نہیں ہے داغ کی نازک خیالی، جذبات آفرینی اور قادر الکلامی کا
 اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ ایک گھنٹہ میں پچاس شعر قلم برداشتہ لکھا کرتے
 تھے۔ یہ سن کر تاباں بے تاب ہو گئے، غضب ناک ہو کر بولے۔ اب اس کو اور تجھ کو شعر
 کہنے اور سمجھنے کی کہاں تیرے نزدیک یہی ایک معیار سخن ہے تو کوئی مصرعہ کہہ۔
 سائیل جیسے اسی بات پر تلے بیٹھے تھے۔ جھٹ ایک مصرعہ پڑھا، تاباں نے دوسرے
 ہی لمحہ جواب میں یہ شعر پڑھا۔

عدو میرا نہ تو میرا نہ چرخ فتنہ جو میرا شفق بن کر چڑھا ہے چرخ کے سر پر لہو میرا
 اس شعر کا سننا تھا کہ ساری محفل پھڑک اٹھی، حکیم صاحب نے جوش مسرت سے
 تاباں کو گلے لگایا۔

اسی طرح ایک مرتبہ حکیم صاحب کو ایک اور دلچسپ چھیڑ سوچی، حکیم صاحب کو

یہ معلوم تھا کہ سائل اور نایاں تو ام پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے اس واقعہ کو ایک طبی سوال کی صورت میں خاموشی سے سائل کو بتادیا اور فرمایا کہ وہ اسے نایاں کے سامنے پیش کریں چنانچہ سائل نے ایک نشست میں موقع پا کر حکیم صاحب سے عرض کیا کہ میں کئی روز سے ایک طبی مسئلہ میں الجھا ہوا ہوں اگر آپ نے میرے خیال پر صاد کر دیا تو نہ صرف ایک نئی حقیقت کا انکشاف ہو گا بلکہ میری زندگی بھی نئے انقلاب سے آشنا ہوگی آپ کو معلوم ہے کہ میں ہمیشہ سے بڑے بھائی صاحب کا احترام کرتا ہوں لیکن یہ حقیقت واضح ہونے کے بعد کہ توام بچوں میں جو بعد میں پیدا ہوا عمر کے لحاظ سے وہی بڑا ہے کیونکہ انفرادی اسی کا پہلے ہوا تھا لہذا آج سے بھائی صاحب کو میرا احترام کرنا ہوگا، نایاں کو اس چھیڑ کا معقول جواب نہ بن پڑا، مگر آپ سے باہر ہو گئے، اور اہل محفل اور بالخصوص حکیم صاحب منہ پھیر پھیر کر ہنسنے رہے۔ آخر میں حکیم صاحب نے اپنا فیصلہ دیا جو نایاں کے حق میں تھا۔

حکیم محمد اسحاق نے ان محفلوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "مطلب کے علاوہ حکیم صاحب کے مخصوص اجاب کی نشست ہر ولی میں ہوا کرتی تھی جس میں شعر و سخن کا چرچا رہتا تھا۔ ایک بار ہم بینیر طلبہ بغیر اجازت وہاں پہنچ گئے، تمام طلبہ کی ضیافت چائے سے ہوئی۔ سائل نے اپنی غزل کے بعد حکیم صاحب کی غزل پڑھی جس کا ایک شعر یہ تھا

دشت میں رکھنا قدم وحشت کے ساماں دیکھ کر پاؤں پھیلا ناذر اجیب و گریباں دیکھ کر

اجمل خاں کے ان اجاب کا شمار دہلی کی منتخب شخصیتوں میں تھا۔ ان کی وجہ سے شریف منزل علم و ہنر کی صحنوں اور ارباب کمال کی مجلسوں کا ایک نمونہ تھی جس کی نظیر خود اس زمانہ کی دلی میں نہیں ملتی ہے حکیم جیل خاں نے اجمل خاں کے خصوصاً اجاب میں صرف ان کا تذکرہ کیا ہے جن کی صحبتیں انہوں نے خود دیکھی ہیں۔ نہ صرف اجمل خاں کے ہم عمر اور شریف منزل کی صحبتوں کے شریک کی حیثیت سے بلکہ دہلی کی یادگار شخصیتوں کے

تعلق سے ان کا تعارف دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ نواب محمد حسن خاں خوش مزاج نیک اطوار، تیسارے زندگی بسر کرنے والے، دہلی میں سب رجسٹرار کے عہدہ پر مامور تھے اور بے تکلف اجاب میں تھے۔ میٹا محل میں شاندار حویلی (حویلی صدر الصدور) میں رہتے تھے۔ اجمل خاں کی زندگی ہی میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ سر رفیق نجی خاص دوستوں میں تھے۔ ہائی کورٹ کے جج تھے۔ اس لیے دہلی میں بہت کم رہتے تھے۔ پرانی وضع کے پابند تھے۔ جب دہلی میں ہوتے تھے تو انگریز کھا پہن کر باہر نکلتے تھے۔ حاجی عبدالغفار حاجی علی جان عرف پچے میاں کی فرم کے مالک تھے۔ اعتقاداً اہل حدیث تھے اس لیے لباس بالکل سادہ مگر سپید اور اجلا ہوتا تھا، خوش مزاج اور خوش گفتار تھے، ہنر ہائی نس نواب سراج الدین والی ریاست لوہارو، قدیم طرز زندگی پسند کرنے والے تھے، ہر اداسے نوابی شان چمکتی تھی، جمیل خاں کا بیان ہے کہ انہوں نے کسی رئیس کو اس قدر منکر المزاج نہیں دیکھا، موصوف کا مکان شریف منزل سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلہ پر تھا اور وہ ہمیشہ پر اسٹنہ پیدل طے کرتے تھے اور اسٹنہ میں اگر کوئی واقف کار دہلی کا باشندہ مل جاتا تو بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ پہلے وہ سلام کرے بلکہ وہ خود ہی پہل کرنے لگتے اور اسے ٹھہرا کر مزاج پر سی کرتے تھے حاجی عبدالرازق ناچرور رئیس دہلی سے پر خلوص تعلق تھا۔ عموماً روزانہ صحبت میں شریک ہوتے تھے۔ نواب سراج الدین علی بیگ رئیس دہلی ان کو شاہنامہ کے اکثر اشعار یاد تھے لیلیٰ گو، بندہ سنج تھے۔ اجمل خاں کے انتقال کے بعد بہت کم عرصہ زندہ رہے، خواہہ تصدق حسین سب جج دہلی، گورگالوں کے رہنے والے تھے۔ عموماً رات کی مجلس میں شریک ہوتے تھے۔ آدمی با وضع اور صاف باطن تھے۔ اجمل خاں کی زندگی میں انتقال ہو گیا تھا۔ ڈپٹی جمیل الدین پرانی وضع کے پابند تھے۔ کیمیاوی نسخہ بنانے کا بہت شوق تھا، سیٹھ ہارون کراچی کے رہنے والے اور بہت خلیق آدمی تھے۔ دہلی میں ٹھیکے دار می کرتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں عرصہ تک ان کا قیام رہا۔ ڈپٹی نثار حسین بہار پور کے رہنے والے، ہنس مکھ، وقت کو خوشی سے گزارنے والے اور مرہان مرہج شخص

تھے۔ تنہا کو سے سخت نفرت تھی۔ ہر شخص سے اس کی برائی بیان کرتے تھے۔ اجمل خاں کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ اور ہفتوں ان کے پاس ٹھہرتے تھے۔ نواب فیض احمد خاں سب سے زیادہ مخلص دوست بہت سمجھ دار اور دور اندیش انسان تھے۔ فقرا کا اعتقاد زیادہ تھا۔ کانگریسی تحریک کے سخت مخالف تھے۔ دہلی کے پبلک معاملات میں دلچسپی لیتے تھے۔ اجمل خاں کے کانگریس میں شریک ہونے کے بعد گوشہ نشین ہو گئے۔ کئی سال صاحب فرانشس رہ کر انتقال کیا۔ جمیل خاں سے بے حد شفقت اور تعلق کے باوجود جب ایک مقدمہ میں عدالت کی طرف سے ثالث مقرر ہوتے تو ان کے خلاف فیصلہ دیا۔ لیکن ان کی منظوری لے کر یہ ان کے اعلیٰ کردار کی بات تھی۔ لالہ سری رام ریس دہلی با وضع اور خوش اس اخلاق آدمی تھے۔ شعر و سخن سے خاص شوق تھا۔ پرانی کتابیں جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ پان سے بہت رغبت تھی۔ پاجامہ شیروانی اور راجپوری ٹوپی پہنتے تھے۔ مزاج میں وہم ٹھنڈوں کے کمزور تھے۔ طبیعت میں ظرافت اور بندہ سنجی تھی۔ پنڈت موٹی لال ہنرو سے حکیم صاحب کے برادرانہ تعلقات تھے۔ جب حکیم صاحب گھوڑا کھال میں مقیم تھے تو موصوف مع اپنی صاحبزادیوں کے ان کے پاس ٹھہرے۔ چہرہ سے متانت، سنجیدگی اور شرافت کا اظہار ہوتا تھا۔ کوشھی میں بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی مہمان ٹھہرا ہوا ہے بلکہ ان کی خوش مزاجی اور بے تکلفی سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ خاندان کا کوئی بااثر شخص قیام پذیر ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات باورچی کو بلا کر دریافت کرتے تھے کہ آج کیا پکاؤ گے اور اس کے جواب کے بعد اپنی مرضی کے مطابق تزییم کر دینے تھے۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری بغیر کسی خود غرضی کے قوم کے سچے ہی خواہ۔ اجمل خاں کے مخلص دوست، ہنس مکھ، ہمدرد مسلم اتحاد کے حامی، پرانی اور نئی تہذیب کو پسند کرتے تھے۔ جامہ زیب تھے۔ انگریز کھا بھی کھلتا تھا، شیروانی بھی خوشنما معلوم ہوتی تھی۔ کوٹ پتلون میں بھی شاندار نظر آتے تھے۔ عالی دماغ عالی ظرف اور مستقل مزاج تھے۔ آصف علی

بیرسٹر کم گو، منین، سجدہ پرائی نہذیب کو پسند کرنے والے سیاسی امور میں ڈاکٹر انصاری اور اجمل خاں کے مشیر و معتمد تھے۔ سر عبد الرحمن وکیل و جج ہائی کورٹ، ہنس مکھ، قابل، دہلی کے نامور وکیل تھے۔ پھر مدد اس ہائی کورٹ اور بعد میں لاہور ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے اجمل خاں کے مخلص دوستوں میں سے تھے۔ نواب ضمیر مرزا حد درجہ منین اور مذہبی آدمی تھے، صوم و صلوة اور وظیفہ و نظایف کے انتہائی پابند تھے۔ اجمل خاں سے خاص تعلق رکھتے تھے۔ لباس میں سادگی تھی مانگے پر سجدہ کا نشان، طبیعت میں ظرافت تھی، مسکرا کر گفتگو کرتے تھے، نواب شجاع الدین احمد خاں، تاباں اجمل خاں کے پرائیوٹ مشاعروں کی جان تھے۔ تقریباً ہر مشاعرہ میں شریک ہوتے تھے۔ غالب کے کسی شعر پر اعتراض کر دینا ان کی چہرہ تھی۔ اس پر بے قابو ہو جاتے تھے۔ ان کو اسناد نہ کہنا یا ان کے کسی شعر کی داد نہ دینا ان کے غصہ کو دعوت دینا تھا۔ اجمل خاں ان کی اور ان کے حقیقی بھائی نواب سراج الدین احمد خاں سائل کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ سائل تاباں کے چھوٹے بھائی، خوش گلوشاعر تھے۔ شعر پر ہنسنے کا لہجہ خاص تھا۔ اجمل خاں کے تقریباً ہر مشاعرہ میں بڑے بھائی کے سب و شتم کا شکار ہوتے تھے۔ لیکن انتہائی سعادت مندی کا اظہار کرتے تھے۔ آخر عمر میں معذور ہو گئے تھے، رکشہ میں پھرتے تھے۔ لیکن ہفتہ دو ہفتہ میں شریف منزل آتے تھے، غرض یہ کہ اجمل خاں کے زمانہ میں ایک باغ لگا ہوا تھا، جس کے پھولوں کی خوشبو سے دہلی مہک رہی تھی۔

حکیم اجمل خاں کے بعد حکیم محمد احمد خاں، حکیم ظفر احمد خاں، حکیم غلام کبریا خاں اور حکیم جمیل خاں کے زمانہ میں بھی شریف منزل کی رونق کسی نہ کسی درجہ میں قائم رہی اور ان حضرات نے خاندانی روایات اور دہلی کی شاندار اقدار کو بڑی حد تک

برقرار رکھا۔

۱۹۲۷ کے ہنگاموں میں ۱۸۵۷ کی طرح شریف منزل محفوظ رہی اور اس کی وجہ سے بلی ماران اور اس کے آس پاس کا علاقہ غارتگری سے بچا رہا۔ دہلی میں مجھ سے ایک قابل اعتبار شخص نے کہا تھا کہ ۱۹۲۷ میں جب دہلی کا امن نباہا، ہوا تو چاندنی چوک میں بلی ماران کے نکرہ پر باقاعدہ فوج متعین تھی۔ پنڈت جواہر لال نہرو کا کہنا تھا کہ اگر شریف منزل کو کچھ نقصان پہنچا تو میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ اس ہنگامہ کے فرو ہونے کے بعد شریف منزل کو ایک اور آزمائش سے دوچار ہونا پڑا۔ حکیم محمد احمد خاں کے چھوٹے بیٹے حکیم مجید احمد خاں اور اس سے پہلے حکیم بھورے میاں کے چھوٹے صاحبزادہ حکیم حامد سعید خاں پاکستان منتقل ہو گئے، حاذق الملک حکیم عبد المجید خاں کی چار صاحبزادیاں تھیں، ان کے دونوں سے حکیم عبد السمیع خاں اور حکیم عزیز الرحمن خاں پاکستان گئے۔ دو اور نواسوں حکیم محمد لیتق خاں اور حکیم محمد بشیر خاں نے بھی نقل مکانی اختیار کی۔ اس کی وجہ سے شریف منزل کا کافی حصہ کسٹوڈین میں جا رہا تھا مگر پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا آزاد کے اثرات سے وہ مستثنیٰ قرار پائی اور کسٹوڈین میں نہیں گئی۔

۱۹۷۰ تک دہلی کے زمانہ قیام میں راقم سطور کو شریف منزل میں حکیم محمد احمد خاں (خلف حکیم محمد احمد خاں) کی خدمت میں اکثر جانے کا اتفاق ہوتا تھا، حکیم ظفر احمد خاں کے صاحبزادہ حکیم شریف احمد خاں سے بھی مراسم قائم تھے۔ ایک مرتبہ حکیم جمیل خاں سے اور دو تین مرتبہ حکیم محمود سعید خاں سے بھی شرف نیاز کا موقع ملا۔ اس وقت تک شریف منزل اپنے قدیم آثار پر قائم تھی، اس کی سہ درمی، صدر نشین، خاندان کا مطبخ، اجمل خاں اور دوسرے اراکین خاندان کی نشست گاہیں محفوظ تھیں، لیکن اب چند سال سے وہ نقشہ بدل چکا ہے اور آج وہاں جانے والا اس کی شوکت دیرینہ کا اندازہ کرنے سے قاصر ہے۔ لہٰذا بقول مظفر حسین سید "اس دور کی شریف منزل آج کی شریف

لہٰذا ایوان اردو دہلی جون ۱۹۸۸ ص ۳۴ مضمون سید ظل الرحمن

منزل نہ تھی نہ وہاں کوئی بازار تھا نہ دفتر نہ دوکان نہ ہوٹل بڑے پھانک کے بعد دو
رو یہ اطبا کی بیٹھکیں تھیں، جہاں ہر خاص و عام کے لیے دریائے شفا جاری و ساری تھا۔

شفا الملک حکیم رضی الدین احمد

عصند الدولہ اعتماد الملک حکیم غلام نجف خاں کے پوتے اور حکیم ظہیر الدین خاں
کے بیٹے حکیم رضی الدین احمد خاں ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۸ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ حکیم برکات
احمد ٹونکی اور دوسرے علماء سے تعلیم حاصل کی۔ ان کا شمار دہلی کے معزز ترین رؤسا
میں تھا۔ دہلی کی ثقافتی زندگی میں وہ بلند مرتبہ رکھتے تھے، شعر گوئی کی محفلیں بھی
ان کے ہاں منعقد ہوتی تھیں۔ ۲۹ سال تک دہلی میونسپل کمیٹی کے ممبر اور ۲۱ برس
تک آذربائیجان مجسٹریٹ رہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے فیلو، پنجاب یونیورسٹی کے ممبر اور ۲۱ برس
اور اینگلو عربک ہائی اسکول کمیٹی کے عرصہ تک ممبر رہے۔ عمدۃ الحکماء اور زبدۃ الحکما
کلاسوں کے ممتحن رہنے لگے، آٹھ برس سیکنڈ کلاس اور ایک برس فرسٹ کلاس
مجسٹریٹ رہے۔ یہ رفاہ عام کے کاموں میں بڑا حصہ لیتے تھے۔ حکومتِ برطانوی نے
۱۹۱۰ء میں شفا الملک کا خطاب دیا۔ ان سے قبل یہ خطاب کسی طبیب کو عطا نہیں
ہوا تھا۔ اس طرح انہیں شفا الملک اول کا مرتبہ حاصل ہے۔ انہیں پہلے خان صاحب اور
پھر خان بہادر کا بھی خطاب ملا تھا۔ ۱۹۱۱ء میں جارج پنجم کے دہلی دربار کے موقع پر
اپنی طبی عظمت اور عوامی خدمت کی وجہ سے شاہی طبیب مقرر کیے گئے۔ کٹرہ آدینہ
بیگ لال کنواں میں حکیم صاحب کا دولت کدرہ شفا منزل کے نام سے تھا اسی میں

۱۔ دہلی والے جلد ۲ ص ۲۱۹

۲۔ نزہتہ النواظر جلد ۸ ص ۱۵۲

۳۔ آثار دہلی ص ۷۲

مطب کرتے تھے۔ ہمدرد دو خانہ کے سرپرست رہے۔ کامل فن طبیب اور جامع کمالاً
انسان تھے۔ ایک خلقت ان کے علاج سے مستفید ہوئی۔ حکیم صاحب ہیضہ کے علاج
میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ لیکن خود ہیضہ میں مبتلا ہوتے۔ حکیم اجل خاں اور ڈاکٹر
الفاری نے علاج کیا۔ انتہائی کوشش کی کہ ایک قطرہ پیشاب کا آجائے۔ لیکن
ایک قطرہ پیشاب آکر نہیں دیا، ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۷ء کو ۲۸ برس کی عمر میں وفات پائی۔ یہ حسب وصیت
غلام نجف خان کے پاتوں میں قدم شریف میں دفن کیا گیا۔ غم مرحوم سے سال و فبا برآمد ہوتا ہے۔ قطعہ تاریخ کے چند اشعار ہیں۔

رضی الدین احمد خاں بہادر

یہ کیا معلوم تھا کہنی پرہے گی

پرہیں ایسے سخن گوئی یہ پتھر

کہاں سے لاؤں پتھر کا کلبجہ

تلاش مادے کا ہوش کس کو

مگر اتنا تو کہہ دیتے ہیں اب بھی

رہے گی یاد لیکن سوگ کے ساتھ

۸۶

۸۶ + ۱۲۲۸ ۳۲ ۱۳۳۷ھ

حکیم رضی الدین برہے صاحب علم اور صاحب ذوق تھے۔ لالہ سری رام کی کتاب نمنخانہ جاوید

پران کی تقریظ ان کی ادبی شخصیت کا تعارف کراتی ہے۔

حکیم رضی الدین کی حکیم اجل خاں سے شدید معاصرانہ چشمک رہی، دہلی کی ثقافتی

اور رفاہی سرگرمیوں کے ساتھ طبی تخریک بھی اس سے متاثر ہوئی۔ آل انڈیا ایجوو رپڈ

اینڈ یونانی طبی کانفرنس کو ان کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔

راشد الخیری نے لکھا تھا "شہرا جزاء، شہروالے اجر طے۔ نواب علاء الدین خاں

لہ دہلی کی یادگار ہستیاں ص ۳۵۲

۷ واقعات دارالحکومت جلد ۲ ص ۱۸۲

کی سرکار، حکیم محمود خاں کا دربار، حکیم ظہیر الدین خاں کی بیٹھک، ہلے کیا سہائیں اٹھی ہیں
کیسے پایہ کے لوگ تھے۔ اب اجر طے شہر کی نشانیاں یہ دو گھر رہ گئے ہیں اجل خاں اور
رضی الدین خاں۔ مگر غضب دیکھو دونوں میں بھوٹا ہے۔“

حکیم اشفاق احمد

دہلی والوں کو میلوں ٹھیلوں کا بڑا شوق رہا ہے۔ دہلی کی ہستی غالب کے بقول جن
ہنگاموں پر موقوف تھی وہ قلعہ، چاندنی چوک، ہر روز بازار جامع مسجد کا، ہر ہفتہ سیر
جنما کے پل کی، ہر سال میلہ پھول والوں کا تھا۔ مرغ، بیر، کبوتر اور بعض دوسرے شوق
جن میں دلی والوں کو کمال تھا ان میں پتنگ بازی بھی تھی۔

دہلی میں پتنگ بازی کا شوق شاہی زمانہ سے رہا ہے۔ اس دلچسپ اور رنگین شوق
میں دہلی کے لوگ بہت بڑھے ہوئے تھے، بہادر شاہ ظفر خود پتنگ بازی دیکھنے جاتے
تھے۔ دہلی میں ہند ب کلب بلی ماراں میں قائم تھا۔ اس کے بانی حکیم اشفاق احمد
عرف حکیم عشو میاں تھے۔ یہ کلب اپنے زمانے کے دلی کے تمام کلبوں کا سرناج تھا۔ حکیم
عشو میاں اس کے علاوہ بھی دلی کے ہر کلب کی جہاں تک ان سے بن پڑتا تھا، سرپرستی
اور اعانت فرماتے رہتے تھے بلکہ

دیوان مان سنگھ

دیوان مان سنگھ ویشاگر وال کی گوت گوبیل سے تعلق رکھتے تھے، شاہان مغلیہ کے
زمانہ سے ان کا خاندان نہایت معزز اور صاحب علم رہا۔ — ۱۱۵۰/۱۷۳۷ء میں نواب

لے یہ دہلی ہے ص ۱۸۰

فوجدار خاں نے جب قصبہ فرخ نگر آباد کیا تو ان کے خاندان کو کمال عزت سے اس قصبہ میں آباد کر کے معقول زمین عطا کی۔ ان کے خاندان کے بزرگ مختلف ریاستوں میں معزز عہدوں پر رہنے کے بعد عمر کے آخری زمانہ میں سرکار فرخ نگر کی مصاحبت ہی کا فخر حاصل کرتے تھے۔ اور دیوان جی کے خطاب سے یاد کئے جاتے تھے۔ ان کے ایک بزرگ سینتارام پڑے بالکمال گزرے ہیں۔ طب سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔ کتابیں جمع کرنے کا بے حد شوق تھا۔ ایک بڑا کتب خانہ چھوڑ گئے تھے۔ ان کے تجربہ کردہ نسخے ان کے خاندان کے معمولات میں شامل رہے۔

دیوان مان سنگھ کے دادا کباب سنگھ فارسی علم و ادب میں فاضل اور نامور شخص تھے۔ طب میں مہارت حاصل تھی۔ مان سنگھ ۱۸۶۲ء میں پیدا ہوئے انہیں ان کے چچا منشی مرلی دھرنے اپنا منشی بنایا تھا۔ مان سنگھ نے ایک عرصہ تک فارسی کتب میں شیخ رحیم بخش سے پڑھیں ان کے انتقال کے بعد کچھ دنوں اپنے بزرگ دادا اور پنڈت بالک رام منشی فاضل سے فارسی درسیات کی تکمیل کی۔ پنڈت مکھن لال شناستری بھاگوٹی برج باسی سے سنسکرت کی کچھ تعلیم حاصل کی اور کچھ مذہبی گرنٹھ بھی دیکھے۔ اس کے بعد پنڈت گو بند سہائے شناستری سے جو جو تیش اور آجور ویدک میں فرد کامل تھے، دو اسازی اور مطلب سیکھا۔ ۱۸۸۲ء میں ریاست کو ایبار گئے۔ اور وہاں ملازمت اختیار کر کے طبی شغل جاری رکھا، والد کے انتقال کی اطلاع پا کر دہلی واپس آئے اور دہلی میں مطب شروع کیا۔

دہلی میں ایک ویدک پانچھ ٹھالا تھی جس میں لاہور کے فاضل وید پانچھ ٹھالا شناستری پڑھاتے تھے، مان سنگھ جی نے ان سے باقاعدہ تعلیم شروع کر کے ۱۸۹۸ء میں پانچھ ٹھالا کے امتحان میں امتیاز سے کامیابی حاصل کی۔

دہلی میں انہوں نے ایک وید سبھا قائم کی۔ لیکن وہ زیادہ عرصہ جاری نہیں رہ سکی۔ ۱۹۰۶ء میں جب مسیح الملک حکیم اجمل خاں نے طبی کانفرنس کی بنیاد ڈالی تو یہ اس کے نائب صدر بنائے گئے۔ پھر ۱۹۱۰ء میں جب آل انڈیا یورویڈک ایسوسی ایشن

طبی کانفرنس کا باضابطہ قیام عمل میں آیا تو یہ اس کے جنرل سکریٹری منفر ہوئے۔ حکیم اجمل خاں صدر تھے۔ مان سنگھ کی اصل شہرت کا باعث طبی کانفرنس سے ان کی وابستگی ہے۔ کانفرنس کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے انہیں بڑی ناموری حاصل ہوئی، انہوں نے جس نندہی اور جانفشانی سے کانفرنس کا کام انجام دیا اور اجمل خاں کے دست راست کے بطور ویسی طبوں کے فروغ کے لیے جو انتھک جدوجہد کی اس کی وجہ سے طبی حلقوں میں انہیں احترام کا خاص درجہ حاصل تھا۔ کانفرنس سے اپنے بے غرض تعلق کے بارے میں انہوں نے ایک جگہ لکھا ہے ”میں جہاں تک خیال کرتا ہوں، میں طبی خدمات کے لیے دلدادہ ہو کر اپنی طبی زندگی وقف کئے ہوئے ہوں اور ان خدمات سے کسی مالی معاوضہ کا آرزو مند نہیں ہوں۔ مگر دقیقہ رس بار یک بنیان اور دور اندیش دوستان بے غرض خدا کو بھی سلام کرنے کا کسی پر اعتماد نہیں فرماتے ہیں۔ اس قول کو پس کھتا ہوں اور تائید کے ساتھ اپنی غرض بھی بتاتا ہوں یعنی جیسے کہ معلوم ہے میں لاولد ہوں۔ میرا برادر حقیقی ہوشیار مطلب اندیش اور اس کی اولاد قابل عتاب و عذاب میرا نام گنام کرنے میں قابلیت کا اظہار کرتا ہے۔ اس لیے یہ عزیز طبی کام (کانفرنس)، اگر میرا دل پسند نور چشم بن جائے اور میری سچی خدمت سے قوم اور اہل فن کو اپنا خوشن کرے کہ یہ ارجمند جب گود کا کھلونا اور یہ عزیز راحت جان ہونے سے گزر کر عہد بلوغت حاصل کر کے عالم شباب میں مکمل اطوار کے ساتھ مجھ کو وہ معاوضہ بخشے کہ جس پر اہل ملک اس کو داد پانے کا مستحق مان لیوں تو میں اپنا دھن من تن اس پر قربان کرتا ہوں اپنے لڑکے کا اس کو وارث بناؤں۔“

آل انڈیا ایجوکیشنل اینڈ یونائیٹڈ طبی کانفرنس کی رودادوں کی ترتیب کے علاوہ ان کا ایک قابل قدر کام کانفرنس کے اجلاسوں میں پیش کردہ مخرجات

کو کتابی شکل میں مرتب کرنا ہے۔ صدی جریبات کے نام سے کئی جلدوں پر مشتمل یہ مجموعہ معمولات اطبا کے سلسلہ میں نہایت اہمیت کا حامل ہے۔

حکیم پیر جی عبد الرزاق

سید عبد الرزاق ابن حکیم سید خورشید علی جو پیر جی عبد الرزاق کے نام سے مشہور ہیں۔ حاذق الملک حکیم عبد المجید خاں کے شاگرد رشید تھے۔ مدرسہ طبیبہ دہلی میں تشریح کے استاد رہے۔ تشریح کے زبردست فاضل تھے۔ اس مضمون میں اس یونانی طبیب کی معلومات اتنی ہی زیادہ تھیں جتنی کسی جدید ماہر تشریح کی ہو سکتی ہیں۔ مدرسہ طبیبہ کے ایک پرانے طالب علم حکیم عبد الجلیل سہا بریلوی مرحوم نے راقم سے بیان کیا تھا کہ مسیح الملک حکیم اجمل خاں سے لندن میں کسی ڈاکٹر نے تشریح کے سوالات کئے، حکیم صاحب نے کہا دہلی آئیے وہاں طب اور تشریح کے ایک فاضل سے ملاقات کے بعد آپ کو ان کی تشریح دانی کا اندازہ ہوگا۔ اتفاق سے وہ ڈاکٹر دہلی آیا تو حکیم صاحب نے پیر جی عبد الرزاق سے تعارف کرایا، جنہوں نے اس کے تشریحی سوالات کے بہت صحیح اور عمدہ جوابات دیئے وہ بہت حیرت زدہ اور مسرور ہوا اور انہیں لندن آنے کی دعوت دی۔

ان کی تصانیف میں ایک توضیح البیانات فی شرح تشریح الشریبات ہے، اسے وہ عربی میں اردو ترجمہ اور تصاویر کے ساتھ شایع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے یہ قانون ابن سینا کے مقالہ تشریح شریبات کی مفصل شرح ہے، انجمن طبیبہ کے ترجمان ماہنامہ مجلہ طبیبہ کے صفحات میں جو ان کی زیر ادارت نکلتا تھا، بالاقساط شایع ہوا ہے۔ ان کی دوسری کتاب تعلیم القابلہ ہے۔ اس کا پہلا حصہ اعضاء نسواں کی تشریح میں ہے جو ۱۹۰۹ء میں طبع ہوا ہے۔ چوتھا حصہ معالجات نسواں سے متعلق ہے جو ۱۹۱۴ء میں چھپا ہے۔ حکیم محمد کاظم کی کتاب انذبتہ المرضی ان کی کوششوں سے

ضروری و مفید حواشی کے ساتھ شائع ہوئی ہے حکیم صادق علی خاں کی کتاب تشریح تشریح
اعضار مرکہ بھی ان کی محنت اور حواشی کے اضافہ کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔

موجز پر ان کا حاشیہ "الموجز المحشی بالتحشینة الجديدة" کے نام سے مطبع مختبائی
دہلی سے ۱۹۰۵ء میں شائع ہوا تھا۔ حکیم صاحب زمانہ طبیبہ کالج دہلی کے پرنسپل رہے۔
بعارضہ ذات الریہ ۱۶ مئی ۱۹۱۷ء مطابق ۲۲ رجب ۱۳۳۵ء کو انتقال ہوا۔ طبیبہ کالج کے
احاطہ میں دفن ہیں۔

حکیم پیر جی عبد الرزاق کے بھائی حکیم سید آل حسن تھے جو آبائی وطن چاند پور (بجنور)
میں مطب کرتے تھے۔ ان کی کئی غیر مطبوعہ طبی کتابیں ہیں، ایک کتاب حکیم محمد حسین
آزاد (مراد آباد) کے پاس محفوظ ہے۔ آل حسن کے بیٹے حکیم ابن حسن بھی اچھے طبیب تھے
۱۹۹۰ء میں انتقال ہوا۔ حکیم ابن حسن کے بیٹے حکیم غلام غوث مطب کر رہے۔ ان کے
پاس آل حسن کی کتابیں موجود ہیں۔

حکیم عبد البنی خاں

حکیم غلام نبی خاں کے بڑے صاحبزادہ تھے۔ ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء میں دہلی میں پیدا
ہوئے۔ اس وقت ان کے والد کی عمر ۲۲ برس کی تھی اور وہ کلکتہ میں مطب کرتے تھے۔
عبد البنی خاں کی تعلیم دہلی کے بہترین اساتذہ سے ہوئی۔ عربی زبان کی تعلیم پر خاص توجہ
دی گئی۔ انہیں اپنے معلم سے عربی میں گفتگو کرنے کی ہدایت تھی، وہ نہ صرف عربی
میں گفتگو پر بہت قادر تھے بلکہ ان کے لہجہ میں بھی عربیت آگئی تھی۔ ایک مرتبہ ان
کے مطب میں ایک عرب حاضر ہوا اور اس نے کسی اردو داں کے ذریعہ جو عربی سے
واقف تھا اپنا حال لکھوا کر حکیم صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ مگر حکیم صاحب نے
اس سے عربی میں ایسی گفتگو کی کہ وہ حیران رہ گیا، اس نے کہا آپ ہندی نژاد نہیں
عربی نژاد ہیں، یا آپ کی عمر کا ابتدائی حصہ ممالک عربیہ میں گزرا ہے۔

حکیم صاحب نے مدرسہ عالیہ کلکتہ سے فراغت کی تھی۔ اور طب کی تعلیم دہلی میں
حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں سے حاصل کی تھی طب کے رموز و نکات خود حکیم غلام
نبی نے سکھائے۔ انہوں نے کلکتہ میں لوگوں کے دلوں میں حذاقت فن کا نقش بٹھایا
در بھنگہ، مرشد آباد اور دوسری ریاستوں میں بحیثیت معالج یاد کئے جاتے تھے
۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء میں دہلی میں انتقال کیا، اور قدم شریف میں اپنے والد کے پائیس
مدفون ہوئے۔

حکیم عبدالبی خاں اپنے اسلاف کی خوبیوں کے جامع تھے۔ اخلاق، غربا پروری،
اشغنا اور مروت سے ان کی شخصیت عبارت تھی۔ حکیم محمد زکریا خاں شفقان کے اکلوتے
بیٹے تھے۔

شفار الملک حکیم عبد الرشید خاں

حکیم عبد الرشید حکیم غلام نبی کے منجھلے صاحبزادہ تھے۔ ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء میں دہلی میں
پیدا ہوئے۔ کلکتہ میں مفتی اقبال حسین سے حدیث و فقہ کی انتہائی کتابیں پڑھیں۔ طب
کی تعلیم حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں سے دہلی میں حاصل کی۔ ۲۲ شوال ۱۳۰۶ھ/۲۱ جون ۱۸۸۵ء
جب حاذق الملک نے مدرسہ طبیبہ جاری کیا تو اس میں داخل ہو کر مسلسل تین برس پڑھا
اور ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء میں سند حاصل کی۔ ابتدا میں کلکتہ میں طب کیا، اور قابل رشک
کامیابی ملی۔ ۱۹۱۲ء میں خان بہادر کا خطاب عطا ہوا، ان کی کوششوں سے حکومت
بنگال نے بنگال طبی کمیٹی قائم کی، بجر حسن بہروردی اس کے سربراہ بنے۔ انہوں
نے رپورٹ تیار کرنے کے لیے حکیم صاحب کو منتخب کیا۔ حکیم صاحب نے بڑی محنت
سے رپورٹ مرتب کی۔ خود ان کا مطب رپورٹ کی کامیابی کا ضامن تھا، جہاں کئی سو
مریض روز آتے تھے۔ ان کی طبی حذاقت سے مناظر ہو کر انہیں شفار الملک کے خطاب
سے نوازا گیا، خاندان شریفی میں شفار الملک کا خطاب صرف انہی کو عطا کیا گیا تھا۔

حکیم صاحب کی فنی مہارت سے مناظر ہو کر مہاراجہ در بھنگہ نے اپنی ریاست میں
 مشیر طبی مقرر کیا۔ اس ریاست کی ملازمت کے علاوہ مہاراجہ صاحب بر دو ان اور نواب
 مرشد آباد بھی طبیب خاص کی حیثیت سے انہیں اپنی ریاستوں میں بلا تے رہے۔
 ۱۹۲۷ء میں دہلی واپس آئے۔ اور کلکتہ کے مطب کے لیے اپنے بھتیجہ اور داماد حکیم
 محمد زکریا کو روانہ کیا۔

۱۹۳۱ء میں انہوں نے دہلی میں اعلیٰ پیمانہ پر یونانی دوا خانہ کے قیام کا منصوبہ
 بنایا مگر اس سے پہلے ہی جنوری ۱۹۳۲ء میں انتقال کیا، بعد میں ان کے صاحبزادہ حکیم
 عبد الرحیم خاں نے بلی ماران میں شریفی دوا خانہ قائم کیا، اس کی سرپرستی کے لیے
 کلکتہ سے حکیم محمد زکریا دہلی آئے جو اس وقت خاندان شریفی کے بڑے لائق اور مخزن
 فرد تھے، اس دوا خانہ کی طبی مجلس کے صدر حکیم عبد الغنی خاں، سرپرست حکیم محمد زکریا
 خاں اور رکن حکیم محمود احمد خاں (خلف حکیم محمد احمد خاں) حکیم حامد سعید خاں (خلف حکیم
 غلام کبریٰ خاں) حکیم ہاشم جان (نبیہ حکیم اجمل خاں) حکیم محمد لیتق خاں (نبیہ حاذق الملک
 حکیم عبد المجید خاں) تھے لہ

حکیم منیر الدین

حکیم قیام الدین کے بعد خاندان نقائی کی عدیم المثال طبی روایات کو زندہ رکھنے
 اور ان میں چارچاند لگانے کی عزت حکیم قیام الدین کے صاحبزادہ حکیم منیر الدین کو حاصل
 ہوئی۔ اس زمانہ میں گلی حکیم نقائی میں حکیم قیام الدین کے چار بیٹوں حکیم منیر الدین حکیم
 بشیر الدین حکیم مجیب الدین اور حکیم مکرم الدین (وفات ۱۹۲۳ء) کے مطب قائم تھے، اسی
 گلی میں دوا خانہ نقائی بھی تھا جس کی نگرانی حکیم منیر الدین فرماتے تھے۔ انہوں نے اپنی

بے نظیر قابلیت سے نہ صرف بزرگوں کی شہرت اور نیک نامی کو زندہ رکھا بلکہ اپنی ذکاوت و ذہانت سے دہلی میں طبی معالجہ و فروغ دیا۔ حکیم صاحب اور ان کی اہلیہ سائیں تو کل شاہ سے بیعت تھیں بے

حکیم احمد سعید خاں

حکیم غلام رضا خاں کے برادر خرد تھے۔ بڑے عالی قدر اور ٹھسے کے طبیب تھے مزاج میں رتیسانہ شان تھی، دہلی میں بڑا کامیاب مطب تھا اور بہت مرجوعہ رہتا تھا، دہلی میونسپل کے آنریری وائس پریذیڈنٹ رہے، اور بہت سی رسائی خدمات انجام دیں۔ حکومت برطانیہ نے خان بہادر کے خطاب سے بھی نوازا تھا خاندانی عزت و وقار کا بہت لحاظ رکھتے تھے، شاندار اور وجیہ شخصیت کے مالک تھے یہ مسیح الملک حکیم اجمل خاں کو ان سے بہت ذاتی تعلق تھا۔ ان کی علمی صلاحیتوں کو ابھارنے میں ان کی کوششوں کو خاص دخل تھا، ذہانت اور طباعی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۰ء میں وفات پائی۔

چو احمد سعید از جہاں کرد رحلت غمیں گشتند اجباب و محروں اعزا

کئیدہ آہ غمزا د مرحوم گفتہ ز تو حی سعید اوفات سعید ا

حکیم احمد سعید کی شادی حکیم اجمل خاں کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی۔ حکیم غلام کبریٰ عرف بھورے میاں صاحبزادہ تھے۔ رافتم الحروف کے ذخیرہ میں حکیم احمد سعید کے نام حکیم اجمل خاں کا ایک خط محفوظ ہے۔ یہ خط حکیم اجمل خاں نے ۱۹ مئی ۱۹۰۲ء کو انہیں راپور سے لکھا ہے۔ بشیر الدین احمد نے ان کے اور ان کے والد اور بیٹے کے

لے دہلی کی یادگار ہستیاں ص ۱۹۱ دہلی کی یادگار شخصیتیں ص ۱۱۸

۷ تذکرۃ الخواجگان ص ۱۰۸

ان کا اور مطلب کا ذکر کیا ہے وہ بی ماران میں مکان حکیم غلام رضا خاں تھا۔ وہاں حکیم غلام کبریا خاں عرف حکیم محمود سے یہاں فرزند خان بہادر حکیم احمد سعید خاں مطلب نے تھے، لہ

حکیم اسد علی مصطفیٰ

حکیم اسد علی مصطفیٰ دہلوی خاندان شریفی کے ان ارکان میں تھے جنہیں شاعری سے خاص ذوق تھا، ان کے دادا حکیم اشرف محمد خاں بھی قادر الکلام شاعر تھے، مصطفیٰ نے مرزا قربان علی بیگ سے سب سخی کیا تھا، نسخ نے انہیں مشاعروں میں شریک دیکھا تھا، مضافہ جمل فال کی محفل کے خاص رکن تھے اور طبی کانفرنس سے دلچسپی رکھتے تھے۔

حکیم ناصر نذیر فراق

حکیم ناصر نذیر فراق دہلوی خاندان میر درد کے ممتاز فرد اور دہلی میں اپنے بزرگوں کے کمالات کے وارث اور صاحب علم و فضل تھے، میر درد سے ان کا تعلق تعلق تھا، ناصر نذیر کا سلسلہ نسب ابوالفرح واسطی کے ذریعہ امام زید شہید بن امام زین العابدین سے ملتا ہے، سید ابوالفرح واسطی کے بیٹے سید عوض، سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور بلگرام اور بارہ میں ان کا خاندان آباد ہوا، فراق کے بزرگوں کو مغلیہ عہد میں منصب وزارت و بیچ ہزاری حاصل رہا، دہلی سے قریب قصبہ لونی سے گروہ پبلشرز تک ان کی جائگرتھی، فراق کے والد سید محسن علی زیدی

۱۔ واقعات دارالحکومت جلد ۲ ص ۲۲۰

۲۔ سخن شعرا ص ۲۲۵

حدیث میں نذیر حسین محدث کے شاگرد تھے۔ سلوک کی تعلیم شاہ احمد سعید اور شاہ
عبد الغنی نقشبندی سے حاصل کی تھی۔ نستعلیق اپنے والد سے سیکھا تھا جو اس فن میں
میر پنجہ کش کے شاگرد تھے۔ شاعری میں مومن خاں سے اصلاح لی تھی، ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء
میں رحلت کی بلکہ ۱۸۵۷ء کے کئی برس بعد رتیس دھرم پور نے انہیں اپنے ہاں بلایا تھا۔
حکیم ناصر نذیر فراق ۱۶ اگست ۱۸۶۵ء کو پیدا ہوئے۔ عربی و فارسی کے علاوہ طب
میں مہارت تھی، مطب کرتے تھے، اور اس میں کابیب تھے۔ دہلی کی تہذیبی و ثقافتی
قدریں ان کی شخصیت میں نمایاں تھیں، متعدد علمی کتابوں کے مصنف ہیں، بیخانہ درد،
دردمان فراق، لال قلعہ کی ایک جھلک، سات علاقوں کی کہانیاں، بیگموں کی چھیر چھاڑ
چاند کن کی پری، مضامین فراق ان کی تصانیف میں ہیں۔ اردو کا دیوان بھی تھا، فراق
مخزن کے ابتدائی لکھنے والوں میں تھے۔ سر عبدالقادر کی فرمائش پر ایک ناول المور
بھی لکھا تھا۔ مولانا محمد حسین آزاد کے ناتمام ڈرامہ اکبر کی تکمیل ان کے ہاتھوں ہوئی
دہلی کی قدیم تہذیب اور مغلیہ دور پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ دہلی کا آخری دیدار میں اب
سے سو سال پہلے کی دہلی کی سوسائٹی، دہلی والوں کے رسم و راج، امر کے مشاغل
غربا کی طرز معیشت، ہنواروں کی رنگ رلیاں، یہاں تک کے سو داسلف بیچنے والوں
کی صدائیں بھی ہیں، ۱۲ فروری ۱۹۳۳ء کو فالج میں انتقال ہوا۔ حکیم صاحب خواجہ اللہ
بخش تونسوی سے بیعت تھے۔ ان کے اکلوتے بیٹے حکیم سید ناصر خلیق بھی ذی علم اور
کابیب طیب تھے، بیخانہ درد ناصر خلیق ہی نے طبع کرایا تھا، کوچہ چیلان میں بارہ دری
خواجہ میر درد میں اپنے آبائی مکان میں قیام تھا اور وہیں مطب کرتے تھے۔

حکیم غلام کبریا خاں

بیخانہ درد ص ۲۳۱

دہلی کی یادگار ہستیاں ص ۱۸۹ تا ۱۹۲

تہایت ممتاز ذہین اور دانشور طبیب تھے۔ مطب بہت کامیاب تھا۔ یہ حکیم غلام رضا خاں اور حکیم اجمل خاں سے تعلیم پائی تھی۔ طبیبہ کالج دہلی میں پروفیسر رہے ان کی فنی قابلیت کی وجہ سے نواب رامپور نے اپنا طبیب خاص مقرر کیا تھا۔ حکیم غلام کبریا خاں جو بھورے میاں کے نام سے مشہور تھے۔ حکیم اجمل خاں کے بعد آل انڈیا آیور ویدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس کے صدر مقرر ہوئے اور تاجیات صدر رہے۔ بڑے دواخانہ کے نام سے انہوں نے ایک دواخانہ قائم کیا تھا جو اس زمانہ میں بہت مشہور ہوا، اور اس کی دواؤں نے بڑی مقبولیت حاصل کی۔ ۱۹ مئی ۱۹۳۵ء کو یکایک حرکت قاب بند ہونے کے سبب انتقال ہوا۔ حکیم محمود سعید خاں اور حکیم حامد سعید خاں دو بیٹے تھے۔

حکیم غلام کبریا خاں دہلی کے روسا میں تھے۔ امیرانہ شان سے رہتے تھے، آنریری مجسٹریٹ بھی رہے۔ نخرانہ جاوید جلد سوم میں ان کی تقریباً مرقومہ ۲۲ فروری ۱۹۱۵ء ان القاب کے ساتھ نقل ہے۔ "تقریباً چکیدہ کلک جواہر سلک فضیلت مآب کمالات انساب، جامع صفات صوری و معنوی فخر اطباء ہندوستان حاذق زمان شیفٹی حکیم غلام کبریا خاں صاحب۔"

حکیم عبد الوہاب انصاری

یوسف پور ضلع غازی پور کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے اوران کے دونوں بھائیوں حکیم عبد الرزاق انصاری اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے بڑی شہرت پائی۔ تحریک آزادی میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ حکیم عبد الوہاب دارالعلوم دیوبند کے

طالب علم تھے۔ دورانِ تعلیم چچک میں مبتلا ہوئے اور بینائی جاتی رہی۔ لیکن اس کے باوجود پھر دارالعلوم واپس آئے اور درسیات کی تکمیل کی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا ذوالفقار علی اور مولانا فیض الحسن بہار پوری تھے لے طب کی تعلیم حکیم محمود خاں سے حاصل کی تھی۔

حکیم عبدالوہاب جو حکیم نابینا کے نام سے مشہور ہوئے طب کے نامور معالجین میں تھے۔ نبض کے معائنہ میں امتیاز حاصل تھا۔ جدر آباد اور دہلی میں ان کی طبابت کا ڈنکا بجاتا ہے۔ جدر آباد میں میر محبوب علی خاں نظام دکن کے معالج رہے اور صدر الاطبا کے منصب پر فائز ہوئے۔ میر عثمان علی خاں سے بگاڑ کے بعد شولا پور گئے وہاں کچھ عرصہ مطب کیا۔ پھر بمبئی میں قیام کے بعد دہلی منتقل ہوئے۔ پہلے جامع مسجد کے قریب اور آخر میں ملی ماران میں مطب شروع کیا، لیکن پھر دوبارہ صدر الاطبا کے منصب پر تقرر عمل میں آیا۔ اشرف صبوحی نے کہا تھا کہ

پل میں سچا ہو گیا چشم نابینا کا خواب

جدر آباد سے سکدوشس ہونے کے بعد پھر دہلی میں مطب و معالجہ کا سلسلہ رہا۔ بڑا مرجوعہ رہتا تھا ان کے کا میاب مطب سے دہلی کے لوگوں کو بہت فائدہ پہنچا کناٹ پبلس میں ذاتی مکان میں رہائش تھی وہیں ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء کو انتقال ہوا۔ لے حسب وصیت نعش گنگوہ لے جانی گئی اور اپنے مرشد مولانا رشید احمد گنگوہی کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔ حکیم نابینا تینوں بھائیوں میں بڑے تھے اور تینوں کو مولانا گنگوہی سے نہایت گہرا تعلق تھا، حکیم صاحب حج و زیارت سے مشرف ہوئے۔ انتقال سے قبل ایک لاکھ روپیہ کی جائیداد طبی و دینی مدرسوں کے لیے وقف کی تھی۔

لے اسرار شریانیہ دیباچہ ص ۲

لے نرہنتہ الخواطر جلد ۸ ص ۳۱۸

لے رموز حکمت ص ۱۷

ان کی تصنیف "اسرار شریانیہ مع بحر بات انصاریہ، نبض اور طبی مخرجات کے سلسلے کی عمدہ کتاب ہے یہ محبوب المطابع دہلی سے ان کے بیٹے حکیم عبدالحی انصاری کے زیر اہتمام ۱۳۲۶ھ/۱۹۲۷ء کو چھپی ہے۔ حکیم عبدالحی کا بھی دہلی کے کامیاب طبیبوں میں شمار تھا۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی چھپوایا تھا۔

حکیم عبد الرزاق

حکیم عبد الرزاق حکیم نابینا کے منگلے بھائی تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔ اور طبابت کا پیشہ اختیار کیا۔ جلد آباد اور دہلی میں برسوں طب کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے دست شفا سے نوازا تھا۔ یہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے مرید خاص تھے۔ چھوٹے بھائی ڈاکٹر مختار احمد انصاری بھی ان سے بیعت تھے۔ مولانا گکوہی کے علاوہ تینوں بھائی شیخ الہند سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔ ان لوگوں نے شیخ الہند کو حجاز بھجوانے میں اہم کردار ادا کیا، سفر کی جملہ ضروریات مہیا کیں اور ہر قسم کی امداد کی۔ مخربک شیخ الہند اور سفر نامہ ایبرمالٹا میں اس کی تفصیل ہے بلکہ

مولانا حسین احمد مدنی نے حکیم عبد الرزاق کے بارے میں لکھا ہے "دیوبند بہت زیادہ آمد و رفت رکھتے تھے۔ اور جب بھی جانے کئی کئی روز ٹھہرتے تھے۔ شیخ الہند اور ان کے ساتھیوں کے حجاز کے ٹکٹ وغیرہ کا انتظام ڈاکٹر انصاری نے اپنے خرچ سے کیا۔ حکیم عبد الرزاق بمبئی تک ساتھ گئے اور جملہ امور روانگی کا انتظام کیا۔ اور مصارف حجاز کے لیے نقد عطا کیا، اور اس خیال سے کہ حجاز میں گرائی شدید ہے اور وہ رقم ختم ہو گئی ہوگی۔ آئندہ سال حضرت شیخ الہند کے بھانجہ اور داماد

قاضی مسعود احمد کو ایک ہزار روپیہ دے کر اپنے خرچ سے حجاز روانہ کیا۔ اسی طرح گھر کے مصارف کی کفالت کے لیے ماہانہ بھیجتے رہے۔ حکومت نے انہیں بلایا اور مالی مدد کا الزام لگایا، انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے مرشد ہیں۔ انہوں نے اقرار کیا اور کہا کہ جو سزا دی جاتے ہیں حاضر ہوں۔

حکیم عبدالرزاق نے دہلی میں وفات پائی اور قبرستان مہندیان میں دفن ہوئے۔ چھوٹے بھائی ڈاکٹر مختار احمد انصاری (پیدائش ۲۵ دسمبر ۱۸۸۰ء وفات مئی ۱۹۳۶ء) انڈین نیشنل کانگریس کے صدر رہے اور تحریک آزادی میں زبردست کردار ادا کیا، ان کی کوشھی دارالسلام دریاباگج، ملک کے چوٹی کے رہنماؤں کا مرکز تھی، گاندھی جی موتی لال نہرو، جواہر لال نہرو، حکیم اجمل خاں، علی برادران، مولانا آزاد سب جمع ہوئے تھے۔

حکیم جمیل الدین

حکیم جمیل الدین نگینہ ضلع بجنور کے ایک زمیندار عالم دین اور خدائرس بزرگ مولوی محمد الدین کے گھر پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند سے حصول علم کے بعد دہلی آئے۔ اور حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں کے حلقہ درس میں شریک ہو کر امتیاز پیدا کیا، حکیم جمیل الدین کو شروع سے درس و تدریس کا شوق رہا، حکیم عبدالمجید خاں نے شریف منزل میں مدتوں سے جاری درس کے سلسلہ کو منظم کرنے کے لیے ۱۸۸۳ء میں اسے ایک مدرسہ کی شکل دی۔ اس میں خاندان کے دوسرے اراکین کے علاوہ حکیم جمیل الدین بھی درس دیتے تھے۔ پھر ۱۸۸۸ء میں حکیم عبدالمجید خاں نے اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں اور حکیم جمیل الدین کے تعاون سے باقاعدہ مدرسہ طلبہ کے قیام کا منصوبہ بنایا جس کا ۲۳ جون ۱۸۸۹ء کو افتتاح ہوا۔ حکیم صاحب

۱۔ نقش حیات جلد ۱ ص ۱۹۹ و ۲۰۰ لیکچروں کا مجموعہ جلد ۱ ص ۱۷۵

طیبہ کالج بننے پر اس کے اولین صدر ممتحن رہے۔ حکیم جمیل الدین کے لیے یہ شرف کی بات ہے کہ وہ طب میں مسیح الملک حکیم اجل خاں سے استاد ہیں۔ حکیم صاحب نے ۱۹۱۰ء میں پیری والا باغ پبلنگش میں اپنا ذاتی مطب شروع کیا۔ اور ۱۹۱۲ء میں صدیقی دو خانہ کے نام سے پبلنگش ہی میں ایک دو خانہ کی بنیاد رکھی، اور درس کے ساتھ معالجہ کے ذریعہ لوگوں کو فیض پہنچایا۔

حکیم صاحب پرانی وضع کے سادہ مزاج صوفی منش بزرگ تھے، خدمت خلق کا بہت جذبہ تھا۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۶ء تک دارالعلوم دیوبند کی مجلس عاملہ اور شوروی کے رکن رہے۔ ان کے بعد دارالعلوم کے ارباب حل و عقد نے ان کے برادر خرد حکیم محمد بسین کو رکن منتخب کیا جو ۱۹۵۲ء تک فرایض رکنیت ادا کرتے رہے۔ حکیم جمیل الدین کو ۱۹۳۲ء میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی، اور ۱۲ مئی ۱۹۳۶ء کو بعد نماز تہجد رب حقیقی سے جا ملے۔ وصیت کے مطابق پرانی بزمی منڈی (حال کلا نہرو پارک) کے قریب گورنریباں میں تدفین ہوئی، حکیم محمد اسمعیل اور حکیم عبدالجلیل دو بیٹے تھے۔

حکیم آزاد انصاری

ابوالحسن حکیم الطاف احمد آزاد انصاری کا اصل وطن بہار پنور تھا، صحیح النسب انصاری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۲ اکتوبر ۱۸۷۱ء ۲۶ رجب ۱۲۸۸ھ کو ناگپور میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ طب کی تعلیم حکیم نور احمد بہار پنوری مولانا حکیم معین الدین نانوتوی اور ڈاکٹر احمد خاں لکھنوی سے حاصل کی۔ ۱۹۰۰ء میں دہرہ دون میں مطب کھولا۔ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۹ء تک کا پنور میں مطب کیا۔ اس کے بعد آٹھ برس بہار پنور میں مطب جاری رکھا۔ ۱۹۱۹ء میں علی گڑھ پہنچے۔ اور ڈیڑھ برس مطب کر کے ۱۹۲۳ء میں دہلی آئے دہلی میں بھی مطب شروع کیا۔

وہاں سے ۲۳ اکتوبر ۱۹۲۳ کو جیدر آباد منتقل ہوئے۔ لیکن وہ کہیں بھی کامیاب نہیں رہے۔
شاعری میں حالی اور بیدل سے تلمذ تھا، پہلے عطار و نخلص تھا، بعد میں آزاد
اختیار کیا، قادر الکلام اور زود گو تھے، معارف جمیل ان کے کلام کا مجموعہ ہے یہ ۱۹۳۸ء
میں طبع ہوا ہے۔ اس میں انہیں قافی ہند لکھا ہے، آزاد انصاری جیدر آباد میں مستقل
نہیں رہ سکے ان کی زندگی کا بیشتر حصہ دہلی میں گزرا، دونوں جگہ آمدورفت کا سلسلہ
رہتا تھا جیدر آباد میں ۱۹۲۲ء میں وفات پائی۔

دہلی کے ادبی حلقوں میں ان کی شخصیت نمایاں تھی۔ سیما ب اکبر آبادی، مولانا ظفر
ناباں اور جیدر دہلوی سے استفادہ کا موقع ملا تھا عرض مصنف کے عنوان سے
انہوں نے لکھا ہے ”ان حضرات کے گراں قدر مشوروں نے میری معلومات شعری میں
واضح اور نمایاں اضافہ کیا ہے۔“

حکیم آزاد انصاری کے اقتصادی حالات آخر عمر میں اچھے نہیں رہے تھے، بڑھاپے
اور بیماری میں ان کا کوئی پرسان حال نہیں رہا تھا۔ دہلی میں کبھی کسی کے ہاں جا رہے تھے،
جوش ملیح آبادی کے دور ان قیام دہلی میں ان کے ہاں بھی رہے۔ میزبان ان کے ہنر
کی وجہ سے ہاتھوں ہاتھ لیتا۔ اس کے بعد ان سے شعر کہلو اور اپنی بیاض بھرنا جب
وہ شعر دینے میں پس و پیش کرتے تو میزبان پرانے لگتا۔ حکیم صاحب اس بے
غوری اور ناقدری کو تار جاتے اور کسی اور شاگرد یا قدر داں کے ہاں اٹھ جاتے
ایک صاحب کا تو پورا دیوان آزاد انصاری ہی کا کہا ہوا ہے۔

حکیم محمد امین الدین

حکیم محمد امین الدین کلب علی خاں کے صاحبزادہ اور شاہ آباد ضلع راجپور کے

لے دیباچہ معارف جمیل ص ۱۳۱۲ لے یہ تھی دلی ص ۱۱۶

لے گنجینہ گوہر ص ۱۸۲

رہنے والے تھے۔ ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ درس نظامیہ کی تکمیل مولانا سید احمد حسن محدث امردہوی سے کی، اور انہی سے طبی نصاب ختم کیا۔ حکیم عبد السلام امردہوی کے مطب میں تشخیص و نسخہ نویسی کی مشق بہم پہنچائی۔ مدرسہ اسلامیہ امردہہ میں تعلیم حاصل کی تھی، وہیں استاد مقرر ہوئے۔ اس زمانہ میں امردہہ کے مدرسہ سے تھے طالب علم مدرسہ طبیبہ دہلی آئے وہ سب حکیم محمد امین الدین کے شاگرد اور منطق و فلسفہ میں اعلیٰ لیاقت رکھنے تھے، مولوی حکیم عبد الرشید خاں پرنسپل مدرسہ طبیبہ جو خود بہت قابل اور فاضل تھے، منطق و فلسفہ میں لیاقت رکھنے والے طلبہ کو بہت پسند کرتے تھے، اسی لیے امردہہ کے طلبہ کی مدرسہ طبیبہ میں بڑی اہمیت رہی اور ۲۲ برس تک حکیم اجمل خاں کے طبیب پیشی کے عہدہ پر امردہہ کے اطا مقرر ہونے رہے چنانچہ سب سے پہلے حکیم مستجاب حسن پھر حکیم مفصود احمد پھر حکیم رشید احمد (شفاء الملک) اور پھر حکیم ذکی احمد طبیب پیشی ہوئے۔ اور اس کے بعد بگینہ کے حکیم نذر احمد کا نمبر آیا۔

حکیم محمد امین الدین مدرسہ طبیبہ دہلی میں استاد مقرر ہوئے، فارسی میں یکتا تھے، عربی قابلیت کا یہ عالم تھا کہ طب کی کتابوں کا عربی میں درس دیتے تھے، انتظامی صلاحیت میں عوام نہیں رکھتے تھے۔ مدرسہ طبیبہ میں داخلہ کے اندر دو اور دوسرے انتظامی معاملات ان سے متعلق تھے، حکیم صاحب نے زندگی بھر آمدنی کے لیے مطب نہیں کیا وہ اسے گناہ سمجھتے تھے، ان کے صاحبزادہ حکیم محمد حسین نے بھی مطب کو آمدنی کا ذریعہ نہیں بنایا اور نہ دونوں نے کبھی قیمتی نسخہ لکھا۔

حکیم صاحب نے طلبہ کے درسی افادہ کے لیے کلیات نفیسی کا اردو ترجمہ کیا جو ۱۹۲۲ء میں دہلی پرنٹنگ ورکس سے دو جلدوں میں طبع ہوا ہے۔ ۱۵ ستمبر ۱۹۲۳ء کو تقریباً ۶۸ برس کی عمر میں دہلی میں سفر آخرت اختیار کیا۔

ان کے صاحبزادہ حکیم محمد حسین (پیدائش ۲۲ دسمبر ۱۹۰۴ء وفات ۶۱۹۶۵ء) نے ۱۹۲۲ء میں جب کہ مدرسہ طبیبہ نے طبیبہ کالج کی شکل اختیار کر لی تھی، عربی کی سند حاصل کی۔ اس طرح وہ طبیبہ کالج کے پہلے بیچ سے تعلق رکھنے تھے، ۱۹۲۲ء کے بعد ہی مسیح الملک

کے پیشی کے اسٹاف میں آگئے، اس خاندان سے ان کی وابستگی کچھ اس طرح قائم رہی کہ اجمل خاں کی وفات کے بعد وہ حکیم محمد احمد خاں، حکیم ظفر احمد خاں اور حکیم محمد جمیل خاں کے بھی ۱۹۲۷ تک طبیب پیشی رہے۔ ہندوستانی دواخانہ میں شام کو اپنا مستقل مطب کرتے تھے۔ خطوط کے جوابات اور تشخیص و تجویز کا کام بھی ان کے سپرد تھا۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۴۵ تک دواخانہ سے تعلق قائم رہا۔ حکیم صاحب مطب کے علاوہ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ انہوں نے طب کالج میں تدریسی فرایض انجام دیئے۔ ۱۹۲۸ سے ۱۹۶۲ تک جامعہ طبیبہ دہلی میں استاد رہے، معالجات اور نفیسی کا درس ان سے متعلق تھا، ان کے بیٹے حکیم معین الدین (ولادت ۱۲ دسمبر ۱۹۳۳ء) نے ۱۹۵۵ء میں جامعہ طبیبہ دہلی سے اکل الحکما کی سند حاصل کی ہے، ہمدرد دواخانہ سے متعلق رہے۔ مطب کا سلسلہ ہے۔

حکیم امجد علی خاں

دہلی کے قدیم الہیا کی یادگار تھے۔ ان کے والد حکیم محمد علی خاں کا دار و دینی اسکے سرکردہ طبیبوں میں تھا، ان کے دادا حکیم غلام رسول و برآں بہادر شاہ ظفر صاحب اسناد تھے۔ دیوان ذوق حکیم حافظ غلام رسول و برآں نے اپنی یادداشتوں سے لکھوایا تھا۔ ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء میں انتقال کیا۔

حکیم امجد علی خاں کا دہلی میں کامیاب مطب تھا۔ روسا کے علاوہ ہندوستان کے دیگر علاقوں سے دست شفا سے مستفید ہونے تھے۔ دہلی سے باہر دور کے واپس آئے لوگوں کی غرض سے بلاتے تھے عوام کا بڑا امر جو عہد رہتا تھا۔

لہ قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین ص ۲۲۰ تا ۲۲۳

۱۲ رموز حکمت ص ۱۲

انجمن طبیبہ کے رکن تھے۔ طبی تخریک سے دلچسپی لیتے تھے۔ حکیم اجل خاں سے بڑا تعلق تھا۔ ان کی ہم نشینی رہتی تھی۔ آنریری مجسٹریٹ اور میونسپل کمشنر تھے، اپنی نیک نفسی اور خلق کی وجہ سے مشاہیر شہر میں شمار تھا۔
۱۹۰۵ء میں حکیم اجل خاں کے ساتھ یہ بھی عراق گئے تھے۔ سید حامد (برادر شمس العلماء مولوی سید احمد امام جامع مسجد دہلی) بھی ہمراہ تھے بلکہ

حکیم علی رضا خاں

ان کے والد حکیم علی احمد خاں دہلی کے ممتاز طبیب تھے۔ حکیم علی رضا خاں نے حفظ قرآن کے بعد مدرسہ حسین بخش اور مدرسہ فتح پوری سے عربی و فارسی کی تکمیل کی۔ طب کی تعلیم مدرسہ طبیبہ میں حاصل کی، جہاں چار برس تک شریف خاں ابا سے استفادہ کا موقع ملا۔ حکیم عبدالرشید خاں رامپوری سے نفیسی شرح اسباب اور حکیم واصل خاں سے قانون ابن سینا پڑھا تھا۔

کوچہ چیلان میں ان کا مطب دہلی کے چیدہ اور بڑے مطبوں میں کنا جاتا تھا۔ دہلی اور بیرون جات کے بے شمار مریض آتے تھے۔ حامی الصحت کے نام سے ایک دو خانہ قائم کیا تھا، حامی الصحت کے نام سے ایک رسالہ بھی ان کی ادارت میں نکلتا تھا، صاحب علم و فضل ہونے کے ساتھ خلیق متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ ان کے صاحبزادہ حکیم احمد حسن خاں کو کتب بھی طب اور دوسرے خصائل حسنہ میں اپنے والد کا نمونہ تھے۔

۱۔ جیات اجل (رشید احمد) ص ۲۳

۲۔ رموز حکمت ص ۲۵

حکیم محمد احمد خاں

۱۴ رمضان ۱۳۰۲ھ/۳۰ جون ۱۸۸۵ء کو پیدا ہوئے۔ شروع سے نہایت ذہین اور ذکی تھے۔ ابتدائی درسی کتابیں دہلی میں پڑھیں۔ حکیم عبدالمجید خاں کی وفات کے بعد ۱۹۰۱ء میں حکیم اجمل خاں کے پاس رامپور گئے وہاں ۱۹۰۳ء تک عرب طبیبانہ کی سے عربی زبان و ادب میں استفادہ کیا، دہلی واپس ہو کر حکیم واصل خاں کے مطب میں بیٹھے۔ اور خاندانی نکات حاصل کئے۔ ۱۹۰۴ء سے علاحدہ مطب اور مدرسہ طبیبہ میں درس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور دہلی میں مسیح الملک ثانی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ۱۹۰۷ء میں حج کے لیے گئے اور ۱۹۲۳ء میں عراق کا سفر کیا، اور مقامات مقدسہ کی زیارت کی بغداد میں بھی ان کے مطب کا سلسلہ رہا۔ اور لوگ اپنے مرض کے رنجیہ کے لیے برابر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

حکیم اجمل خاں کی وفات کے بعد ان کے کاموں کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ حکیم محمد احمد خاں کو خاندانی مسند طبابت پر بٹھایا گیا، طبیبہ کالج اور ہندوستان دو خانہ کا انتظام حکیم محمد جمیل خاں کے سپرد کیا گیا اور طبی کانفرنس کی ذمہ داری حکیم غلام کبریا خاں کے حوالہ کی گئی۔ حکیم جمیل خاں کے خلاف جب اسٹرائک ہوئی تو بورڈ آف ٹریڈنگ کی سکریٹری شپ سے انہوں نے استعفیٰ دیا۔ اور ان کی جگہ حکیم محمد احمد خاں سکریٹری مقرر ہوئے۔

حکیم محمد احمد خاں نے کالج اور دو خانہ میں ضروری اصلاحات کیں، حکیم ظفر احمد خاں کو پرنسپل مقرر کیا۔ پھر حکیم غلام کبریا خاں کو سکریٹری شپ کا چارج دے کر یورپ چلے گئے۔ ان کی روانگی کے بعد خاندانی جھگڑوں کی وجہ سے حکیم ظفر احمد خاں نے استعفیٰ

دے دیا۔ حکیم محمد احمد خاں کی یورپ سے واپسی کے بعد طبیبہ کالج اور ہندوستانی
دواخانہ میں باہمی اختلافات کے سبب اسٹرائک ہوئی اور بڑا ہنگامہ ہوا۔ حکیم
محمد احمد خاں نے اس پر قابو پایا اور دوبارہ یورپ کا سفر کیا۔ چھ ماہ بعد واپسی ہوئی
یورپ کے سفر میں جو تجربات حاصل ہوئے تھے ان کے پیش نظر کالج میں اصلاحات
کیں۔ ہندوستانی دواخانہ کی ترقی پر توجہ کی۔ مولانا عبد اللہ کو دواخانہ کا منیجر بنایا
حکیم غلام کبریا خاں کے انتقال کے بعد ۱۹۳۵ء میں حکیم محمد احمد خاں کو کانفرنس کی صدارت
تفویض کی گئی۔ اس طرح وہ تینوں اداروں کی سرپرست قرار پائے۔ بعد میں مصالحت
ہونے پر حکیم جمیل خاں طبیبہ کالج کے سکریٹری ہوتے تو حکیم محمد احمد خاں ان کے
معاون رہے۔

حکیم محمد احمد خاں کا مطب بہت کامیاب تھا، دور دور سے مریض علاج کے لیے
آتے تھے۔ ان کی کتاب مطب عملی سے ان کی فنی قابلیت کا اظہار ہوتا ہے، ۱۷ نومبر
۱۹۳۷ء کو انتقال ہوا۔ حکیم محمود احمد خاں اور حکیم مجید احمد خاں دونوں زندہ تھے یہ

حکیم مرزا محمد نعیم بیگ

حکیم مرزا عبد الکریم بیگ کے صاحبزادہ تھے۔ ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے، دادھیالی
بزرگوں کا تعلق طب سے تھا اور تقریباً چودہ پشت سے ان کے خاندان میں طب چلی
آ رہی تھی۔ نانھیال کے لوگ فوج سے وابستہ تھے، حکیم صاحب کے والد عبد الکریم
بیگ ریاست پالی سے وابستہ تھے۔ پہلے شاہی طبیب تھے، پالی میں طبابت کے
علاوہ ریاست کے اعلیٰ عہدہ پر فائز رہے، آخری زمانہ میں ان کا قیام انبالہ میں
تھا اور وہیں وفات پائی۔

حکیم مرزا نعیم بیگ اوائل عمری میں والد کا سایہ سر سے اٹھنے کے بعد والدہ کے ہمراہ دہلی منتقل ہوتے جہاں خاندان کے دیگر افراد موجود تھے۔ معاشی خوش حالی کی وجہ سے ان کی تعلیم میں کوئی دقت نہیں پیش آئی۔ انہوں نے عربی فارسی اور مروجہ علوم انگریزی ریاضی کے بعد طب کی تعلیم حاصل کی۔ فارسی کے جید عالم تھے اور طب میں مرتبہ کمال رکھتے تھے۔ تکمیل طب کے بعد جرمنی بونیوں پر تحقیقی کام شروع کیا۔ اس سلسلہ میں شمال پنجاب کے مختلف شہروں اور صوبہ سرحد کے جنگلوں میں برسوں رہ کر تجربات کئے۔ اس دوران ہوسسی کا شوق ہوا، کیمیاگری کے تعلق سے بھی تجربات کرتے رہے، کیمیا تو نہیں بنا سکے، لیکن ان کے بقول تجربات کی منزلوں سے گزرنے کے دوران سونے سے زیادہ قیمتی دوا دریافت ہوئی جس کے ذریعہ بہت سے لاعلاج مریض تندرست ہوئے۔

حکیم صاحب کو علاج میں بڑا ملکہ حاصل تھا۔ دہلی میں اس زمانہ میں بڑے حاذق طبیب موجود تھے سب کو ان کی تشخیص کا اعتراف تھا۔ مسیح الملک حکیم اجمل خاں انہیں بہت پسند کرتے تھے اور محبت سے نواب کہا کرتے تھے۔ پیچیدہ امراض کے علاج سے بہت دلچسپی تھی۔ انہیں ایک چیلنج کے طور پر لیتے تھے، ان کی صاحبزادی طاہرہ بیگم کا بیان ہے کہ آخری عمر تک وہ اپنے مریضوں کے کیس اس طرح تیار کرتے تھے، جیسے انہیں اس کا امتحان دینا ہے، اکثر مریض دوسرے معالجین سے مایوسی کے بعد ان کے پاس آتے اور شفایاب ہو کر جاتے، ان کے مطب میں مریضوں کی بھٹری رہتی تھی، اور وہ اپنے زمانہ کی دہلی کے مہر و فائزین طبیبوں میں تھے۔

ان کا کتب خانہ طب کی نادر و نایاب کتابوں پر مشتمل تھا، اس میں تاریخ، فلسفہ ادب، اسلامیات اور دوسرے علوم کی قیمتی کتابیں بھی کثیر تعداد میں موجود تھیں۔ یہ کتابیں ان کے مطالعہ میں رہتی تھیں، مطب اور دوسری مصروفیات کے باوجود وہ روزانہ پابندی سے کتب بینی کے لیے وقت نکالتے تھے، مسیح الملک حکیم

اجمل خاں نے انہیں طیبہ کالج میں پڑھانے کی دعوت دی تھی، جسے انہوں نے قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ میں اپنے پیشہ میں پابندی گوارا نہیں کر سکتا، حج بیت اللہ کے موقع پر جب وہ سعودی عرب میں تھے تو شاہ ابن سعود نے ان کی تعریف سن کر اپنی بیگم کے علاج کے لیے بلایا اور یے حد تک رقم سے پیش آئے، انہیں شاہی طبیب بھی مقرر کرنا چاہا، انہوں نے کہا کہ میں وطن ہی میں رہ کر لوگوں کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

حکیم صاحب صبح سے ایک بجے تک مطب کرتے تھے۔ شام کو مطب میں دو سنتوں کا مجمع رہتا تھا۔ دعوتوں اور مجلسوں کا سلسلہ چلنا، گانے کی محفلیں منعقد ہونیں شطرنج کے مقابلے ہوتے، محلہ کے لوگوں کے دکھ سکھ سننے جانتے، باہمی جھگڑے طے پاتے۔ ایک زمانہ میں اسپیشل پولس آفیسر کے اختیارات بھی انہیں حاصل تھے ہر ماہ کی گیارہ اور اٹھارہ تاریخ موسیقی کی محفل کے لیے مقرر تھی۔ مشہور قوال اور موسیقار شرکت کرتے تھے۔ موسیقی سے لگاؤ کا یہ حال تھا کہ ایک موسیقار مستقل ملازم رکھا ہوا تھا جو اپنی موسیقی سے جگانا، اور رات کو موسیقی سنا کر سلاتا تھا۔ وہ خود موسیقی اور شطرنج کے ماہر تھے، کشتی اور ورزش کا سلسلہ رہنا تھا، بنوٹ میں مہارت تھی۔ شکار کے بھی بے حد شوقین تھے۔ پھل کے شکار کے علاوہ بندوق سے بھی شکار کرتے تھے۔ مرلیوں کو ان کی سب جگہیں معلوم تھیں، جنگل یا پانی کے کنارے جہاں وہ موجود ہوتے۔ بعض وقت وہاں بھی مرلیں پینچ جاتے تھے۔

حکیم صاحب نہایت بامذاق، بیدار مغز اور زیرک انسان تھے۔ بہت خوش گفتار اور مجالس کی جان۔ وسیع القلبی، انکساری اور رواداری کے ساتھ مزاج میں غصہ بھی تھا، بڑے خدائزس اور صاف دل تھے۔ کبھی تنہا کھانا نہیں کھایا، ہمیشہ لہگیا مدعو رہتے تھے۔ قرض حسنہ دے کر لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتے اور خاموشی سے صدقات اور زکوٰۃ نکالتے تھے۔ بزرگوں کے عقیدت مند اور ندریناز کے قابل تھے، کلیں اور اجبہ کے آستانوں پر حاضری معمول میں شامل

تھی۔ نظام الدین اولیا کے عرس کے موقع پر زائرین کے لیے پانی کی سبیل اور لنگر کا انتظام کرتے تھے، صوم و صلوة کے پابند تھے۔ رمضان کے علاوہ بھی نفلی روزے رکھتے تھے ۲۰-۱۹۳۱ء میں جب ادا بیگی حج کے لیے گئے تو انہیں امیر الحج بنایا گیا تھا۔ (بحوالہ پاکیزہ سلطانی بیگم) جنگ آزادی میں حصہ لیا۔ تحریک عدم تعاون میں شریک ہو کر گھر کا انگریزی سامان جلا یا اور کھدر کا استعمال شروع کیا، تقسیم ملک کے بعد نقل مکانی نہیں کی اور ہر حالت میں اپنے وطن میں رہ کر عوام کی خدمت میں مصروف رہے، ان کے زمانہ میں کوچہ چیلان بڑی محب وطن اور مقتدر شخصیتوں سے آباد تھا، بیرسٹر آصف علی، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید اور دوسرے بہت سے اصحاب، ان سب سے ان کے گہرے مراسم تھے۔

حکیم صاحب بہت وجیہہ اور جامہ زیب انسان تھے، گورارنگ، چمکدار ذہین آنکھیں، نظریہ چھٹ کا قد، لباس بہت نفیس پہنتے تھے، کبھی بنارسی کپڑے کی شیروانی، بنارسی صاف، کامدار جوتا، جوڑی دار پاجامہ اور ہاتھ میں قیمتی چھڑی۔ کبھی بنارسی ویسٹ کوٹ جس کی جیب میں تو بصورت گھڑی لگتی ہوتی۔ کھادی شروع کرنے کے بعد عمدہ کھادی کے سفید پاجامے قمیص اور شیروانیاں سلوائیں اور باریک کھادی کا صاف استعمال کیا۔ اس لباس میں بھی بہت شاندار لگتے تھے، نفاست اس درجہ تھی کہ دن میں کئی مرتبہ کپڑے بدلنے تھے، جنٹی مرتبہ گھر سے باہر جاتے کپڑے بدل کر جاتے، کبھی کبھی تڑکی ٹوپی بھی پہنتے تھے۔

ان کی شادی خاندان شاہی میں ہوئی تھی۔ بیگم بہادر شاہ ظفر کی پڑپوتی، مرزا فتح الملک کی پوتی اور مرزا فرخندہ جمال کی بیٹی تھیں، حکیم صاحب کا انتقال ۲۸ برس کی عمر میں ۱۹۲۸ء میں اور بیگم کا انتقال ۱۹۹۳ء میں ہوا، دونوں نظام الدین میں اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہیں، دو صاحبزادیاں طاہرہ بیگم زوجہ سجاد حسن لندن اور پاکیزہ سلطانی بیگم زوجہ بیرسٹر دانیال لطیفی ان کی یادگار ہیں۔ چھٹہ آغا جان کے سامنے کی گلی جس میں وہ رہائش پذیر تھے ”گلی حکیم نعیم بیگ“ کے نام سے

موسوم ہے۔

حکیم نزلوک ناٹھا اعظم

حکیم نزلوک ناٹھا اعظم جلال آبادی ۲۴ فروری ۱۸۹۷ کو پیدا ہوئے۔ حکیم حاذق اور عمدۃ الحکماء کی طبی سند میں حاصل کیں۔ مرہاجاں مرہاج بزرگ تھے۔ تقسیم ملک سے پہلے دہلی میں قیام تھا۔ مذہبی لٹریچر اور روحانیت سے شغف رہا۔ محض ادبی ذوق کی تسکین کے لیے فکر سخن بھی کرتے تھے۔ ماہنامہ دستگیر کو ان کی سرپرستی کا شرف حاصل رہا۔ یہ ماہنامہ ۱۹۲۵ سے ۱۹۲۷ تک طالب دہلوی کی ادارت میں نکلتا تھا۔ طالب دہلوی نے لکھا ہے کہ جب بھی حکیم صاحب کے درشن ہو جاتے تھے تو بے ساختہ اس حقیقت کا اعتراف کرتا تھا کہ وہ فی الواقع ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں یہ کلام اعظم کے نام سے ان کا شعری مجموعہ طبع ہوا ہے۔

حکیم صاحب چند کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ ڈرامہ سے خاص دلچسپی تھی، اس برس بورڈ آف ایجوکیشن کا اینڈیونانی سسٹم آف میڈیسن کے ممبر رہے، بھوپندر اہلیہ کالج دہلی کے پرنسپل کی حیثیت سے بھی فرائض انجام دیے تھے۔

حکیم عبدالجبار

ابوالوفار حکیم حافظ عبدالجبار کا تعلق کیانی مغلیہ خاندان سے ہے۔ ان کے والد حکیم مولوی عبدالسلام دہلی کے اچھے طبیب تھے۔ اور ان کے دادا حکیم مولوی مرزا جان شاہی زمانہ میں اراکین سلطنت میں شمار کئے جاتے تھے۔

لے بیہ تھی دلی ص ۱۹۹

مولوی ظفر علی اور دہلی کے دوسرے علماء سے درسی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد مدرسہ طبیبہ دہلی میں داخل ہوئے۔ مسیح الملک حکیم اجل خاں سے فخر شاگردی تھا۔ دہلی کے کامیاب طبیبوں میں تھے۔

حکیم محمد اسماعیل سرور

حکیم محمد اسماعیل خلف حافظ عبداللہ دہلوی نے ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں مدرسہ طبیبہ دہلی سے طب کی سند حاصل کی، تعلیم طب کے بعد فن سخن کی جانب متوجہ ہوئے اور سید نذیر حسین فتنہ عباسی سندیلوی کی شاگردی اختیار کی، خوشگوار شیریں زباں شاعر تھے، زبان شنسنہ اور بندش چست ہوتی تھی، ریاست لوہارو میں بصیفہ طبابت ملازم رہے، بعد میں ریاست زنگڑھ میں طبیب خاص کے عہدہ پر ممتاز ہوئے جیلن، متواضع اور ملنسار تھے۔

حکیم محمد ظفر احمد خاں

تاریخی نام ظفر حسن ہے، ۸ ربیع الاول ۱۳۰۸ھ/۱۲ جون ۱۸۹۰ء بروز دو شنبہ پیدا ہوئے، عربی فارسی درسی کتابیں مولانا عبداللہ پنجابی اور مولانا عبداللہ رامپوری سے پڑھیں۔ طب کی ابتدائی تعلیم حکیم محمد احمد خاں سے حاصل کی اس کے بعد کچھ کن ہیں حکیم واصل خاں اور حکیم اجل خاں سے پڑھیں، ان کے ماموں حکیم غلام رضا خاں سے بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا، حکیم اجل خاں نے پانچ برس متواتر اپنی نگرانی میں رکھا

لے روز الاضا جلد ۱ ص ۵۹۳

عہدہ خزانہ جاوید جلد ۲ ص ۱۰۹

اور مطب کرایا۔ اس کے بعد ۲۵ مارچ ۱۹۱۴ء سے علاحدہ مطب کی اجازت دی۔ حکیم اجمل خاں کی غیر حاضری میں ان کی جگہ مطب کرتے تھے۔ وہ جب انگلستان گئے تو ان کے زیر علاج ریاست گونڈل کے رئیس کے علاج کے لیے حکیم ظفر احمد خاں کو، سی روانہ کیا گیا۔ اس کے کامیاب علاج سے کاٹھیاواڑ اور بمبئی کے علاقہ میں بحیثیت معالج ان کی بڑی شہرت ہوئی۔ چنانچہ مطب کی ایک شاخ بمبئی میں قائم کی۔ چھ ماہ دہلی میں مطب کرتے تھے اور چھ ماہ بمبئی میں، یہ سلسلہ تین برس چلا، بعد میں دہلی ہی میں مطب کرنے لگے۔ ریاست خیرپور کے بھی مشیر طبی تھے۔ اور وقتاً فوقتاً وہاں جانا ہوتا تھا۔ ۱۹۳۷ء میں جب حکیم محمد احمد خاں کا انتقال ہوا تو وہ خیرپور ہی میں تھے بلکہ حکیم ظفر خاں دو مرتبہ طبیہ کالج دہلی کے پرنسپل مقرر ہوئے، انہوں نے وہاں علمی ریسرچ کا سلسلہ شروع کیا جس میں کالج کے اساتذہ شریک کئے گئے، ہر شخص کو کسی ایک عضو کی بیماری پر ہر ہفتہ مضمون لکھ کر پیش کرنا ہوتا تھا۔ حکیم صاحب نے مجلہ طبیہ بند ہونے کے بعد اجمل بیگزین جاری کیا۔ دواخانہ ہند کے نام سے ایک دواخانہ قائم کیا تھا۔ فروری ۱۹۵۲ء میں وفات پائی۔ حکیم محمد شریف خاں اور حکیم بشیر احمد خاں دو فرزند یادگار رہے یہ

حکیم صاحب مذہبی آدمی تھے۔ ہر جمعرات کو بزرگوں کی فاتحہ کے لیے حسن رسول نامہ تشریف لے جاتے تھے۔ حکیم محمود خاں اور خاندان کے دوسرے بزرگوں کا بھی یہی معمول تھا۔

حکیم طالب احمد

حکیم قلیق کے صاحبزادہ تھے۔ میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عمر میں دہلی آئے۔

۱۔ تذکرۃ النخاجگان ص ۱۱۲

۲۔ حکیم اجمل خاں ص ۲۰۵

اور یہیں سکونت اختیار کی، شہزادہ ہائی اسکول دہلی میں تعلیم پائی۔ اس کے بعد بی اے کیا ریلوے گارڈ ہوئے لیکن ملازمت سے دلچسپی نہیں پیدا ہوئی۔ طب کی تعلیم کا شوق ہوا اور حکیم علی رضا دہلوی سے طب کی درسی کتابیں پڑھیں، ۱۹۲۰ء میں حکیم علی رضا کے اصرار پر کوچہ جیلان میں قومی دواخانہ کے نام سے ایک دواخانہ قائم کیا۔ مسیح الملک حکیم اجمل خاں نے دواخانہ کا افتتاح کیا تھا۔

حکیم طالب تحریک خلافت اور تحریک آزادی میں سرگرم رہے، قومی کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ دہلی کانگریس کمیٹی کے رکن تھے، کافی عرصہ تک کوچہ جیلان کانگریس کمیٹی کے صدر رہے اور کانگریس کے پروگراموں میں عملی حصہ لیا، علی گڑھ یونیورسٹی کی تعمیر میں بھی انہوں نے کافی جدوجہد کی۔ ان کی ساری عمر طب، سیاست اور مذہبی کاموں میں گزری، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مولانا سید احمد امام جامع مسجد، مولانا عبد اللہ آٹے والے، پیر ستر آصف علی مولوی شرف الحق، لالہ دیش بندھو گپتا، لالہ شنکر لال سے ان کے تعلقات تھے، ۱۹۱۸ء میں مولانا محمدی شاہ چشتی الہ آبادی کے مرید ہوئے۔ اس کے بعد خواجہ حسن نظامی سے بیعت کی۔ حزب الجرا اور بسم اللہ وغیرہ کے عامل تھے۔

حکیم طالب ابتدائی عمر میں اپنے اعزہ کے ہمراہ بھوپال گئے تھے۔ نواب شاہ جہاں بیگم تک رسائی ہوئی۔ انہوں نے اپنی عزیزہ فاطمہ بی بنت واصل محمد خاں جاگیر دار بھوپال سے ان کی شادی کی، فاطمہ بی کو زندگی بھر ریاست بھوپال سے وظیفہ ملتا رہا جو انضمام ریاست ۱۹۴۹ء تک جاری رہا۔

حکیم طالب کے پانچ فرزندوں میں حکیم محبوب احمد اور حکیم منظور احمد کا تعلق طب سے تھا، حکیم محبوب احمد جامعہ طبیبہ دہلی کے ستر یافتہ تھے، حکیم عاقل خاں کے مطب سے وابستہ رہے اس کے بعد اپنا ذاتی دواخانہ قائم کیا، حکیم منظور احمد اپنے والد کے شاگرد تھے۔ جامعہ طبیبہ سے سند حاصل کی اور اپنے والد کا قومی دواخانہ بنھالا

حکیم ناصر الدین خاں

شفار الملک حکیم رضی الدین کے صاحبزادہ حکیم ناصر الدین خاں عرف چنوبیاں خاندانی روایات کے ترجمان تھے، باشندگان دہلی کو نہ صرف اپنے لاجواب علاج معالجہ سے بلکہ اپنے بے نظیر اخلاق سے ممنون احسان فرماتے تھے۔ قومی کاموں سے ہمیشہ شغف رہا، ۱۹۱۸ء کے آخر میں جو کامیاب جلسے اردو کانفرنس کے دہلی میں ہوئے اس کے روح رواں تھے۔

بشیر الدین احمد نے لکھا ہے کہ یہ قدم بقدم اپنے والد ماجد اور جد امجد کے دہلی کے چوٹی کے طبیبوں میں تھے۔ ان کا مطب صبح سے شام تک مریضوں سے بھرا ہوتا تھا، علاوہ شہر کے لوگوں کے دور دور سے مریض آتے تھے اور صحت پا کر واپس جاتے تھے، اپنے دولت خانہ شفا منزل ہی میں مطب کا سلسلہ تھا، اب یہ تمام عمارتیں ہمدرد دواخانہ کی ملکیت ہیں۔

حکیم صاحب بدایوں میں اسپیشل مجسٹریٹ رہے، اسلامیہ انجنگا لوج بدایوں کے صدر مقرر ہوئے دہلی میں عرصہ تک آنریری مجسٹریٹ اور میونسپل کمشنر رہے، اس کے بعد نظام حیدرآباد کے طبیب خاص مقرر ہوئے، ۱۹۲۶ء میں حکومت ہند نے یونانی اور آیور ویدک سے متعلق ایک کمیٹی کا ممبر نامزد کیا، اس سلسلہ میں انہوں نے جنوبی ہند اور ہندوستان کی مختلف جگہوں کا دورہ کر کے حکومت کو رپورٹ پیش کی، وہ دہلی طبیہ کالج کے بورڈ کے ممبر رہے، ہندوستان کے پہلے صدر جمہوریہ راجندر پرساد کے اعزازی طبیب کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور تاجیات اس عہدہ پر رہے۔

۲۲ جون ۱۹۵۸ء کو فوت ہوئے اور وصیت کے مطابق درگاہ روشن چراغ میں دفن ہوئے بلکہ انتقال کے وقت عمر ۶۶ برس تھی۔ احسن اللہ فاروقی اور اجمل فاروقی دو صاحبزادے یادگار رہے۔

حکیم محمد اسماعیل

حکیم محمد اسماعیل ۲۲ جولائی ۱۹۰۷ء کو پیدا ہوئے۔ گیارہ برس کی عمر میں حفظ قرآن کے بعد دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور نمایاں حیثیت سے فراغت حاصل کی۔ والد ماجد حکیم جمیل الدین سے طبی کتابیں پڑھیں، اور والد کے قائم کردہ صدیقی دواخانہ میں مطب شروع کیا۔ حکیم صاحب کو غذاؤں اور پھلوں کے ذریعہ علاج پر ملکہ حاصل تھا۔ نادار مریضوں کا علاج طبی چٹکوں اور بہت کم قیمت دواؤں سے کرتے تھے۔ طبیہ کالج قزول باغ میں عرصہ دراز تک بلا معاوضہ درس دیا، عربی سے ناواقف طلبہ کے لیے عربی کی ایک درسی کتاب لکھی تھی جو بہت عرصہ تک طبیہ کالج کے نصاب میں داخل رہی۔

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن کے دست راست کے طور پر جنگ آزادی میں حصہ لیا اور ۱۹۴۷ء کے پر آشوب دور میں دہلی میں مسلمانوں کی باز آباد کاری کے لیے بہت کام کیا، پاکستان سے آئے نثر ناریخیوں کی آباد کاری میں بھی حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۲ء تک جمعیتہ العلماء کے علاقہ صدر بازار کے صدر رہے۔ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۶۶ء تک مادر در سگاہ دارالعلوم کی عاملہ اور شوری کے رکن اور اسی زمانہ میں الجمعیتہ انجمن کے پرنسپل اور پبلشر رہے۔

حکیم صاحب بڑے دوست دار، بذلہ سنج شخصیت کے مالک اور عمدہ نثر نگار

اور شاعر تھے۔ افسوس ان کا شعری سرمایہ دستیاب نہیں، دو شعر نقل ہیں۔
 نشاں کچھ ہیں دل ویراں میں باقی قیامت اس جگہ بر پارہی ہے
 لبوں کو سی لیا ایسا کہ گویا دہن کا زخم اب منہ پر نہیں ہے
 اپنے اجداد کے مانند پابند صوم و صلوة اور تہجد گزار تھے، ۲۱ ستمبر ۱۹۶۲ء رحلت
 کی اپنی والدہ کے پائنتی قبرستان بسدی پورہ میں ابدی نیند سو رہے ہیں، ان کے بیٹے
 خالد صدیقی ڈاکٹر حسین کالج میں ایڈمنسٹریٹو آفیسر ہیں۔

حکیم لچمن پرشاد

حکیم صوفی لچمن پرشاد مشہور ماہر نباتات تھے۔ دواؤں کی تازہ حالت میں پہچان
 اور جرہی بوٹیوں کے بارے میں انہیں بڑی معلومات تھیں۔ انہوں نے زندگی کا کافی
 حصہ دواؤں کی تحقیق اور چھان بین میں گزارا۔ دوائی پودوں کی ماہیت و شناخت کے
 علاوہ ان کے طبی خواص کے متعلق بھی انہوں نے تجربات کئے۔ مفردات کے افعال
 اور استعمال پر ان کی نظر بہت گہری تھی، رسالہ مستانہ جوگی جو مدنوں ان کے زیر ادارت
 نکلا، طب کا ایک ایسا مجلہ تھا جس میں دواؤں کے تعلق سے نہایت مفید اور کارآمد
 مواد پیش کیا جاتا تھا۔ اس رسالہ کے ذریعہ انہوں نے طب کی بڑی خدمت کی اور
 عام لوگوں کو صحت، مرض اور دوا سے متعلق ضروری واقفیت بہم پہنچائی، یہ بڑا مقبول
 رسالہ تھا اور ہزاروں کی تعداد میں چھپتا تھا، ان کی کتاب ہندوستانی جرہی بوٹیاں
 اپنے موضوع کی بہترین کتاب سمجھی جاتی ہے۔

حکیم صاحب آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس کے اولین اراکین میں تھے، ۱۹۵۲ء میں
 طبی کانفرنس کی از سر نو تشکیل ہوئی اور اس کی مجلس عاملہ کا پہلا جلسہ، ستمبر ۱۹۵۲ء کو منعقد
 ہوا، اس میں صرف دہلی کے مقامی اطباء شریک تھے، ان میں حکیم صوفی لچمن پرشاد
 خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حکیم صاحب بڑے علم دوست اور جان نثار فن تھے۔ یونانی طب کی بقا اور ترقی کے لیے ان میں ایک تڑپ تھی۔ انہوں نے بڑی بامقصد زندگی گزار لی اور آخر وقت تک فن کی ترقی کے لیے کوشاں رہے، ۱۹۶۲ء میں رحلت کی۔

حکیم مدن موہن لال آپل

۱۲ مارچ ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوئے، طبیہ کالج دہلی سے کامل طب و جراحی کیا۔ گول مارکٹ میں مطب کرتے تھے اور کامیاب معالج تھے۔ ۱۹۵۰ء سے قبل کچھ عرصہ طبیہ کالج میں لیکچرر رہے۔ ذی علم طبیب تھے۔ فن کی ترقی سے دلچسپی رکھتے تھے سماجی شعور بلند تھا۔ بڑے وسیع الاخلاق اور دوست آدمی تھے۔ ۱۹۶۰ء سے پہلے وفات پائی۔

حکیم ایاس خاں

حکیم ایاس خاں سہاور ضلع ایٹھ کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام امجد علی خاں شروانی تھا۔ ۱۸۸۰ء کے قریب پیدا ہوئے۔ گھر پر عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم کے بعد دہلی آئے۔ مدرسہ امینیہ سے درس نظامیہ کی اور حاذق الملک حکیم عبد المجید خاں کی نگرانی میں مدرسہ طبیہ سے طب کی تکمیل کی ۱۹۰۱ء میں طب کی سند حاصل کر کے سہاور میں مطب کا آغاز کیا، اسی سال ڈاکٹر ضیاء الدین علی گڑھ کے چنبرہ کے سلسلہ میں سہاور گئے اور حکیم صاحب کو علی گڑھ آنے کی دعوت دی ۱۹۰۲ء میں حکیم صاحب علی گڑھ آئے اور اپنا سنجی مطب قائم کیا۔ علی گڑھ کالج میں طلبہ و اساتذہ کے لیے ایک یونانی شفاخانہ وقار الملک کے زمانہ میں جب ۱۹۰۹ء میں قائم ہوا تو اس

میں یحیثیت طبیب ان کا تقرر عمل میں آیا۔ اس یونانی شفاخانہ میں کالج کے طلبہ اور اساتذہ کے علاج کے علاوہ اوپر کوٹ میں وہ اپنا نجی مطب بھی کرتے رہے، الواح الصنادید کا یہ اندراج کہ وہ علی گڑھ میں ملازم نہیں تھے، صحیح نہیں ہے، یہ یونانی شفاخانہ علی گڑھ میں ۱۹۲۱ تک قائم رہا۔ ۱۹۲۱ کے اوائل تک علی گڑھ میں خدمات انجام دینے کے بعد حکیم اجمل خاں کی خواہش پر دہلی پہنچے اور طبیبہ کالج قرول باغ سے جو اسی سال قائم ہوا تھا وابستہ ہوئے، ہاؤس فزیشن، سپرنٹنڈنٹ کالج اور پروفیسر معالجائت کی حیثیت سے تقرر ہوا۔

۱۹۲۶ء میں حکیم اجمل خاں نے ایک مجلس تفتیش قائم کی جس کے وہ خود چیئرمین اور حکیم ایاس خاں سکریٹری تھے، ۱۹۳۲ء میں طبیبہ کالج میں اسٹرائٹ ہوئی اور تین اساتذہ حکیم ایاس خاں، حکیم فضل الرحمن خاں اور حکیم کبیر الدین کو اس کی پاداش میں کالج سے سبکدوش کیا گیا، حکیم ایاس خاں نے طبیبہ کالج سے علاحدگی کے بعد قرول باغ کے نزدیک شیدی پورہ کے چوراہہ پر ۱۹۴۵ء میں دہلی کی دوسری طبی درسگاہ جامعہ طبیبہ کی بنیاد ڈالی جو وہاں ۱۹۴۷ء تک قائم رہا، ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں کالج کو زبردست نقصان پہنچا، حکیم جمیل خاں کے ایما سے طبیبہ کالج قرول باغ اور جامعہ طبیبہ کے طلبہ کی مشنرکہ تعلیم کے لیے گلی قاسم جان میں کالج قائم کیا گیا، حکیم ایاس خاں اس کے پرنسپل مقرر ہوئے، یہ کالج اس تاریخی عمارت میں تھا جس میں حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں نے مدرسہ طبیبہ قائم کیا تھا، ۱۹۴۹ء میں جب دہلی کی فضا درست ہوئی تو طبیبہ کالج حسب معمول قرول باغ منتقل ہو گیا اور جامعہ طبیبہ کو اسی عمارت میں رہنے دیا گیا۔ حکیم ایاس نے ایک بڑا کام یہ کیا کہ اپنی زندگی ہی میں جامعہ طبیبہ کو ہمدرد وقف کے حوالہ کر دیا۔ اس طرح حکیم عبدالمجید کے مضبوط ہاتھوں میں پہنچ کر اسے ایک نئی زندگی ملی، اور آج ہمدرد طبی کالج کے نام سے ملک میں طبی تعلیم کے ایک اہم ادارہ کی حیثیت سے وہ امتیاز رکھتا ہے۔

حکیم ایاس خاں آل انڈیا ایورویڈک اینڈ یونانی طبی کانفرنس میں شروع سے

سرگرم رہے، ویدمان سنگھ کے بعد وہ اس کے جنرل سکرٹری کے منصب پر فائز ہوئے ان کی اور صدر کانفرنس حکیم غلام کبریٰ کی مساعی سے حکیم اجل خاں کے بعد کانفرنس کو فوٹ ملی اور اس کے کا ایاب اجلاس منعقد ہوئے لے ملک کی آزادی کے بعد انہیں سب سے پہلے کانفرنس کو زندہ کرنے کا خیال آیا اور انہوں نے ۱۹۵۲ء میں دہلی میں آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس کے نام سے تنظیم قائم کی، حکیم عبدالحمید صاحب اس کے صدر مقرر ہوئے۔ حکیم ایاس خاں کانفرنس کے روح رواں تھے، ہندوستان کی طبی سیاست ان کے گرد گھومتی تھی، وہ بڑے باحوصلہ، ہوشمند اور مدبر تھے، حکیم عبدالحمید صاحب نے ان کے بارے میں لکھا ہے، "وہ طبی مسایل کو حل کرنے میں ان کی شخصیت جو کام کر جاتی تھی وہ ہماری بہت سی تدبیریں بھی نہیں کرتی تھیں وہ غیر معمولی صلاحیت کے مالک تھے۔ گلی قاسم جان کے ایک کونے میں بیٹھ کر ملک کی تمام طبی سیاست پر نظر رکھتے تھے"۔

۱۹۵۲ء میں حکومت نے ویسی طبیوں کی بہتری کے لیے دہلی میں بورڈ آف ایجوکیشن اور ویدک اینڈ یونانی سسٹم آف میڈیسن بنایا تو حکیم صاحب اس کے ممبر نامزد کئے گئے اور وہ وہاں یونانی طب کے ترقی ان کی حیثیت سے کام کرتے رہے، ۱۹۵۵ء میں ویسی طبیوں کے نصاب و تحقیق کے لیے حکومت نے جو ریسرچ کمیٹی قائم کی اس کے بھی وہ ممبر مقرر کئے گئے، مرکزی حکومت کی مقرر کردہ کمیٹیوں جو پڑا کمیٹی اینڈ کمیٹی، دوے کمیٹی کے بھی وہ ممبر رہے۔

کتاب قانون عصری حکیم صاحب کی بہت اہم یادگار ہے، اس کے علاوہ انہوں نے آل انڈیا ایجوکیشن اور ویدک اینڈ یونانی طبی کانفرنس میں اطباء کے پیش کردہ تقریبات

۱۔ رموز حکمت ص ۲۹

۲۔ الواح الصنادید ص ۳۰۸

۳۔ جامدلیہ میگزین ۱۹۶۶ ص ۳۰

کو بھی کتابی شکل میں مرتب کر کے شایع کیا تھا۔

آزادی کے فوراً بعد ہندوستان میں طب یونانی کی ترقی اور فروغ کے لیے جن طبیوں نے نمایاں خدمات انجام دیں اور جن کے پیش قدمیوں کو ہمیشہ یاد کیا جائے گا ان میں حکیم الیاس خاں کا نام بہت ممتاز ہے، وہ طب کے ایک ایسے قاید تھے جن کا ملک کے طبی حلقوں میں بڑا اثر تھا، ان کی قیادت اور شخصیت کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا تھا، وہ صدر الاطبا کہلاتے تھے اور یہ خطاب ہر طرح ان کے شایان شان تھا۔
۲۶ فروری ۱۹۶۳ کو ۸۲ برس کی عمر میں وفات پائی اور حسب وصیت قبرستان ہندیان میں دفن ہوئے۔

مولانا حکیم عبدالغفار

دلی لٹنیٹے کے بعد بھی علم و حکمت کا مرکز اور تہذیب و تمدن کا سرچشمہ رہی۔ پاکستان بننے کے بعد دلی والے بڑے تعداد میں پاکستان ہجرت کر گئے۔ مگر جو باقی رہے انہوں نے دلی کی آبرو کو بنائے رکھا۔ ایسے ہی لوگوں میں ایک اہم شخصیت مولانا حکیم عبدالغفار کی تھی۔ ان کا خاندان دہلی کے مشہور علما کا خاندان تھا۔ سلسلہ نسب شیخ نور الدین ملک پران (وفات ۹۸۰ھ / ۱۵۷۲ء) سے ملتا ہے۔ حکیم صاحب کا ان کے پردادا مولوی بنی اللہ (وفات ۱۱۶۶ھ / ۱۷۵۲ء) کے نام سے موسم باغ بنی اللہ میں قیام رہا۔ یہ عمارت آج بھی مسجد اور قیام گاہ کی صورت میں چوک حوض قاضی میں موجود ہے۔ حکیم صاحب کے دادا مولوی کریم اللہ (وفات ۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء) کا سرسید نے آثار الصنادید میں اور رحمن علی نے تذکرہ علماء ہند میں تذکرہ کیا ہے

لے آثار الصنادید ص ۵۶۰

۷۷ تذکرہ علماء ہند ص ۱۷۲

حکیم صاحب کے والد مولانا محمد یعقوب کی شاگردی کا مولانا ابوالکلام آزاد کو بھی فخر حاصل ہے۔

حکیم عبد الغفار نے دینی علوم اپنے والد محمد یعقوب (وفات ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۶ء) سے اور طب حاذق الملک حکیم عبد المجید خاں سے پڑھی تھی، تجربہ کار طبیب نئے نئے قدرت نے ہاتھ میں شفا دی تھی، جس کی وجہ سے مطب میں جو مسجد حوض قاضی کے بالا خانہ پر تھا، ہمیشہ بھٹرا رہتی تھی، درس و تدریس کا شوق تھا، آخر دم تک وہ باغ بنی اللہ میں مدرسہ کو وسعت دیتے رہے، ۱۹۲۷ء کے بعد ایک تہذیب کا زوال ہو رہا تھا، مولانا کو اس تہذیبی زوال کا بہت احساس تھا، وہ دلی کی عوامی شخصیت تھے، اور کوئی دلی والا ایسا نہ تھا جو ان سے واقف نہ ہو، وہ اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے مطب پر انحصار کرتے تھے۔

مولانا دہلی کی تہذیب کا نمونہ تھا، لباس بھی ہمیشہ وضع دار دلی والوں کا رہا، لمبا کرتا عموماً سفید رنگ کا، پتلے پائنجوں کی سیدھی نلوار، کندھے پر ایک بڑا سا رومال، ہاتھ میں تسبیح اور عمار ہنسا تھا، مطب کے لیے جب کمرہ میں آتے تو دو زانو بیٹھتے تھے اور نشست کا یہ انداز اٹھنے کے وقت تک برقرار رہتا تھا، ہر مریض کا حال توجہ سے سنتے تھے، ان کی توجہ سے مریض کو طمانیت ملتی تھی۔

علم و ادب سے لگاؤ تھا، علم و آہنگی پھیلانے میں انہوں نے اپنے بزرگوں کی نہ صرف یہ کہ پیروی کی بلکہ ان کا نام روکشن کیا، ایک رسالہ المفتی جاری کیا تھا، جو مضامین کے اعتبار سے وسیع ہوتا تھا، ان کے پاس آنے والوں میں پیرضا من نظامی، مولانا مختار احمد، حکیم عبد المجید، حکیم سید مختار احمد شرفی، مولانا قدیر اعظم عباسی، منشی ذکی حسن، ہرکشن لال بھر وال ایڈووکیٹ، حکیم سید حسن، علامہ اخلاق دہلوی شامل ہیں۔ ایک زمانہ میں (۱۹۳۵ء سے قبل) حکیم سید کرم حسین بخارہ بھی

دہلی میں ان کے ہاں ٹھہرتے تھے۔ ۱۹۵۶ء میں عم مکرم حکیم سید عتیق القادر کے ہمراہ مجھے بھی ان کی مہمانی کا شرف حاصل ہوا ہے، حافظ مجید الدین بخارہ کا آخری زمانہ میں اپنی کے ہاں قیام تھا اور وہیں ۲۲ جنوری ۱۹۴۹ء میں ان کا انتقال ہوا۔

امداد صابری نے لکھا ہے "۱۹۴۷ء کے پر آشوب دور میں مسجد و مدرسہ اور مولانا کے گھر پر حملے ہوئے۔ کوئی چیز نہ بچی جس کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کی گئی ہو، مولانا کے صاحبزادہ مولانا ابوالفضل سخت مجروح ہوئے، ذاتی کتب خانہ اور گھر کا سامان سب برباد ہو گیا۔ بڑے صبر اور دلیری سے مولانا نے یہ دن گزارے۔ مسجد سے ایک منٹ کے لیے علاحدہ نہیں ہوئے۔ پنج وقتہ نمازیں ہوئیں اذانوں کی صدائیں بھی گونجیں، مطب بھی جاری رکھا، خاندانی قبرستان کی بھی مستعدی سے حفاظت کی اور شیخ نور الدین ملک یار پراں کا عرس ہر سال وقت مقررہ پر کیا بلکہ

حکیم صاحب نے ۱۹۴۷ء کے پر آشوب دور میں ایک میحاً اور خضر کا کردار ادا کیا اور اپنی جگہ قائم رہ کر عالی ہمتی کی مثال قائم کی۔ ۱۸ جمادی الاول ۱۳۸۳ھ، اکتوبر ۱۹۶۳ء کو وفات پائی۔

مسجد حوض قاضی جو ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۸ء کی تعمیر کردہ ہے۔ اسے حکیم عبدالغفار کے دادا مفتی کریم اللہ نے از سر نو بنوایا تھا۔ پھر ۱۳۲۸ھ / ۱۹۲۸ء میں حکیم عبدالغفار نے اسے نئے سرے سے تعمیر کیا، اس کا عالی شان حوض، دالان اور کمرہ بنوایا اور عمر بھر اس کی تعمیر و دستی میں لگے رہے، حکیم ناصر ندیر فراق نے دس اشعار پر مشتمل قطعہ لکھا۔ دو شعر ہیں یہ

پسر جان پدیر خوش خلق و دیندار
سراپا علم مفتی عبدغفار
فراق از بہر تاریخ و محامد
بگوزیریا شدہ فخر المساجد
۱۳۲۸ھ

لے دلی کی یادگار ہستیاں ص ۳۰۸ دہلی کے قدیم مدارس و مدرس ص ۱۸۱

حکیم محمد عبدالواحد

حکیم محمد عبدالواحد موضع داہا ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے، حصول تعلیم کے لیے دہلی آئے اور پھر دہلی ہی کے ہو رہے، مطالعہ اور تصنیف و تالیف کا بے حد شوق تھا، ساری زندگی یہی ان کا مشغلہ رہا۔ وہ ادارہ المیخ کے ناظم اور نائب مدیر رسالہ المیخ تھے۔ اس ادارہ کی بیشتر کتابیں ان کی تصنیف کردہ ہیں جو کتابیں ان کے نام سے شائع ہوئی ہیں ان میں کتاب التکلیس، رسالہ دیابیطس (۱۹۲۲ء) رسالہ بوا سیر (۱۹۲۲ء) رسالہ آتشک (۱۹۲۲ء) رسالہ سوزاک (۱۹۲۲ء) رسالہ مدار بونی (۱۹۲۳ء) رسالہ جدری (۱۹۲۲ء) رسالہ ہیضہ (۱۹۳۱ء) رسالہ مدار بونی (۱۹۲۳ء) وغیرہ ہیں ایک اور ضخیم کتاب جو ان کے نام سے طبع ہوئی ہے وہ کتاب التتخیص (۱۹۲۲ء) ہے یہ دو جلدوں میں ۲۲۷ صفحات پر مشتمل ہے اور اردو میں اس موضوع کی جامع اور مفید کتاب سمجھی جاتی ہے، اس ادارہ کی وہ کتابیں جو کسی کے نام سے نہیں چھپی ہیں اور جن پر صرف "ناشر دفتر المیخ" لکھا ہوا ہے مثلاً مخزن مفردات (کتاب الادویہ) یا جنہیں "اداء المیخ" نے سلیس ترجمہ کرانے کے بعد شائع کیا ہے اور جن پر کسی مؤلف یا مترجم کا نام درج نہیں ہے مثلاً میزان الطب یا جن کے ترجمہ میں متعدد ارباب قلم نے حصہ لیا ہے اور بحیثیت مؤلف یا مترجم ان پر کسی کا نام نہیں لکھا ہے مثلاً ترجمہ حیات قانون، ایسی بیشتر کتابیں حکیم عبدالواحد کے قلم کی رہیں منت ہیں۔

حکیم عبدالواحد آخر میں ادارہ ہمدرد کے شعبہ تصنیف سے وابستہ ہوئے اس دور کی ان کی اہم یادگار "سروے آف ڈرگس" ہے یہ کتاب ان کے اور ڈاکٹر ایچ ایچ صدیقی کے نام سے ادارہ تاریخ و تحقیق طب ہمدرد کی جانب سے پہلی مرتبہ ۱۹۵۷ء میں طبع ہوئی تھی، اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۱ء میں نکلا تھا۔

حکیم عبد الواحد نے ہمدرد و اخانہ کی مجلس تشخیص و تجویز میں ناظم کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ حکیم صاحب نہایت شریف، بردبار اور مرعیاں مرعج تھے۔ ملنسار اور نیک طبع، دہلی کے زمانہ قیام میں راقم سطور کو ان کی خدمت میں اکثر حاضری کا موقع ملا بڑے ذمی علم اور صاحب نظر طبیب تھے۔ تقریباً نوے برس کی عمر میں ۱۹۶۷ء میں دہلی میں وفات پائی۔

حکیم محمد جمیل خاں

مسح الملک حکیم اجمل خاں کے اکلوتے صاحبزادہ تھے۔ ۱۵ مئی ۱۸۹۸ء کو پیدا ہوئے۔ ناز و نعم سے پرورش ہوئی، بہترین اساتذہ سے تعلیم دلانی گئی، حکیم جمیل خاں علم و فضل اور صداقت میں اسلاف کا نمونہ تھے، مسح الملک کے انتقال کے بعد شروع ۱۹۲۸ء میں طبیبہ کالج کے سکریٹری مقرر ہوئے اسی دوران اندرونی طور پر مخالفتوں کا سلسلہ شروع ہوا، تقریباً ایک ماہ ان کے خلاف اسٹرائک رہی اور دو ہی برس بعد ۱۹۲۹ء میں انہیں سکریٹری شپ سے ہٹا دیا گیا، ان کی جگہ حکیم محمد احمد خاں سکریٹری ہوئے، حکیم جمیل خاں نے دو اخانہ حکیم اجمل خاں کے نام سے ایک دو اخانہ کھولا۔ اس کے لیے ملک بھر کا دورہ کیا۔ ہر جگہ ان کی پرزورائی ہوئی اور وہ ہاتھوں ہاتھ بے گتے، پونا اور دوسرے شہروں میں دو اخانہ کی شاخیں قائم کی گئیں۔

۱۹۳۷ء میں حکیم محمد احمد خاں سے مصالحت ہوئی اور وہ پھر کالج کے سکریٹری بنے اور ہندوستانی دو اخانہ بھی ان کی نگرانی میں آیا، لیکن ۱۹۳۲ء میں ان کے خلاف مقدمات کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ قائم رہا، دس برس بعد اکتوبر ۱۹۴۲ء میں ہائی کورٹ سے دیوانی مقدمات کا فیصلہ حکیم جمیل خاں کے حق میں ہوا اور انہوں نے

اطمینان کا سانس لیا، اصلاحات پر بھی توجہ کی، کالج لائبریری میں کتابوں کا اضافہ کیا۔ دارالترجمہ کی بنیاد ڈالی، اسی دوران سیرت اجل مرتب کرائی، اس سے پہلے ۱۹۲۸ء میں انہوں نے منشی سید ظہور احمد وحشی اڈیٹر ماہنامہ تجلی کی اعانت کر کے تجلی پریس قائم کر لیا تھا، اس میں ابتدا میں صرف ہندوستانی دواخانہ کا کام چھپتا تھا، منشی ظہور احمد (وفات ۱۹۴۲ء) کی شاعری کی حکیم اجل خاں بڑی قدر کرتے تھے۔ ان کے بعد حکیم جمیل خاں نے ان کا لحاظ قائم رکھا۔

۱۹۴۹ء تک طبیبہ کالج اور ہندوستانی دواخانہ حکیم جمیل خاں کی زیر نگرانی رہا۔ ملک کے جو حالات بدل چکے تھے وہ ان سے سمجھوتہ نہیں کر سکے، ان کے خلاف طلبہ نے اسٹراٹک کی اور حکومت سے کالج اور دواخانہ کو اپنی تحویل میں لینے کا مطالبہ کیا، ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو حکومت نے ہندوستانی دواخانہ پریسیور مقرر کیا بخشی ہر بنس سنگھ ایڈووکیٹ اور لال امر ناتھ موگا ایڈووکیٹ اس میں شامل تھے۔ تقریباً سال بھر بعد لال چرنجیت لال ایڈووکیٹ کا بھی اس میں اضافہ ہوا۔ ۱۹۵۲ء میں دہلی اسمبلی نے طبیبہ کالج ایکٹ منظور کیا۔ ریسیور ختم ہوئے اور طبیبہ کالج بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی۔ کرنل بشیر حسین زیدی طبیبہ کالج بورڈ کے پہلے چیرمین مقرر کئے گئے، حکیم جمیل خاں نے ریسیور مقرر کئے جانے کے خلاف مقدمہ دائر کیا تھا۔ یہ مقدمہ سپریم کورٹ تک پہنچا اور ان کے خلاف فیصلہ ہوا، اس مقدمہ کے درمیان حکومت نے ان سے متعدد بار مصالحت کی کوشش کی، پنڈت جواہر لال نہرو اور مولانا ابوالکلام آزاد کی خواہش کو اس میں خاص دخل تھا لیکن حکیم جمیل خاں آمادہ نہیں ہوئے، آخر میں انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کی۔

حکیم جمیل خاں نہایت ذہین، دانشور اور صاحب علم و فضل تھے، لیکن ان میں

انفرادیت پسندی اور احساس برتری کا جذبہ ابھرا یا تھا، اپنی بڑھی ہوئی انا اور خود پسندی کی وجہ سے وہ زندگی بھر مسابیل میں مبتلا رہے، یہ مزاجی کیفیت شروع سے تھی، حکیم اجل خاں کے انتقال پر تعزیت کے لیے بکثرت آنے والے افراد میں سے وہ کم لوگوں سے ملے، پنڈت ہنرو سے بھی اس موقع پر نہیں ملے تھے، ایک موقع پر مولانا آزاد جب ان سے ملنے گئے تو ان سے بھی ملاقات سے انکار کیا، والدہ کے جنازہ میں شریک نہیں ہوئے، اور تعزیت میں آنے والوں سے ملاقات نہیں کی، قاضی عبدالغفار کی کتاب لیلیٰ کے خطوط اور مجنوں کی ڈائری میں اگرچہ حکیم جمیل خاں کا حوالہ نہیں ہے لیکن میری اطلاع کے مطابق قاضی صاحب نے یہ کتاب حکیم جمیل خاں کو سامنے رکھ کر لکھی تھی۔

دہلی میں حکیم محمد اعظم خاں لیکچرر طبیبہ کالج فرول باغ کے ہمراہ راقم سطور کو ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا، شریف منزل کے بالائی حصہ میں ایک وسیع کمرہ میں اونچی مسہری پر وہ آرام فرماتے تھے، مسہری پر دو تین گاؤں تکے چند کتابیں، اخبار اور نیچے بڑا اگالہ ان تھا، کمرہ سے شان و شوکت کا اظہار ہوتا تھا، بڑی بارعب اور دلکش شخصیت تھی، روشن آنکھیں، عجیب قسم کی جھک اور مقناطیت، کشادہ پیشانی، سرخ و سفید چہرہ و جاہت اور عظمت کا آئینہ دار، میں نے بعض طبی مسابیل کو چھیڑا، بعض شخصیتوں کا ذکر نکلا، بصیرت و آگاہی کے ساتھ ان کے جواب میں بابوسی کی جھلک تھی اور موجودہ طبیبوں کی علمی صلاحیت کے فقدان کا شکوہ تھا۔

خانہ نشینی کے زمانہ میں میرٹھ آمد و رفت رہتی تھی، انتقال سے کچھ دن پہلے صاحبزادوں کے پاس لاہور گئے تھے، وہیں ۲۶ ستمبر، ۱۹۰۶ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔ حکیم جمیل خاں نہ صرف بہترین معالج تھے بلکہ دواؤں کی بیماری بالخصوص کشتہ سازی میں انہیں خصوصی ملکہ حاصل تھا، ان کا ایک ذاتی معمل تھا، جس میں وہ ادویہ کی ترکیب اور تخیل و تجزیہ کا تجربہ کرتے رہتے تھے، حکیم گروت سنگھ پرنسپل جامعہ طبیبہ دہلی نے جنہوں نے ہندوستانی دواخانہ میں ان کی زیر نگرانی کام کیا تھا، راقم سطور سے بارہا

کہا کہ فن دوا سازی میں حکیم جمیل خاں سے زیادہ مہارت اس عہد کے کسی طبیب میں موجود نہیں تھی۔

رموز الحکمت، رسالہ لفقوہ، کتاب المفردات، اعمار العفاقیہ، رسالہ چچک امور طبعیہ، کتاب سل و دق و ہایا مطبوعہ تصانیف میں ہیں، حکایات اطباء شخیصی اور کلینیکی لحاظ سے مریض کی ہسٹری کے طور پر وہ لکھ رہے تھے۔ اس کے علاوہ بیاض مسیح، رسالہ برد الساعہ، شرح رسالہ براکلسوس، کتاب الباہ (عربی) یہ چار کتابیں طبع نہیں ہوئیں۔ ان کی تصانیف ذاتی علم و تجربہ کی اطلاعات پر مبنی ہیں اور ان سے علمی بلوغ اور ذہنی اپنچ کا اظہار ہوتا ہے، کتاب المفردات میں دوا کے کیمیائی افعال اور نئی معلومات پیش کی گئی ہیں۔

شاعری کا بھی ذوق تھا۔ دیوان و فادو مرتبہ چھپ چکا ہے، انہوں نے گلستانہ جمیل کے نام سے پسندیدہ اشعار کا انتخاب شایع کیا تھا، اسی طرح میری پسند کے عنوان سے فارسی اور اردو کے منتخب شعرا کا کلام بھی چھپوایا تھا۔ حکیم محمد نبی خاں اور حکیم احمد نبی خاں دو صاحبزادہ یادگار رہے۔ یہ دونوں پاکستان میں مقیم ہیں اور دو اخانہ حکیم اجمل خاں ان کی زیر نگرانی قائم ہے۔

حکیم محمد کبیر الدین

حکیم محمد کبیر الدین انصاری شیخ پورہ ضلع مونگیر کے رہنے والے تھے، ۱۳ اپریل ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عمر میں والدین کے سایہ میں حرم ہو گئے تھے۔ بڑے بھائی حکیم محمد ظہور الدین نے تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ کی۔ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۷ء تک کانپور میں ابتدائی عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۰۷ء میں لکھنؤ میں بڑے بھائی تکمیل لیب کالج میں داخل ہوئے اور حکیم کبیر الدین نے وہاں کے اساتذہ سے عربی درسی کتابیں پڑھیں۔ ۱۹۰۹ء میں دہلی میں مدرسہ طبیبہ میں طب کی تعلیم شروع کی اور درس

تکمیل کے بعد ۱۹۱۱ء میں فارغ ہوئے، بعد میں لاہور سے تریبہ الحکما کا امتحان پاس کیا، ۱۹۱۷ء میں پیر جی حکیم عبد الرزاق کے انتقال کے بعد طبیبہ کالج دہلی میں تشریح کے استاد مقرر ہوئے، ۱۹۳۲ء میں طبیبہ کالج میں اسٹرائٹک کے نتیجے میں حکیم محمد ایاس خاں، حکیم محمد کبیر الدین انصاری اور حکیم فضل الرحمن خاں کو کالج سے سبکدوش کیا گیا اس علاحدگی کے بعد ۱۹۳۵ء میں دہلی میں جامعہ طبیبہ کے نام سے حکیم ایاس خاں نے ایک طبی درسگاہ قائم کی، حکیم محمد کبیر الدین اور حکیم فضل الرحمن خاں بھی ان کے ساتھ شریک تھے، جامعہ طبیبہ سے حکیم کبیر الدین کا تعلق صرف چار برس قائم رہ سکا، ۱۹۳۹ء میں وہ اور حکیم فضل الرحمن خاں حیدرآباد تشریف لے گئے، حیدرآباد میں حکیم کبیر الدین نظامیہ کالج کے وائس پرنسپل کے عہدہ پر فائز ہوئے، صاحب تذکرہ اطباء عہد عثمانی کے مطابق ”انہوں نے کالج کو اپنے معیار پر پہنچانے اور قابلیت داخلہ و معیار تعلیم کو بہتر بنانے کے لیے مفید کوششیں کیں مگر وہاں ان کے خلاف سازش کا ایک محاذ کھرا گیا اور ۱۹۴۸ء میں حکیم صاحب کو کالج سے علاحدہ کیا گیا ۱۹۵۲ء میں طبیبہ کالج دہلی میں وائس پرنسپل کی حیثیت سے نقرر ہوا اور جون ۱۹۵۷ء تک وہاں انہوں نے تدریسی خدمات انجام دیں، ۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۰ء تک طبیبہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شفا الملک حکیم عبد الطیف فلسفی کی پرنسپل کے زمانہ میں ریٹائر ہوئے۔ جہاں راقم سطور کو ان سے استفادہ کا موقع ملا، دو برس علی گڑھ میں نجی طور پر قیام کے بعد ۱۹۶۲ء میں دہلی منتقل ہوئے اور ہمدرد و واخانہ کے لیے حکیم حاجی عبد المجید نے ان کی خدمات حاصل کیں، ہمدرد کی ایک عمارت انہیں رہائش کے لیے دی گئی جہاں آخر وقت تک ان کا قیام رہا، ۹ جنوری ۱۹۷۶ء کو اس عالم طب کی وفات ہوئی۔

حکیم صاحب نے تعلیم سے فراغت کے بعد ہی طب میں ترجمہ و تالیف کی شدید

ضرورت کا احساس کرتے ہوئے ستمبر ۱۹۲۱ء میں دہلی سے ماہنامہ المیخ جاری کیا جو آٹھ برس تک شایع ہوتا رہا، اس کام کو مزید وسعت دینے کے لیے دفتر المیخ کا قیام عمل میں آیا اور اس کے ذریعہ بڑے پیمانہ پر طبی کتب کی اشاعت انجام پائی۔

ادارہ المیخ کی شائع شدہ کتابوں کے دیباچوں سے پتہ چلتا ہے کہ ترجمہ کے فرائض متعدد اصحاب نے انجام دیے ہیں۔ ان میں حکیم محمد یحییٰ خاں یٹنہ، حکیم محمد یوسف نیر جدر آباد، حکیم خواجہ رضوان احمد، حکیم عبدالواحد دہلی وغیرہ شامل ہیں۔

حکیم کبیر الدین کے علاوہ ادارہ المیخ کے دوسرے کارکن طبیبوں نے جو کتابیں مرتب کی ہیں اور جنہیں المیخ کی طرف سے شایع کیا گیا ہے ان میں مثلاً مخزن مفردات (کتاب الادویہ حصہ دوم)، علاج الامراض (اردو)، آسان نسخے، القرابادین، کتاب التشخیص، کتاب التکلیس، الاکیر، ترجمہ فالو پچہ، ترجمہ میزان الطب، ترجمہ مخازن التعلیم رسالہ سل ووقی، رسالہ ذیابیطس، رسالہ جدرمی، رسالہ طاعون، رسالہ ہیفتہ، حیات اجامیہ، رسالہ اذراقی، رسالہ مدار، رسالہ سم الفار وغیرہ شامل ہیں۔

تذکرہ اطبائے عہد عثمانی سے معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ حیات قانون میں حکیم مولوی محمد یوسف نیر نے حصہ لیا ہے۔ اسی طرح رموز حکمت مؤلف حکیم عبدالرحیم جمیل بکرات کے مطابق حکیم خواجہ رضوان احمد نے حکیم محمد کبیر الدین کی خواہش پر قانون شیخ وغیرہ عربی کتب کا ترجمہ کر کے دفتر المیخ کو دیا تھا۔ ترجمہ کبیر کی ابتدائی اشاعتوں کے دیباچہ میں خود حکیم کبیر الدین نے تحریر کیا ہے کہ یہ سارا کام حکیم محمد یحییٰ یٹنہ کا رہا۔ منت ہے۔

ترجمہ کلیات قانون ترجمہ و شرح کلیات نفیسی، لغات کبیر، برہان، مرغان، افادہ کبیر

۱۔ تذکرہ اطبائے عہد عثمانی ص ۲۰۷

۲۔ رموز حکمت ص ۵۹

۳۔ ترجمہ کبیر جلد ۱ ص ۳ (اشاعت ۱۹۲۱ء)

تشریح کبیر و صغیر، بیاہن کبیر، علم البحرحت، منافع الاعضاء، ترجمہ موجز القانون بھی قابل ذکر مطبوعات میں ہیں، حکیم صاحب کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ادارہ المسیح کے ذریعہ اردو زبان میں طب کی نصابی کتابوں کی تیاری و اشاعت کی طرف خصوصی توجہ دی اور ان کی مساعی سے طب کا جامع نصاب مرتب ہو سکا ہے

حکیم کیف دہلوی

حکیم ہاشم جان کیف دہلوی مسیح الملک حکیم اجل خاں کے نواسہ تھے، طبیبہ کالج قزول باغ سے طب کی تعلیم حاصل کی، شاعری سے دلچسپی رہی، حیدر دہلوی کے شاگرد تھے، آواز دلکش تھی، مشاعروں میں خوب پڑھتے تھے، شاہد احمد دہلوی نے لکھا ہے: بہت اچھے طبیب تھے، اللہ نے ان کے ہاتھ میں شفا بھی دی تھی، مگر انہوں نے سنجیدگی سے پیشہ کی طرف توجہ نہیں کی، مزاج میں لاابالی پن تھا، جسم کو مطلب کرنا ان کے بس کا روگ نہیں تھا، گھر کے رئیس تھے اور دلی کے سارے ہی حکیم رکھیں ہوتے تھے، اس لیے اور بھی بے پروا ہو گئے تھے، ویسے جب واقعی کسی کا علاج کرتے تو معجزے کر دیتے، ورنہ یہ بھی دیکھا ہے کہ ٹالنے کے لیے نل میں سے بوتل میں پانی بھر کے مرینہ کو بڑا دیا اور اللہ کی شان کہ اسی سے بیمار اچھا ہو گیا، کیف پر جوانی ٹوٹ کر آئی تھی، حسین آدمی جو انخوروں کی کمی نہ رہی، بالا خانوں پر رسائی اور پذیرائی ہونے لگی، مطلب سے جو کچھ کماتے اور ہزاروں ہی کماتے، سب عیاشی کی بھینٹ چڑھ جاتا، ان کی یہ آمدنی رئیسوں کے لیے خاص نشے تیار کرنے سے ہوتی تھی، کالے ناگ سانپ پکڑنے والوں سے منگواتے جاتے، ان کا زہر نکالا جانا، طلا مار سبھاہ بنانے کے لیے سرخ چموتے بوتلوں میں بھر کر لائے جاتے، طلا مورچہ سرخ بنانے کے لیے چڑی مار

پنجروں میں چڑے بچ کر لائے معجون مغز کنجشک تیار کرنے کے لیے، بھنگ، چرس، ایفون
 گانجا میا کتے جاتے، فلک سیر اور جوب امساک بنانے کے لیے، آخر میں ان کی
 صحت گرتی چلی گئی، اور تقریباً پچاس برس کی عمر میں ۱۹۶۰ میں رشتہ جیسا
 منقطع ہو گیا۔

حکیم حبیب اشعر

حکیم حبیب اشعر حکیم کیف دہلوی کے چھوٹے بھائی تھے، اپنے زمانہ کے اردو شاعروں
 میں شمار کیا جاتا تھا، ان کا مجموعہ کلام ۱۹۳۹ء میں راز و نیاز کے نام سے شائع ہوا تھا۔
 دلی کے اردو بازار میں کتب خانہ علم و ادب، ادیبوں اور شاعروں کا ایک اچھا
 خاصہ مرکز تھا مغرب بعد یہاں بطور خاص ادیبوں کی پھڑ جمتی تھی، روز کے آنے والوں
 میں ظفر قریشی، اخلاق احمد، صلاح الدین قریشی، صادق الخیرمی، یہاں سب سے باروی
 نسیم بیگ چغتائی کے ساتھ حکیم حبیب اشعر ہوتے تھے۔

ڈاکٹر مرزا احمد علی

دہلی کی سماجی اور سیاسی شخصیتوں میں امتیاز رکھتے تھے اور اپنی خوبیوں کی وجہ
 سے عوام میں ہر دل عزیز اور مقبول تھے، ۲۰ مئی ۱۹۰۳ء کو دہلی میں پیدا ہوئے، ان کے
 والد محمد علی ملٹری ڈاکٹر تھے، اردو ہسپتال میں پہلے میڈیکل آفیسر کے عہدہ پر فائز

۱۔ گنجینہ گوہر ص ۱۳۸ تا ۱۴۰

۲۔ یہ تھی دلی ص ۱۹۵

۳۔ گنجینہ گوہر ص ۳۹

کئے گئے تھے۔

مرزا احمد علی نے ایشکلو عربک اسکول میں تعلیم حاصل کی ان کے ساتھیوں میں مرزا محمود بیگ اور حکیم عبدالحمید قابل ذکر ہیں۔ یونانی طب کی تعلیم کے لیے وہ طیبہ کالج قروباغ میں داخل ہوئے اور ۱۹۲۱ء میں وہاں سے باقاعدہ تکمیل کی۔ طب یونانی میں اپنے شوق کی وجہ سے حکیم محمود احمد خاں کی زیر سرپرستی بلی ماران میں انہوں نے پیام حکمت کے نام سے ایک دواخانہ کی بنیاد بھی ڈالی تھی مگر وہ طب کی جانب رجوع نہیں تھے، اس لیے مشق جاری نہیں رکھ سکے، مطلبہ کرنے کے باوجود مختلف النوع امراض کے سلسلہ میں ان کی تشخیص بہت معتبر تھی، وہ سوچیتا کر پلانی، گووند بلبھ پتھ اور مہارانی گائتری دیوی کے معالج خاص رہے ہیں۔

ڈاکٹر مرزا احمد علی جمہوریت اور سوشلزم کے علمبردار تھے، ملک کی آزادی کے لیے دل سے کوشاں رہے۔ وہ وطن پرستی اور جہاد آزادی کی جتنی جاگتی تصویر تھے حکیم اجمل خاں کے ساتھ تحریک آزادی میں شامل ہو کر انہوں نے نمایاں رول ادا کیا۔ شریف منزل میں اجمل خاں کانگریس کی جو میٹنگیں کرتے تھے ان میں موقی لال کاندھی جی، مولانا آزاد، آصف علی، خواہر لال نہرو، سروجنی نائیڈو، مولانا حسرت موہانی، دلش بندھو پکنا، راج کمار می امرت کور، ڈاکٹر مختار انصاری کے شانہ بشانہ یہ تحریک رہتے تھے۔ تقسیم ملک کے بعد فسادات کی آگ سے دہلی بھی محفوظ نہیں رہی۔ دہلی میں ریلیف کا کام مولانا حفظ الرحمن کی قیادت میں شروع کیا گیا تھا۔ ان کے رفقاء کار میں نواب سلطان بارخاں، مولانا احمد سجد، حافظ عبدالعزیز، میر مشتاق احمد، عبدالحق پراچہ، حکیم سید حسن، سکندر بخت اور بیسز بھدار جوشی کے ساتھ مرزا جی ریلیف کے کاموں میں پیش پیش رہے۔ آزادی کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں میں بڑا خوف و ہراس پیدا ہو گیا تھا، وہ جان و مال کے عدم تحفظ کے باعث پریشان تھے۔ ایسے نازک وقت میں انہوں نے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی اور ان کے زخموں پر مرہم رکھا، کسٹوڈین کی وجہ سے شہریت باقی رکھنے اور باندادوں کے مالکانہ

حقوق کو برقرار رکھنے میں جو دشواریاں پیدا ہوئی تھیں انہیں دور کرنے میں انہوں نے
 بردہ حاصل کیا۔

۱۹۵۲ء میں میونسپل کونسلر کے لیے وہ آزاد امیدوار کی حیثیت سے کھڑے
 ہوئے مگر ناکام رہے۔ ۱۹۵۴ء میں میونسپل انتخابات میں انہیں آزاد امیدوار کے طور
 پر کامیابی ملی۔ ۱۹۵۷ء میں میونسپل کارپوریشن دہلی کا قیام عمل میں آیا تو ایک سال بعد ہی
 نئے سرے سے انتخابات ہوئے اس میں بھی وہ بطور آزاد امیدوار کامیاب ہوئے۔
 ۱۹۵۸ء میں مولانا احمد سجد کے مقابلہ پر جو کانگریس کے امیدوار تھے، وہ متحدہ
 اپوزیشن کے امیدوار کی حیثیت سے راجہ سبھا کے لیے منتخب ہوئے، ۲۰ اپریل ۱۹۶۲ء
 تک وہ راجہ سبھا کے ممبر رہے۔

شعر بھی کہتے تھے، مسکین تخلص تھا، ۱۹۴۰-۶۱ء میں انہوں نے نوح اکاڈمی قائم کی
 تھی، اس کے زیر اہتمام ادبی نشستیں اور مشاعرے منعقد کرتے تھے، دہلی میں اردو کی
 تعلیم و ترویج کے لیے کوشاں رہے، دہلی کی معاشرتی اور تہذیبی قدروں کی تعمیر کے
 لیے انہوں نے ہمیشہ کام کیا، میلوں اور تہواروں میں عوام کے ساتھ پیش پیش رہتے تھے
 مہرولی میں بھول والوں کی سیر نظام الدین کی ستر ہوئی، عید میلاد النبی کے جلوس،
 خواجہ قطب الدین کے عرس میں دلچسپی کے ساتھ شرکت کرتے تھے، ۱۹۴۷ء کے بعد
 نصیر الدین چراغ کا عرس انہی کی کوشش سے دوبارہ شروع ہوا تھا، ۱۲ ربیع الاول
 کا جلوس بھی ۱۹۴۷ء کے بعد ۱۹۵۷ء میں ان کی کوشش سے نکلنا شروع ہوا تھا، اس
 جلوس کا خاص مقصد مسلمانوں کے دلوں سے ڈر اور خوف دور کرنا تھا، ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۸ء
 کو وفات ہوئی، ان کے بڑے بھائی حکیم مرزا یوسف علی خاں ناباں بھی دہلی کے مشہور
 طبیب تھے، مرزا احمد علی کی شادی گلی چاہ شیریں فراش خانہ کے حکیم محمد اسحق کی
 صاحبزادی سے ہوئی تھی بلکہ

حکیم بی این شرما

پورا نام بشیشتر نامتھ شرما تھا۔ لیکن بی این شرما کے نام سے شہرت پائی۔ ۱۹۵۱ء میں جب دہلی میں آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس کا از سر نو قیام عمل میں آیا تو حکیم بی این شرما اس کل ہند طبی تنظیم کے پہلے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے اور ۱۹۶۷ء میں جالندھر اجلاس تک تقریباً پندرہ برس اس عہدہ پر فائز رہے، حکیم صاحب طبی میدان سیاست کے شہسوار تھے، انہوں نے طبی کانفرنس کو نمایندہ تنظیم بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں مختلف ناموں سے طبی انجمنیں قائم تھیں انجمن اطبائے بہار، انجمن طبیبہ یوپی، انجمن اطبائے کشمیر، نظام طبی کانفرنس جسر آباد پنجاب طبی کانفرنس۔ انہوں نے ان تمام جماعتوں کو طبی کانفرنس میں ضم کرانے میں اہم کردار ادا کیا اور ان کی کوششوں سے کانفرنس کو مضبوط بنیادیں فراہم ہوئیں، جنرل سکریٹری کے عہدہ کا وقار ان کی ذات سے قائم تھا، انہوں نے کانفرنس کے وفود کے ساتھ متعلقہ ذمہ داروں سے ملاقاتوں کا ایک سلسلہ بنائے رکھا، طبی کانفرنس کی تاریخ میں ان کی خدمات جلی حروف سے لکھی جائیں گی۔

۱۹۶۲ء میں آصف علی روڈ پر جب ہمدرد نرسنگ ہوم قائم ہوا تو حکیم صاحب اس کے پہلے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ مقرر کئے گئے۔ انہوں نے برومی شان اور مستعدی سے اس کے فرائض ادا کئے اور اعلیٰ انتظامی صلاحیت کا مظاہرہ کیا، حکیم بی این شرما شاندار شخصیت کے مالک تھے، پگڑی، شروانی اور چوڑی دار پاجامہ میں ملبوس، وجیہ بلند قامت اور برکشش، موثر گفتگو کرتے تھے، دوسروں سے اپنی بات منوانے کا سلیقہ تھا، اچھے مقرر تھے، کانفرنس کی تاریخ، اس کی تشکیل، مراحل ترقی، مسائل، مشکلات، اہم طبی شخصیات، باہمی رقابت، اندرونی چیقلش، مرکزی اور صوبائی سرکاروں اور تعلیمی اداروں کے معاملات، ان سب کا ان سے زیادہ کوئی جاننے والا نہیں تھا۔

۱۹۴۷ء کے بعد کی طبی سیاسیات پر وہ اگر لکھتے تو اس دور کی بہت سی ایسی باتیں محفوظ ہو جاتیں جن پر اب کوئی لکھنے والا نہیں ہے۔ اس زمانہ میں طب میں بڑی گراں قدر شخصیتیں موجود تھیں۔ طبی کانفرنس ان کی سیاسی سرگرمیوں کا واحد مرکز تھی، ان سب کو جوڑ کر رکھنا آسان نہیں تھا، حکیم بی این شرما کا ان سے ذاتی تعلق تھا اور وہ ان کے مرتبہ اور مزاج کے مطابق ان سے معاملہ رکھتے تھے۔

حکیم صاحب کا میاب معالج تھے۔ گول مارکٹ میں ان کا ذاتی دواخانہ تھا، ابتدا میں طبیہ کالج ہسپتال میں بھی انہوں نے کام کیا تھا ۳ اگست ۱۹۸۸ء کو انتقال ہوا۔

حکیم منسار ام شکلا

حکیم منسار ام شکلا بڑے فاضل اور لائق طبیب تھے۔ طبیہ کالج دہلی میں اسناد رہے، امراض جلد میں خصوصی مہارت حاصل تھی۔ آخر میں ہمدرد نرسنگ ہوم آصف علی روڈ سے بھی وابستہ رہے۔ وہاں انہوں نے امراض جلد کا شعبہ قائم کیا تھا، مطب میں بھی بیٹھتے تھے، جامعہ طبیہ کے طلبہ کی نرسنگ ہوم میں ڈیپوٹی رہتی تھی، انہیں سکھانے کی بہت کوشش کرتے تھے۔ درس سے بہت دلچسپی تھی، جلدی بیماریوں کے بارے میں قدیم و جدید دونوں قسم کی معلومات تھیں۔ یونانی طب میں اس شعبہ کو نظر انداز کئے جانے کا انہیں بڑا احساس تھا، بعض جلدی امراض کی دواؤں پر ان کا تحقیقی کام جاری تھا، افسوس کہ وہ سامنے نہیں آسکا۔ حکیم صاحب کا ذاتی مطب کا سلسلہ بھی تھا، خالص یونانی علاج کرتے تھے۔ اپنے فن پر انہیں اعتماد تھا۔ کامیاب یونانی معالجہ کے ذریعہ وہ لوگوں کو اس فن کی صداقت کا یقین دلانا چاہتے تھے۔

حکیم صاحب کی سیاست میں بھی حصہ لیتے تھے، میونسپل کارپوریشن دہلی کے ممبر رہے۔ کارپوریشن کے صدر زون کے چیرمین۔ تھے اور شہر کے سیاسی اور سماجی مسائل میں بڑے چرچہ کر حصہ لیتے تھے، مزاج میں رکھ رکھاؤ اور بردباری تھی، دوستوں کا

وسیع حلقہ رکھتے تھے اور اس میں ہر طبقہ اور ملک کے لوگ شامل تھے۔ ۱۹۶۸ء میں وفات پائی۔

حکیم ذکی احمد خاں

حکیم ذکی احمد خاں لودھی مولوی علی بہادر خاں کے بیٹے اور شرفار الملک حکیم رشید احمد خاں کے بھائی تھے ان کے خاندان کے بارے میں محمود احمد عباسی نے لکھا ہے ”محلہ کٹکونی (امروہہ) کے پٹھان نسرفا میں منشی بہادر خاں منٹھل بہ علی کا گھرانہ ہے جس کے لایق فرزند شرفار الملک حکیم رشید احمد خاں اور حکیم ذکی احمد خاں اقران و امثال میں ممتاز ہیں۔“

حکیم ذکی احمد ۱۸۹۸ء میں امروہہ میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں درسی کتابیں پڑھیں۔ ان کے اساتذہ میں مدرسہ کے صدر مدرس مولانا احمد حسن محدث جیسی بگائے شخصیت تھے مولوی حکیم محمد امین الدین سے بھی جو بعد میں طبیبہ کالج دہلی کے وائس پرنسپل ہوتے انہوں نے منطق و فلسفہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ امروہہ میں درسیات کی تکمیل کے بعد طب کی تعلیم کے لیے دہلی پہنچے۔ اس سے پہلے ان کے بڑے بھائی حکیم رشید احمد خاں ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۰ء کو مدرسہ طبیبہ میں داخل ہوئے تھے۔ حکیم ذکی احمد نے امتیاز کے ساتھ مدرسہ طبیبہ دہلی سے فراغت کی۔

مدرسہ طبیبہ میں داخلہ لینے والے مولانا احمد حسن کے شاگردوں کی علمی قابلیت سے حکیم اجل خاں بہت متاثر تھے۔ یکے بعد دیگرے امروہہ کے فاضل ان کے طبیب پیشی مقرر ہوتے رہے۔ مثلاً حکیم فرید احمد عباسی، حکیم رشید احمد خاں اور حکیم ذکی احمد خاں اس خدمت پر مامور رہے۔ حکیم رشید احمد خاں ۲ جون ۱۹۱۲ء کو

مدرسہ طبیبہ سے فارغ ہوتے۔ اختتامِ تعلیم کے بعد مسیح الملک نے انہیں اپنی پیشگی میں لیا۔ پہلے اسٹنٹ طبیب پیشگی مقرر ہوئے۔ حکیم مقصود طبیب پیشگی تھے، چند ماہ ان کی مانتختی میں کام کیا، ان کے استعفیٰ کے بعد حکیم رشید احمد خاں طبیب پیشگی بنے اور ان کی جگہ حکیم ندیر احمد ساکن اور مری مراد آباد کا اسٹنٹ طبیب پیشگی کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ ڈیڑھ دو سال بعد جب وہ علاحدہ ہوئے تو پھر ذکی احمد خاں کا انتخاب عمل میں آیا، اور ۱۹ مارچ ۱۹۱۸ء کو حکیم رشید احمد خاں کے بمبئی منتقل ہونے کے بعد طبیب پیشگی کے عہدہ پر حکیم ذکی احمد خاں کو ترقی ملی، حکیم احمد خاں کا پیشگی کا مطلب بننا بڑی عزت کی بات تھی، اور لایق طبیبوں کا اس کے لیے انتخاب ہونا سزا۔ انہوں نے تقریباً ۹ برس یہ فرائض انجام دیئے۔

مسیح الملک حکیم ذکی احمد خاں کو بہت عزیز رکھتے تھے، اور ان کی ذہانت اور طباعی کو بنظرِ استحسان دیکھتے تھے، پیشکاری سے ان کی خدمات ضرورتاً ہندوستانی دواخانہ منتقل ہوئیں۔ ان کی خدمات بحیثیت طبیب دواخانہ یادگار رہیں گی، اہل خانہ کے زمانہ کے آخری مہاجر مولوی قدیر احمد کے حکیم ذکی خاں فوت ہونے کے بعد ۱۹۱۹ء میں ذاتی کاروبار کی شکل میں جدید برقی پریس جاری ہو چکا تھا، اس کے لیے فرائض دواخانہ سے سبکدوشی ضروری تھی، لیکن انہوں نے ایثار سے کام لیا اور اپنا حرج گوارا کیا۔ مگر جب دیکھا کہ پریس بالکل نقصان میں چلا جائیگا تو مجبوراً ملازمت سے استعفیٰ دیا جسے مسیح الملک نے بادلِ نخواستہ قبول کیا۔ پریس کے قیام کی تخریب کا سبب یہ ہوا کہ دلی برٹنگ پریس میں جولاہ شیبام لال کے والد کا تھا ہندوستانی دواخانہ کی چیزیں چھپتی تھیں۔ ایک مرتبہ کوئی ضروری کام تھا جسے پریس نے اہمیت نہیں دی اور وقت پر نہیں چھاپا۔ چنانچہ حکیم صاحب نے اپنا پریس قائم کرنے کا عہد کیا۔ حکیم ذکی احمد خاں صاحب نظر طبیب اور عاذق معالج تھے۔ دہلی کی تہذیبی زندگی میں اس طرح رچ بس گئے تھے، اور دہلی کی طبی چھاپانہ پر اتنی گہری تھی کہ اس کے نامزدہ سمجھے جاتے تھے، طبیبہ کالج بورڈ کے ممبر رہے، جدید پریس ہی کے ایک حصہ

میں ذاتی مطب نفا پر بیس کے قیام سے قبل اسی عمارت میں حکیم رشید احمد خاں مطب کرنے نئے، حکیم ذکی احمد پہلے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرساد کے معالج رہے، راجندر پرساد کی کتاب میری کہانی میں ان کا ذکر ہے، ڈاکٹر ذاکر حسین خاں، پروفیسر مجیب جسٹس عبدالرحمن دپاکستان کے پہلے چیف جسٹس، سید منیر حسن، مرزا محمود بیگ، حکیم عبدالحمید سے خاص تعلق تھا، نظام الدین میں مولانا ایپاس کی مجالس میں شرکت کرتے تھے، ۱۹۴۰ء سے پہلے آل انڈیا ریڈیو نے، "کیا خوب آدمی تھا،" کے عنوان سے تقاریر کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا، حکیم صاحب نے حکیم اجمل خاں پر مقالہ پیش کیا تھا، یہ ریڈیائی تقاریر اسی عنوان سے طبع ہو چکی ہیں، ۱۷ جولائی، ۱۹۷۰ء کو وفات پائی۔

حکیم ذکی احمد خاں کے بڑے بھائی حکیم رشید احمد خاں ملک کے ممتاز طبیب تھے، تقریباً پانچ برس حکیم اجمل خاں کی پیشکاری میں رہے، ۱۹۱۸ء میں دہلی سے بمبئی منتقل ہوئے، ۱۹۳۰ء میں سفارہ الملک کا خطاب عطا ہوا، ان کے چار بیٹوں میں جاوید احمد خاں (فلم انڈسٹری) کے علاوہ حکیم مستطاب احمد حکیم اسطباب احمد اور حکیم عزیز احمد طبیب ہیں۔

حکیم ذکی احمد خاں کے دوسرے بھائی حکیم عطاء الرحمن، حکیم حبیب الرحمن اور حکیم شمس الرحمن بھی طبیب تھے، یہ سب دہلی میں رہے، حکیم عطاء الرحمن کچھ عرصہ طبیب کالج دہلی اور کچھ عرصہ طبیب کالج بمبئی میں استاد رہے، سفارہ الملک حکیم رشید احمد خاں کی تصنیف جانتا اجمل اپنی کے اہتمام میں دہلی سے شائع ہوئی تھی، ۱۹۹۳ء میں وفات ہوئی، حکیم حبیب الرحمن نے ۱۹۸۶ء اور حکیم شمس الرحمن نے ۱۹۷۵ء میں انتقال کیا۔

حکیم موتی رام

حکیم بھگت موتی رام کے خاندان میں مطب کا سلسلہ کئی پشتوں سے قائم تھا، ان کے والد حکیم بھگت رام چند اور داد حکیم زاین داس راولپنڈی کے مشہور طبیبوں

میں تھے۔ حکیم موتی رام ۱۹۲۷ء کے بعد دہلی آئے۔ فٹیچوری میں مطب شروع کیا، اپنے کامیاب معالجہ اور دست نشانی کی وجہ سے جلد ہی الکا شمار دہلی کے حاذق طبیبوں میں ہونے لگا۔ مطب میں بڑا مجموعہ رہتا تھا اور دور سے لوگ ان کے پاس علاج کے لیے آتے تھے اور نشا باب ہوتے تھے، ان کے نسخے مفردات پر مشتمل ہوتے تھے۔ مرکب دوائیں اپنے اہتمام میں تیار کرتے تھے۔ مرلیف کے فائدہ کا انہیں بڑا خیال رہتا تھا اور اسے وہ عبادت کا درجہ دیتے تھے ۱۹۷۷ء میں انتقال ہوا۔

حکیم صاحب بڑے مذہبی آدمی تھے، پنجاب اور سندھ کینٹر رشی کیش کے نائب صدر رہے، اس کا ہردوار میں دھرم شالہ اور رشی کیش میں دھرم شالہ اور گنوتھالہ ہے، حکیم صاحب نے ہردوار میں ایک مکان بھی دان کیا تھا، وہاں ہر سال پابندی سے جلتے تھے۔ وہ سب مذاہب کا یکساں احترام کرتے تھے، ہر مذہب کے مقدس مقام کی زیارت کرتے اور کچھ نہ کچھ چندہ ضرور دیتے تھے، وہ طاہری اور باطنی دونوں حسن سے آراستہ تھے، ان کے بشرہ سے شرافت اور نیکی کا اظہار ہوتا تھا، قدیم مشرقی اطوار کا نمونہ، سفید شبروانی اور صافہ ان کا مخصوص لباس تھا۔ حکیم صاحب کے صاحبزادہ حکیم ہرنیس مال سند یافتہ لایق طبیب تھے۔ طبی کانفرنس صوبہ دہلی کے صدر رہے، ۱۳ جون ۱۹۸۸ء کو ۶۲ برس کی عمر میں وفات ہوئی تھی۔

ان کے دوسرے بیٹے حکیم اندر موہی نے جامعہ طبیبہ سے ۱۹۵۵-۵۶ء میں اکل الحکما کی سند حاصل کی تھی، فٹیچوری میں مطب کا سلسلہ جاری رہا۔

حکیم خلیل الرحمن خاں نار

کھدر کے سفید کرتے، پاجامے، جواہر کٹ اور اجمل خانی ٹوپی میں ملبوس طویل قد و قامت، سرخ و سفید رنگت اور سفید براق ڈاڑھی کے ساتھ ہزاروں

افراد میں نمایاں نظر آنے والی شخصیت کا نام تھا حکیم خلیل الرحمن، شعر و ادب سے خاص دلچسپی تھی۔ نواب سراج الدین احمد خاں سیال دہلوی (۱۹۲۵-۱۸۶۷ء) سے تلمذ تھا اور ان کے چہیتے شاگرد تھے، ان کے واسطے سے داغ کے سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے اور آخری زمانہ میں دبستان داغ کے نمائندہ سمجھے جاتے تھے، زبان دلی کی نکسالی تھی، زبان کے ایسے ایسے اشعار نکالتے کہ ان کے بعد اس وصف میں صرف استاد سا کا نام لیا جاسکتا ہے، حکیم صاحب نے گوپنی ناتھ امن سے بھی استفادہ کیا تھا، جن دنوں حکیم صاحب رام لال ورمہا مندی اور آمن صاحب کے ساتھ نظر بند تھے تو یہ دونوں آمن صاحب سے مشورہ سخن کرتے تھے، جیل میں مشاعرے بھی ہوتے تھے، ان دنوں کا حکیم صاحب کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

لطف کھانے کا نہانے کا نہ پے خانے کا یہ ہے برسات تو پھر برسات کی ایسی تپسی
حکیم صاحب شدت پسند مجاہد آزادی اور کانگریس کے سرگرم کارکن تھے، سو دیشی تحریک کے زمانہ میں کھد پھتا جو آخر تک زیب تن رہا، ملک کی آزادی کی لڑائی میں وہ جیل بھی گئے ۱۹۴۲ء میں گھنٹہ گھر چاندنی چوک میں انہوں نے گرفتاری دی تھی۔

حکیم صاحب ۱۹۵۰ء میں میونسپل کونسلر منتخب ہوئے اور مسلسل تین مرتبہ الیکشن میں کامیاب ہوئے، ۱۹۴۷ء کے زمانہ میں انہوں نے بڑا کام کیا، پبلنگش میں واقع کانگریس اور جمعیتہ العلماء کے دفاتر میں گوپنی ناتھ امن، مسز ارونا آصف علی، الطاف الرحمن، حکیم محمد اسمعیل، حافظ محمد عثمان، سکندر بخت کے ساتھ وہ اہم میٹنگوں میں شریک رہتے تھے، چوک کشن گنج میں حکیم صاحب کا مطب اور پابلیش تھی ۱۹۴۷ء میں کشن گنج وغیرہ کی آبادی فسادات کی وجہ سے ترک وطن کرنا چاہتی تھی، اپنے

گھروں کو چھوڑ کر بے سروسامانی کے عالم میں آزاد مارکٹ پر لوگ پڑے ہوئے تھے حکیم صاحب نے ہر طرح انہیں آمادہ کرنا چاہا، محبت، ہمدردی، غصہ ہر حربہ استعمال کیا مگر وہ نہ مانے، مولانا حفظ الرحمن کے پاس گئے انہیں لے کر مولانا آزاد اور گاندھی جی سے ملے، جلسہ ہوا جس میں تینوں لیڈروں نے تقریریں کیں اور طے پایا کہ اگر چند دن حالات نہ سدھریں تو جہاں چاہیں جائیں۔ مگر جلد ہی حالات سدھرے اور علاقہ پھر آباد ہو گیا۔

۱۹۱۹ء میں جمعیتہ العلماء کا اجلاس باڑہ ہندوراؤ میں ہوا۔ مولانا محمود الحسن کو صدارت کرنی تھی وہ نہیں آتے تو مفتی کفایت اللہ نے صدارت کی، برطانوی سامراج کے خلاف اس سہ روزہ جلسہ میں کئی قراردادیں منظور ہوئیں جن میں حکومت سے عدم تعاون کی اپیل بھی شامل تھی، حکومت نے ان نجاویز کو ضبط کر لیا۔ اس اپیل کی کاپیاں گھر گھر پہنچانے کی ذمہ داری جن لوگوں نے لی ان میں نمایاں شخصیت حکیم خلیل الرحمن نازکی تھی۔ حکیم صاحب سادہ وضع بزرگ تھے، قانع، راضی، برضا، ذاتی مطب کا سلسلہ تھا۔ لیکن ان کی سیاسی سماجی اور فنی مسہر و فینتوں کی وجہ سے اس پر اثر پڑتا تھا آخر تک وہی ان کی معاشقہ کا ذریعہ رہا، طبی سیاست سے بھی انہیں بڑی دلچسپی تھی، وہ آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس کے رکن اور بعد میں نائب صدر کے منصب پر فائز ہوئے، کانفرنس کی مجلس عاملہ کے جلسوں اور کل ہند اجلاسوں میں پابندی سے شریک ہوتے تھے، ۱۹۴۳ء میں انہوں نے دہلی طبی کانفرنس کی صدارت کے لیے حکیم احمد جمیل شاہ قادری کے مقابلہ پر الیکشن لڑا اور وہ دہلی طبی کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے، میں جنرل سکرپری کے الیکشن میں ان کے ساتھ کامیاب ہوا تھا حکیم عبید الرحمن سکرپری منتخب ہوئے تھے اس کے بعد عمر کے دو اور الیکشن ہوئے اور ہر الیکشن میں حکیم صاحب صدر اور میں جنرل سکرپری منتخب ہوتا رہا، کانفرنس کے زیر اہتمام دہلی کے مختلف علاقوں میں میٹنگیں منعقد

ہوتی تھیں اور علمی و فنی مذاکروں کا سلسلہ رہتا تھا۔ اس زمانہ میں حکیم صاحب کی فہرہ صدرات
 کانفرنس کی دہلی شاخ کافی فعال اور سرگرم رہی۔ ۱۹۴۲/۴۷ء کو وفات پائی۔ یہ
 دار فنا کو چھوڑ کے دار بقا میں آج روح خلیل ہو گئی اب خلد میں مقیم
 سال وفات کی جو ہوئی دل کو جستجو آئی ندائے عجب ہوئی بخشش نعیم
 ۱۹۴۲

حکیم محمود احمد خاں

حکیم محمد احمد خاں کے صاحبزادہ اور شریف منزل کا ایسا چراغ تھے جس کی روشنی
 میں فنی نقوش اور علمی روایت کا مطالعہ کیا جاسکتا تھا، طب کی تعلیم شروع کرنے سے
 پہلے سے اپنے نامور باپ کے مطب میں بیٹھنے لگے تھے۔ طبیبہ کالج میں ۱۹۳۱ء میں داخلہ
 لے کر ۱۹۳۵ء میں فارغ ہوئے، اول درجہ میں کامیابی کے صلہ میں طلائی تمغہ حاصل
 کیا۔ حکیم محمود خاں کو اپنے والد کی طرح ملکی سیاسیات سے دلچسپی نہیں تھی لیکن اخبار
 کے ذریعہ سیاسی رجحانات اور سیاسی تبدیلیوں سے باخبر رہتے تھے۔
 وہ دہلی میں شریف خانی سلسلہ کے آخری طبیب تھے، ان کی ذات سے
 خاندان کا بھرم قائم تھا، آخر تک پابندی سے مطب کرتے رہے، طبیبہ کالج بورڈ کے
 بھی ممبر رہے، بڑے نستعلیق، شائستہ، اعلیٰ شریفانہ قدروں کے حامل تھے، شخصیت
 میں وقار تھا، وضع، لباس، رہن سہن اور نشست و برخاست ہر چیز سے قدیم مشرقی
 معاشرت اور خوش ذوقی کا اظہار ہوتا تھا۔

راقم سطور کی دہلی کے زمانہ قیام میں اکثر ان کی خدمت میں حائری رہتی تھی۔
 خندہ پیشانی سے ملنے اور دیر تک لطف سخن رہتا، میں نے ہمیشہ ان کے ہاں کسی
 نہ کسی مہمان کو پایا، ان کے ایک دوست ایک طرح منتقل، قیام پذیر رہتے تھے رامپور
 کے ممتاز طبیب، ایم بی ڈی سلطان احمد رضوی سے خصوصی تعلق تھا، دونوں طبیبہ کالج کے
 پرانے ساتھی تھے، ان سے بے تکلف گفتگو اور چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔

۱۹۶۹ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اجمل صدیقی کی شاندار تقریر منعقد ہوئی۔ میرے بے حد اصرار پر اس میں شرکت کے لیے آمادہ ہوئے۔ سفر میں ان کی ہمراہی رہی جب منزل میں نواب عبید الرحمن خاں نروانی کے ہاں قیام ہوا۔ ان سے ان کے دیہہ بینہ خاندانی مراسم تھے، کانفرنس کی طرف سے مندوبین کو آمدورفت کا کرایہ پیش کیا گیا تھا، حکیم محمود احمد خاں نے قبولیت سے انکار کیا اور فرمایا کہ یہ ہمارے خاندان کی روایت نہیں ہے۔ ماہنامہ الحکمت دہلی میں ان کے بعض مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ۲ جولائی ۱۹۷۵ء کو یہ شمع فروزاں گل ہوتی۔ ایک فرزند مسرور احمد خاں ان کی یادگار ہیں۔

حکیم محمد شریف خاں

حکیم محمد ظفر خاں کے صاحبزادہ تھے، ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئے۔ طبیہ کالج دہلی میں تعلیم پائی۔ مطب اپنے تایا حکیم محمد احمد خاں سے سیکھا، ۱۲ برس کی عمر سے مرلیٹوں کو دیکھنا شروع کیا تھا، امراض کی تشخیص اور ادویہ کی تجویز میں ملکہ تھا۔ حکیم محمد ظفر خاں صاحب فراش ہوئے تو انہوں نے حکیم شریف خاں کو دو احانہ ہند کانگراں مقرر کیا، اسی کے ساتھ ان کے مطب میں بیٹھنے کی ابتدا ہوئی۔

۱۹۴۷ء کے بعد جن کج کلاہوں کا ذکر زبانوں پر تھا، پرانی دہلی کی تہذیبی، تمدنی، ثقافتی اور معاشرتی زندگی جن ہستیوں سے عبارت تھی ان میں ایک اہم شخصیت حکیم محمد شریف خاں کی تھی، بنجابت، شرافت، اور مشرقی تہذیب کا پیکر، وضع داری حسن اخلاق، سخاوت، فیاضی، پان کھانے کی لت تھی خوش حال، خوش باش اور اشراف کی روایات کے عین مطابق زندگی کی تمام نذر نگار نگیبوں کو پورے اہتمام

کے ساتھ قبول کرنے والے شعر و ادب کا کڑھا ہوا ذوق تھا، ہزاروں اشعار و رد زبان رہتے۔ شعر نوازی صرف مطالعہ تک محدود نہ تھی بلکہ سلسلہ شاعر نوازی تک دراز تھا۔ جوش اور اس عہد کے کئی بڑے شعر ائمہ باران کے مہمان ہوئے۔ شریف منزل کے کشادہ ہال میں شعری محفلیں گرم ہوتیں اور دہلی کی سردی کے باوجود رات گئے تک سرد نہ ہوتیں۔ گرمی ہوتی تو وسیع صحن میں چھڑکاؤ ہوتا اور محفل جمتی اور گرمی کلام موسم کی گرمی کو مات دیتی نظر آتی۔

حکیم شریف خاں نے شریف منزل میں آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالتے ہی چشم حیرت سے ملک کی تاریخ کے اس نازک، اہم اور انقلابی عہد کی برگزیدہ ہستیوں کو دیکھا اور ان کی محفلوں میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کی، سیاست میں داخل ہوئے اور انتخابی جنگ میں اترے تو ہر مرتبہ غریب سے غریب تر ہوتے گئے ہر انتخاب آرائی کے وقت کوئی نہ کوئی جائداد فروخت کی اور آخری انتخاب میں آبائی دو خانہ ہند سے بھی محروم ہو گئے، ایسی کم مثالیں ہوں گی کہ سیاسی میدان میں طالع آزمائی کے بعد دولت میں اضافہ کرنے کے بجائے آبائی املاک سے بھی ہاتھ دھونا پڑا ہو۔ وہ علاقہ کی محبوب ترین شخصیت تھے، جب گھر سے نکلنے تو اتنے سلام موصول ہونے کہ شاید جواب دینے دیتے ہاتھ تھک جاتا ہوگا۔

انہیں سیاست کی ضرورت نہ تھی، مگر سیاست کو ان کی ضرورت لاحق ہوئی۔ حلقہ ملی ماران سے کانگریس مسلسل شکست کھا رہی تھی، کیونٹ لیڈر سر لاشرما اس علاقہ کی لیڈر تھیں وہی الیکشن جیتتی تھیں۔ کانگریس کو ان کے مقابلہ کے لیے ایسی ہر دلعزیز شخصیت کی ضرورت تھی جو ذاتی اوصاف کی وجہ سے انتخاب میں فتیاب ہو سکے۔ پیرسٹر نور الدین کی نظر انتخاب حکیم صاحب پر پڑی اور حکمت عملی کا بیاب رہی پہلی مرتبہ ۱۹۶۲ء میں انہوں نے کانگریس کے ٹکٹ پر کارپوریشن کے الیکشن میں کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد دو مرتبہ اور انتخاب میں حصہ لیا اور کامیاب ہوئے، اس طرح مسلسل تین مرتبہ جیتے، تین میں سے دو مرتبہ ایسا دور تھا کہ فضا کانگریس

مخالف تھی۔ اور بلدیہ میں کانگریس کو اقتدار حاصل نہ ہو سکا تھا، ان کی ممبری کے زمانہ میں کانگریس کو اقتدار تو ایک ہی مرتبہ ملا لیکن وہ اسٹینڈنگ کمیٹی کے مستقل ممبر رہے، شہری بس کے محکمہ ڈی ٹی یو کے وہ چیئرمین بھی رہے، پلیسہ کالج پورٹ کے ممبر کی حیثیت سے بھی انہوں نے خدمات انجام دیں۔

۱۹۷۹ء میں انتقال ہوا اور قبرستان ہندوستان میں دفن ہوئے، اخبار الجمعیت نے ان کی موت پر لکھا تھا، حکیم صاحب کی موت سے ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں اہم واقعات کو جنم دینے والی شریف منزل سے ملکی و قومی سیاست کا شعور رخصت ہو گیا۔

حکیم گوردت سنگھ الگ

پنجاب ہندوستان میں غیر مسلم طبیبوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اور وہاں یونانی معالجین کی بہت بڑی تعداد غیر مسلم اہل پار مشتمل تھی، ان لوگوں نے طب کی جس طرح خدمت کی ہے اور طب کی علاجی روایت کو جس طرح آگے بڑھایا ہے اس کا اندازہ کچھ اس زمانہ کے طبی اخبارات و رسائل سے کیا جاسکتا ہے، ایک نئی روح اور زندگی تھی جو طب میں انہوں نے پیدا کر رکھی تھی، ان کے دم سے یونانی کا جسم اس طرح شاداب اور پر رونق تھا اور طبی سرگرمیاں وہاں اس قدر بڑھی ہوئی تھیں کہ ملک کے دوسرے صوبوں میں اس کی مثال نہیں ملتی ہے، بڑی کثرت سے ان کے ذاتی اور نجی مطب قائم تھے۔ طبی اخبار اور رسالے نکلتے تھے، کانفرنسوں اور اجلاسوں کا سلسلہ رہتا تھا، اہم طبی کتابوں کی تصنیف بھی ان کے ذریعہ عمل میں آئی، ان کے قائم کردہ دو خانوں نے یونانی دوا سازی کا معیار بلند کیا اور پورے

ملک کو یونانی مرکبات ان کے ذریعہ فراہم ہوئے۔

تقسیم ملک کے بعد پنجاب سے جو بکثرت لوگ دہلی میں آکر آباد ہوئے ان میں طبیبوں کی بھی کافی تعداد تھی، ان طبیبوں نے ۱۹۲۷ء کے بعد دہلی میں طب یونانی کو سہارا دیا اور وہ جگہ پر کی جو بہت سے مسلمان طبیبوں کی نقل مکانی کی وجہ سے خالی ہوئی تھی اگر پنجاب سے آئے ہوتے یہ ہندو اور سکھ طبیب دہلی میں یونانی معالجہ کی اشاعت و فروغ کا ذریعہ نہ بنتے تو دہلی میں یونانی طب کی رفتار ترقی سست پڑ جاتی، آزادی وطن کے بعد دہلی میں ان طبیبوں کی خدمات ہر لحاظ سے خراج تحسین پانے کی مستحق ہیں، حکیم بی این شرما، حکیم موتی لال، حکیم برج لال، حکیم خزان سنگھ، حکیم گوردت سنگھ، حکیم گنگارام گاندھی، حکیم مایارام بھار دواج، حکیم ہری کشن لال، حکیم رام بھایا، حکیم مستدرام شکلا، حکیم مدن موہن، حکیم ہیرالال جین، حکیم اندرسین سچدیو، حکیم جے گوپال کھنہ، حکیم جگدیش چندر شرما، حکیم سری چند گپتا، حکیم مرلی دھروما، حکیم امرت لال بیٹھی، حکیم اتم پرکاش، حکیم چننارام گاندھی، حکیم ہربنس لال، حکیم مدن سرو پ گپتا، حکیم منوہر لال، حکیم جینی لال سہگل، حکیم ہرچرن داس، حکیم رام آسرا مل، حکیم مائیں داس بھائیہ، حکیم حاذق رائے، حکیم دیپ رائے، حکیم ہیرالال بھولا، حکیم ہرمندر سنگھ بھجن، حکیم راجندر لال ورمادہ چند نام، میں جو مثال کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں، ان میں سے کئی لوگ طبیہ کالج یا جامعہ طبیہ میں طب کے استاد رہے ہیں۔

حکیم گوردت سنگھ کا اصل وطن گوجر خاں تھا۔ طبیہ کالج دہلی کے فارغ التحصیل اور کامل الطب و جراح تھے۔ ابتدا میں گوجر خاں میں مطب کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۹۲۷ء کے بعد دہلی منتقل ہوئے، شروع میں ہندوستانی دوا خانہ سے وابستہ ہوئے جہاں حکیم جمیل خاں کی نگرانی میں کام کا موقع ملا، اور دوا سازی خاص کر کشتہ سازی میں مہارت پیدا ہوئی، بعد میں طبیہ کالج دہلی میں تشریح کے استاد مقرر ہوئے، حکیم صاحب کو تشریح سے خاص مناسبت تھی، وہ تشریح کے بہت اچھے استاد تھے، ۱۹۲۷ء میں وہ جامعہ طبیہ دہلی کے پرنسپل مقرر ہوئے، اور تیرہ برس ۱۹۷۷ء تک اس منصب پر

فائز رہے۔ پرنسپل کی حیثیت سے ان کی انتظامی صلاحیتوں کا اظہار ہوا، وہ بڑے لائق منتظم اور اصول و ضوابط کے پابند تھے اور دوسروں کو بھی ضابطوں کا پابند دیکھنا چاہتے تھے۔ درس اور انتظامی مصروفیتوں کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی شوق رہا، تشریح و منافع الاعضا جو ان کے خاص مضمون تھے، ان پر طلبہ کی نصابی ضرورتوں کے لحاظ سے انہوں نے پانچ کتابیں لکھیں، یہ منافع الاعضا جلد اول، تلخیص التشریح اطراف (۱۹۷۰) التشریح مفصیلات (۱۹۷۲) التشریح عصبیات اور جیبی تشریح (۱۹۷۰) ہیں۔

تشریح کی عربی اصطلاحات ان کی نوک زبان تھیں، انہوں نے التشریح مفصیلات کے دیباچہ میں لکھا ہے "عربی زبان سے علم طب کا اساسی تعلق ہے۔ بایں وجہ طبی بالخصوص علم تشریح کے عربی مصطلحات کا جاننا طلبہ طب کے لیے بہت ضروری ہے اس ضرورت کے پیش نظر قانون شیخ کے حصہ تشریح (مفصیلات و عصبیات) کو اس کی اصل زبان (عربی) میں یہاں منتقل کر دیا گیا ہے، اس طرح ان کی اس اردو کتاب کی ابتدا میں قانون ابن سینا کا حصہ مفصیلات و عصبیات عربی میں نقل ہے۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ ان میں سے بعض کتابیں کاتب کے ناز و غمزہ سے بے نیاز ہیں۔ وہ بڑے صاف اور روشن خط تھے، انہوں نے خود کتابت کے فرایض انجام دیئے ہیں، ان کی ایک کتاب مخفی مجربات (۱۹۷۹) بھی ہے۔ اس میں مطب میں کام آنے والی مہذبہ اور زود دائرہ دو ایسے درج ہیں، یہ کتابیں ان کے فایم کردہ دارالتالیفات کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہیں۔

حکیم گوردت سنگھ آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس کی مجلس عاملہ اور دوسری سرکاری وغیر سرکاری طبی کمیٹیوں کے رکن رہے، یونانی ماہر تعلیم کی حیثیت سے ان کی شخصیت مسلمہ تھی، اور ان کی رائے کا طبی حلقوں میں احترام کیا جاتا تھا۔ تشریح کے نصاب کی نیازی میں ان کا دخل رہا ہے، راجوری گارڈن میں جہاں حکیم صاحب کی رہائش تھی، دارالتالیفات کے ساتھ کافی دو انمانہ کے نام سے ان کا مطب بھی تھا، کچھ عرصہ فالج

میں مبتلا رہ کر ۱۹۸۲ء میں وفات پائی۔

حکیم رام بھایا

موجودہ عہد میں دہلی کے طبی حلقوں میں گو سوامی حکیم رام بھایا معروف شخصیت کے مالک تھے، ابتدا میں جہلم شہر میں حکیم سندر داس سے تشریح طب، میزان الطب، دار الشفا اور حکیم گرو دت سنگھ سے طب کی متعدد کتابیں پڑھیں اس کے بعد ۱۹۲۷ء سے قبل دہلی پہنچ کر جامعہ طبیبہ سے تعلیم مکمل کی، تقسیم ملک کے بعد ڈیرہ بختیاں نخلع راولپنڈی سے ترک وطن کر کے دہلی منتقل ہوئے، حکیم ایسا خاں کے عزیز ترین شاگردوں میں تھے، ایک سال طبیبہ کالج دہلی میں بطور رجسٹرار کام کیا، ۱۹۲۸ء میں جامعہ طبیبہ میں لیکچرر مقرر ہوئے اور تیس برس سے زیادہ وہاں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے۔ وائس پرنسپل اور پھر پرنسپل کے عہدہ پر فائز رہ کر ستمبر ۱۹۷۸ء میں سبکدوش ہوئے ان کے بعد حکیم جمیل احمد کاپرنسپل کی حیثیت سے انتخاب عمل میں آیا، ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۲ء تک انہوں نے صدر دہلی کالج میں جزوقتی استاد کی حیثیت سے بھی کام کیا۔

حکیم رام بھایا کے والد اور دادا دونوں کورسایں کاشوق تھے، جرّی بوٹیوں کی کھوج میں ان لوگوں نے کافی وقت گزارا تھا، حکیم رام بھایا کو بھی طبی مضامین میں علم الادویہ سے خاص دلچسپی رہی، کورسایں، کشتہ سازی اور صیدلہ میں مہارت رکھتے تھے، دوائی پودوں کی برومی پہچان تھی، طبی کانفرنس کے اجلاس یا دوسرے موقعوں پر جب باہر سفر میں ہوتے تو پیر، پودوں کو دیکھ کر رک جاتے تھے، رفقا کو ان کے نام، شناخت اور دوائی خاص کے بارے میں بتانے اور ان کے نمونے حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے، جامعہ طبیبہ میں علم الادویہ کا درس ان سے متعلق تھا۔

حکیم صاحب نے ادویہ مفردہ پر دو جلدوں میں گو سوامی بیان الادویہ کے

نام سے ایک کتاب لکھی ہے، ۱۹۷۸ء میں یہ پہلی مرتبہ شائع ہوئی تھی، جلد ہی نظر ثانی و اضافہ کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن طبع ہوا، ان کی دوسری کتاب دہلی کے منتخب مرکبات ہے، یہ ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ حکیم صاحب کی ایک کتاب گو سو امی گلدرتہ اکیس ورسا میں جس میں کشتہ سازی پر انہوں نے اپنے تجربات کی روشنی میں قلم اٹھایا ہے، زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی، وہ شرح اسباب پر جدید اضافات کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ اضافہ میں شریف خانی اہلہ کے معمولات خاص طور پر شامل تھے۔ حکیم صاحب اچھے یونانی معالجین میں تھے، خالص یونانی مطب کرتے تھے۔ گو سو امی فارمیسی کے تخت انہوں نے کچھ خصوصی مرکبات بھی تیار کئے تھے، ان کا گو سو امی کتب خانہ بھی تھا جس میں ان کی کتابوں کے علاوہ دوسرے مصنفین کی طبی کتابیں بھی رہتی تھیں، اردو سے ان کے شفیف کا بہ حال تھا کہ وہ بنک کے دستخط بھی اردو میں کرتے تھے، وہ یونانی طبی کانفرنس صوبہ دہلی کے برسوں سکریٹری رہے، آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس کی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ اور پابندی سے کانفرنس کے سالانہ اجلاسوں اور مجلس عاملہ کی نشستوں میں شرکت کرتے تھے، ان کا دہلی کی شہری زندگی میں نمایاں مقام تھا، مختلف مذاہبی اور سیاسی انجمنوں کے رکن اور عہدہ دار تھے، طبیعت میں ظرافت تھی، بے تکلف دوستوں سے چھیڑ چھاڑ اور لطیف مزاح کا سلسلہ رہنا تھا، بڑے متواضع اور خلیق تھے، ضیافت کے بہانے ڈھونڈتے تھے، اور دل کھول کر خرچ کرتے تھے، مذہب سے گہرا تعلق تھا، تقریباً ہر سال دشمنو دیومی کے درشن کے لیے جاتے تھے، اور مذہبی امور میں دلچسپی لیتے تھے۔

۸ جنوری ۱۹۸۵ء کو وفات پائی۔

حکیم شریف الدین

حکیم منیر الدین کے دو صاحبزادے حکیم شریف الدین اور حکیم شجاع الدین تھے۔

حکیم منیر الدین نے ۱۹۲۲ء میں چٹلی قبر میں دو خانہ بقائی قائم کیا تھا ۱۹۲۷ء کے بعد حکیم شجاع الدین کراچی منتقل ہو گئے، حکیم شریف الدین کا دو خانہ چٹلی قبر پر قائم رہا، حکیم صاحب کو طب میں حکیم امتیاز الدین سے نلمذ تھا، انہوں نے خاندانی منصب سنبھالا اور اپنے بزرگوں کے سچے جانشین ثابت ہوئے، خاندانی خصوصیات قیاد شناسی، دقیقہ رسی فہم و فراست، اخلاق و مروت اور مرلیتوں کی دلجوئی ان کی ذات میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

دہلی کے سماجی اور دینی حلقوں میں ان کا اعتبار قائم تھا، مختلف دینی درسگاہوں اور مسجدوں کی منتظمہ کمیٹی کے رکن اور عہدہ دار رہے، مدرسہ امینیہ کے قدیم نزیہ رکن، مسجد حسین بخش میا محل، مسجد حوض والی ترکمان گٹ اور مسجد سیدہ فاعی چٹلی قبر کے صدر رہے۔

بعض وجوہ سے ۱۹۲۷ء میں مدرسہ حسین بخش کے حالات بہت مخدوش ہو گئے تھے

میر مشتاق احمد نے اس کا بروقت سدباب کیا، یکم فروری ۱۹۲۸ء کو معززین شہر کے اجتماع میں پندرہ آدمیوں پر مشتمل ایک مجلس منتظمہ بنائی گئی، اس کے ارکان میں مفتی کفایت اللہ مولانا احمد سعید، مولانا اخلاق حسین قاسمی، سلطان پارخاں وکیل اور حکیم شریف الدین بقائی وغیرہ تھے۔ کمیٹی نے حکیم شریف الدین کو صدر مقرر کیا، بعد میں مجلس منتظمہ کے اراکین بدلے رہے۔ مگر حکیم صاحب آخر تک مدرسہ کے صدر رہے۔ ۲ جنوری ۱۹۹۱ء کو وفات پائی۔ ان کے پانچ بیٹوں میں حکیم ناصر الدین نے کراچی ہجرت کی۔ ڈاکٹر معین الدین کا جامع مسجد دہلی میں بقائی کلینک اور کلیان پوری میں بقائی ہسپتال اور ڈاکٹر عبدالرحمن کا چٹلی قبر پر بنیو بقائی کلینک ہے، حکیم جمیل الدین اور حکیم عزیز الرحمن

لہ دہلی کے قدیم مدارس و مدرس ص ۱۹۳

۷ دہلی کی یادگار ہستیاں ص ۱۹۲ دہلی کی یادگار شخصیتیں ص ۴

۷ دہلی کے قدیم مدارس و مدرس ص ۱۷۵

اپنے والد کے قایم کردہ دواخانہ بقائی میں مطب کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔
یہاں اس خاندان کے ایک رکن حکیم ذکار اللہ خاں کے پڑپوتے حکیم اکرام الدین خاں
کا تذکرہ بھی ضروری ہے، بحیثیت معالج انہیں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ دو دمان بقائی
کے دوسرے اہم افراد میں حکیم سمیع الدین اور حکیم لیاقت حسین خاں کا بھی شمار تھا۔

حکیم سراج الدین

حکیم سراج الدین (ابن حکیم فرید الدین ابن غلام متین الدین ابن حکیم نور الدین ابن
حکیم ذکار اللہ خاں) حاذق معالج اور کامیاب طبیب تھے۔ نیوسیلیم پور دہلی میں نبلم
دواخانہ کے نام سے انہوں نے مطب قایم کیا تھا۔ بڑا مرتجع رہتا تھا، ہاتھ میں شفا رختی
خلیق، ملنسار اور ہر دل عزیز تھے، مریضوں سے ہمدردی سے پیش آتے تھے۔ اور بڑے
اعتماد سے علاج کرتے تھے۔

دہلی کے قدیم گھرانوں کے معالج تھے، شاید احمد نے لکھا ہے کہ "فرائض خانہ والے
حکیم سراج الدین کا ہمارے ہاں علاج ہونا تھا، ۱۹۲۶ء میں جب میرے والد بشیر الدین (خلف
ڈپٹی نذیر احمد) پر فالج کا اثر ہوا تو پہلے علاج کے لیے انہی کو بلا یا گیا، ان کے بعد حکیم جمورے
میاں اور حکیم ظفر احمد خاں کا علاج ہوا۔"

حکیم صاحب کا شمار عمائدین شہر میں تھا، آزادی سے پہلے جب دلی میں فرقہ دارانہ
کیندگی بڑھی تو امن و امان برقرار رکھنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی۔ اس کمیٹی میں معززین شہر
خواجہ محمد شفیع حکیم دلبر حسن خاں بھٹی، لالہ امرنا تھ، حکیم سراج الدین، پیارے لالہ موثر والے
لالہ شکر لال، عبد الواحد خاں، خواجہ حسن نظامی، سید عزیز حسن بقائی، حاجی ظہور الدین

لے دہلی کی یادگار شخصیتیں ص ۱۱۹

۷ گنجینہ گوہر ص ۷۹

شامل تھے۔ ان لوگوں نے ہندو مسلم اتحاد اور بھائی چارہ کے لیے دلی کے گلی کوچوں میں جلسے کئے، میٹنگیں بلائیں اور ایک ایسا ماحول پیدا کیا کہ دلوں کی کدورت بڑی حد تک دور ہوئی بلکہ

حکیم صاحب کا ۱۹۷۲ء میں انتقال ہوا، ان کے بیٹے حکیم امام الدین نیلم دواخانہ میں علاجی فریض انجام دے رہے ہیں۔

حکیم رضی الدین (ابن حکیم نور الدین) کے پوتے حکیم محمد حسین نے آنکھوں کے علاج میں بہت شہرت پائی۔ ۱۹۵۵ء میں وفات ہوئی، ان کے بیٹے حکیم محمد فضل عرف حکیم بقاوالے نے بھی اپنے بزرگوں کی طرح آنکھوں کے خصوصی معالج کی حیثیت سے نام کمایا، حوض قاضی پران کا قایم کردہ دواخانہ آنکھ کے علاج کے لیے مخصوص ہے، ۱۹۸۶ء میں حکیم محمد فضل کی وفات کے بعد ان کے دو بیٹے حکیم اقبال حسین اور حکیم صادق الامین حوض قاضی کے دواخانہ حکیم بقاوالے میں آنکھ کے علاج میں مصروف ہیں، تیسرے بیٹے حکیم مسعود کا "دواخانہ بقاوالے" کے نام سے گلی قاسم جان میں مطب قایم ہے، چوتھے بیٹے حکیم ساجد بھی خاندانی طبیب ہیں۔

اسلاف کے علم و فضل سے ہنسی دامنی کے باوجود دہلی میں اس خاندان کے متعدد دواخانوں کی موجودگی سے کم از کم اتنا ضرور ہے کہ طبی رونق قایم ہے اور یونانی طریقہ علاج کے ذریعہ فائدہ اٹھانے کے مواقع میسر ہیں۔

حکیم عبد الجلیل صدیقی

حکیم جمیل الدین کے چھوٹے صاحبزادہ تھے، ۱۲۱ رجب ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء کو پیدا ہوئے، نو برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا، دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر درسیات کی

تکمیل کی، طب میں والد ماجد سے استفادہ کیا، ہمدرد دواخانہ کی مجلس تشخیص کے برسوں صدر رہے۔ اس کے بعد تقریباً پندرہ برس طبیبہ کالج دہلی میں تندرستی فرایض انجام دیے۔ اپنے والد کے قایم کردہ صدیقی دواخانہ کو بہت زرقی دی، مریضوں کی بڑی رجوعا رہتی تھی، اہتمام سے دوا میں تیار کرتے تھے، ان کی ذات سے یونانی علاج کا بھرم اور طب کی افادیت کا نقش قایم تھا، مطالعہ اور تصنیف و تالیف سے دلچسپی تھی، عمومی کی قدیم طبی کتابیں مطالعہ میں رہتی تھیں، ماہنامہ الحکمت جو راقم سطور کی زیر ادارت دہلی سے نکلتا تھا۔ اس میں محمد بن زکریا زامی کی کتاب منافع الاغذیہ و دفع مضارہا کا ان کا اردو ترجمہ قسطوار شایع ہوا ہے، ۱۹۸۶ء میں ایک کتاب بچوں کا علاج تصنیف کی، طب یونانی میں اپنے موضوع کی بہترین کتاب ہے، اس میں خالص یونانی طریقہ کے مطابق تشخیص و علاج لکھا گیا ہے۔

حکیم صاحب نے شروع سے جمعیتہ العلماء اور کانگریس سے تعلق رکھا اور نخریکا آزادی میں حصہ لیا، ۱۹۴۲ء میں کانگریس کے جلسہ میں مولانا عطار اللہ شاہ بخاری کی تقریر کے دوران کانگریس اور مسلم لیگ کے رضا کاروں میں جھگڑا ہوا۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ حکیم صاحب کو گرفتار کیا گیا اور فرد جرم قایم کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ مقدمہ کی پیروی نور الدین بیرسٹر سابق میز دہلی نے کی اور لاہور ہائی کورٹ سے باعزت بری ہوئے، طویل عرصہ تک روزنامہ الجمعینہ دہلی کے پرنٹر اور پبلشر رہے۔ بحیثیت پرنٹر و پبلشر مولانا محمد عثمان فارقلیط اڈیٹر اخبار کے ساتھ سزا ہونے پر دو چار روز جیل میں بھی گزارے بلکہ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۹۰ء تک دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رہے، ۱۹۵۹ء میں پہلی بار اس کے بعد دوسری مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی۔

حکیم صاحب بڑے دلکش اور جاذب نظر تھے۔ چہرہ سے وجاہت ٹپکتی تھی

مزاج سرد و قارہ سنجی کی اور رکھ رکھاؤ تھا، راقم سطور سے بڑا تعلق خاطر رکھتے تھے۔
جون ۱۹۵۰ کو انتقال ہوا، قبرستان سیدی پورہ میں مدفون ہیں، حکیم ظفر محمود اور حکیم
شاہد جلیل دو بیٹے ہیں، اور دونوں کا دہلی میں مطب کا سلسلہ ہے۔

حکیم حاذق رائے

گوردوارہ روڈ پر حاذق دواخانہ کے نام سے ان کا مطب تھا، ملتان سے تقسیم کے
بعد دہلی آئے تھے، خالص یونانی طبیب تھے، مطب میں مریضوں کی بھیڑ رہتی تھی، تقریباً
ڈھائی تین سو مریض روزانہ دیکھتے تھے، پیچیدہ مزمن امراض کے لوگ کثرت سے
ان کے علاج سے فیضیاب ہوتے، تشخیص میں ملکہ حاصل تھا، نبض اور قارورہ کے ذریعہ
تشخیص مرض کرتے تھے، تقریباً ۸۰ برس سے زیادہ عمر پا کر ۱۹۹۱ء میں فوت ہوئے بڑے
خلیق اور وضع دار بزرگ تھے، طبی کانفرنس میں دلچسپی لیتے تھے۔

حکیم ہری کشن لال

دہلی کے مشہور جنسی معالج تھے۔ جنسی امراض کے یونانی ماہر کی حیثیت سے نہ
صرف ہندوستان بلکہ بیرون ہند بھی انہیں بڑی شہرت حاصل ہوئی، ان کے قائم کردہ
خاندانی شفاخانہ نے جنسی امراض کے علاج کے مرکز کا درجہ اختیار کیا، باہ کے تعلق سے
اس کے خصوصی مرکبات کی ہندوستان سے باہر بھی مانگا ہوئی، خود حکیم صاحب نے
یورپ کے متعدد ملکوں کا دورہ کیا اور ان کے ذریعہ وہاں یونانی علاج کا تعارف
ہوا، اور یونانی مصنوعات میں لوگوں کی دلچسپی بڑھی، خاندانی شفاخانہ کی دیکھا دیکھی
دہلی میں آجور ویدک کے متعدد دواخانہ قائم ہوئے لیکن اس دواخانہ جیسی
شہرت انہیں نہیں حاصل ہو سکی۔

یہ حکیم صاحب کی مقبولیت کی بات تھی کہ بورڈ آف ایجوکیشن اور ویڈک اینڈ یونانی سسٹم آف میڈیسن دہلی کے انتخاب میں جملہ ایسا سے زیادہ ووٹوں سے مسلسل کامیاب ہوتے رہے، انہوں نے تقریباً پچیس برس بورڈ کے منتخب ممبر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، ۲۲ اپریل ۱۹۱۱ء کو پیدا ہوئے تھے، ۱۹۹۲ء میں وفات پائی۔

حکیم محمد عبدالرزاق

حکیم محمد عبدالرزاق ۲ فروری ۱۹۳۱ء کو اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں طبیہ کالج دہلی سے ڈی آئی ایم ایس کیا، طالب علمی کے زمانہ ہی سے ہمدرد دواخانہ سے جزوقتی تعلق رہا، تکمیل تعلیم کے بعد ہمدرد دواخانہ میں مستقل ملازم ہوئے اور حکیم عبدالحمید کے طبیب پیشی کے طور پر کام شروع کیا، اور آخر میں وہاں میڈیکل سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر فائز ہوئے، ہمدرد نرسنگ ہوم کے منصوبہ اور اس کے قیام کے سلسلہ میں ان کی کوششوں کو دخل رہا، لیکن اس کے قیام سے قبل ۱۹۶۲ء میں وہ ہمدرد کی ملازمت سے سبکدوش کر دیتے گئے۔ یہ زمانہ ان کے لیے بڑی پریشانی کا تھا، مگر وہ بڑے حوصلہ اور عزم کے آدمی تھے، حسن اتفاق سے ۱۹۶۲ء میں مرکزی وزارت صحت میں یونانی فارماکوپیا کمیٹی کی تشکیل کی گئی اور حکیم عبدالرزاق کا سینئر ریسرچ آفیسر کی حیثیت سے تقرر عمل میں آیا، وزارت صحت میں اب تک یونانی کا کوئی عہدہ قائم نہیں ہوا تھا، حکیم عبدالرزاق اس عہدہ کے لیے ہر طرح مناسب ثابت ہوئے۔ انہوں نے اپنی اہلیت اور لیاقت سے وزارت صحت میں وہ مرتبہ حاصل کیا جو ان کے ہم منصب دوسرے عہدہ داروں کو حاصل نہیں تھا، ۱۹۷۵ء میں وہ ڈپٹی ایڈوائزر یونانی مقرر ہوئے، طب یونانی کی ترقی اور فروغ کے لیے انہوں نے ہر سطح پر کوشش کی ۱۹۶۹ء میں سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان انڈین میڈیسن اینڈ ہومیو پیتھی قائم کی گئی تھی ۱۹۷۸ء میں اسے نرسنگ کیا گیا، اور ایجوکیشن ویڈک وسدھا، یونانی یوگا وینچر کیور اور ہومیو پیتھی کی چار

علاحدہ کونسلیں قائم ہوئیں۔ حکیم عبدالرزاق ڈپٹی ایڈوائزر رہتے ہوئے ان خود مختار یونانی کونسل کے مستقل ڈائریکٹر بنے۔ یونانی کونسل کی زرقی حکیم عبدالرزاق کی انتھک کوششوں کی رہین منت ہے، انہوں نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں کونسل کے یونٹ اور علاقائی اداروں کا جال پھیلایا، جیہڑ آبادی میں ایک سنٹرل ایسرج انسٹیٹیوٹ قائم کیا جس کی عالی شان عمارت ان کی اولوالعزمی کی گواہ ہے۔

حکیم عبدالرزاق نے نہ صرف ملکی سطح پر طب یونانی کے لیے قابل تنائش کام انجام دیے بلکہ بین الاقوامی سطح پر اسے تسلیم کرنے کی کوشش کی، ۱۹۸۷ء میں انہوں نے دہلی میں ہوٹل تاج پلس میں سہ روزہ عالمی سمینار منعقد کرایا۔ اس میں پچیس ممالک کے مندوبین نے حصہ لیا، اس سمینار نے نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونی ملکوں میں طب یونانی کے وقار میں اضافہ کیا۔ یہ سمینار عالمی ادارہ صحت کے تعاون سے کیا گیا تھا، عالمی ادارہ صحت کے نمایندہ کی حیثیت سے انہوں نے کوریا، سری لنکا، چینوا، سعودی عرب اور امریکہ کا دورہ کیا، حکومت بنگلہ دیش کی دعوت پر وہ متعدد بار بنگلہ دیش گئے۔ انہوں نے ایران اور کویت کے سفر کئے، اور وہاں کی حکومتوں کو یونانی طب کی طرف توجہ دلانے کے لیے ایک جامع منصوبہ پیش کیا، حکیم عبدالرزاق ۱۹۸۵ء میں سنٹرل کونسل آف انڈین میڈیسیں کے ممبر نامزد کئے گئے، وہ یونانی کمیٹی کے چیرمین اور کونسل کے وائس پریسڈنٹ منتخب ہوئے، ۱۹۸۶ء میں وہ صدر جمہوریہ کے معالج مقرر کیے گئے۔ صوبہ جموں و کشمیر کی یونانی زرقیاتی کمیٹی اسی طرح بنگال اور کرناٹک کی یونانی زرقیاتی کونسلوں کے چیرمین رہے اور ان کوششوں سے ان صوبوں میں یونانی طب کی زرقی کے لیے اقدامات کئے گئے۔ دسمبر ۱۹۸۷ء میں وہ ایک ناخوشگوار حادثہ سے دوچار ہوئے لیکن مفاد فن کا جو منصوبہ ان کے پیش نظر تھا اس کے لیے آخر تک کوشاں رہے۔ فروری ۱۹۹۲ء میں تکمیل ملازمت کے بعد وہ کونسل سے سبکدوش ہوئے۔

فریضہ حج کی ادائیگی کے علاوہ انہیں متعدد بار عمرہ کی سعادت میسر ہوئی نئی عمرہ ہی کی ادائیگی کے لیے سعودی عرب گئے تھے۔ واپسی میں دبئی میں مختصر قہام کے

دوران ۸ اپریل ۱۹۹۲ء کو سفر آخرت اختیار کیا۔ تیسرے دن نعش دہلی لائی گئی اور ۱۰ اپریل کو نظام الدین قبرستان پنج پیران میں تدفین عمل میں آئی۔ حکیم عبدالرزاق کی مرتبہ کتابوں میں حکیم اجل خاں اور حکیم شکیل احمد شمسی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کی اہلیہ ام الفضل نے جیدر آباد سے چار سالہ نصاب کی تکمیل کے بعد ایک سال علی گڑھ میں تعلیم حاصل کر کے ۱۹۵۸ء میں بی یو ایم ایس کیا تھا، ابتدا میں ہمدرد نرسنگ ہوم میں انہوں نے طبی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد ۱۹۶۰ء میں سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسیں میں ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدہ پر فائز ہو کر ۱۹۹۲ء میں سبکدوش ہوئیں، طبیبہ ام الفضل متعدد کتابوں کی مصنفہ ہیں۔ ”طب یونانی میں گھریلو ادویہ اور عام معالجہ کی کتاب“ ان کی اور حکیم عبدالرزاق کی بڑی مقبول کتاب ہے۔ اردو میں اس کی تین امتناعیوں کے علاوہ انگریزی، ہندی، تامل، تیلگو، پنجابی، کنڑ اور عربی میں اس کے ترجمے چھپ چکے ہیں۔ ”طب یونانی میں برتھ کنٹرول کا تصور“ کی وہ شریک مصنفہ ہیں۔

حکیم گنگارام گاندھی

حکیم گنگارام گاندھی اچھے یونانی معالج ہی نہیں تھے، انہیں گہرائی شعور بھی حاصل تھا۔ انہوں نے جہاں ہمدرد دواخانہ کی مجلس تشخیص و تجویز کے ناظم کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، وہاں کامیاب بنی مطب کے ذریعہ یونانی معالجہ کی افادیت کا نقش لوگوں کے دلوں پر قائم کیا۔

حکیم صاحب کو شروع سے لکھنے پڑھنے سے دلچسپی تھی، رسالہ دولت صحت راولپنڈی اور رسالہ میسرالاطبالا ہور کی ادارت سے وابستہ رہے، طب کے مختلف رسائل میں ان کے مضامین شایع ہوتے ہیں، ان کی کتاب ”موز علاج و تشخیص معالجات کے سلسلہ کی عمدہ کتاب ہے، اس میں مطب و علاج کے لیے مفید تجربات پیش کرتے ہیں، ایک زمانہ میں طبیبہ کالج بورڈ کے رکن بھی رہے تھے۔ ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۰ء تک

ایک سال طبی کا فرانس وہلی کے صدر رہے۔

حکیم صاحب بڑے وجہہ خوش لباس اور خوش معاش تھے، اکثر سفید شبروانی اور جوڑی دار پاجامہ استعمال کرتے تھے، ان کے چہرہ اور لباس سے شرافت اور پاکیزگی نفس کا اظہار ہوتا تھا، مزاج میں وضع داری اور رکھ رکھاؤ تھا، ہر ایک سے تعلق اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے، لہجہ میں شہراؤ اور وقار اور گفتگو میں علم و ادب کی پچاشنی ہوتی تھی۔ آخر میں مذہب کی طرف بہت راغب ہو گئے تھے اور دنیا سے کنارہ کشی کر کے سیناس لے لیا تھا۔ انہوں نے اپنے دو بیٹوں حکیم اندر جیتا گاندھی اور حکیم امر کانت گاندھی اور ایک بیٹی طیبہ لٹا گاندھی کو بھی جامعہ طیبہ میں طب کی تعلیم دلانی تھی۔

حکیم عبدالحمید

حکیم عبدالحمید (ولادت ۱۲ ستمبر ۱۹۰۸ء) طب یونانی کا وفار اور اس کی عظمت ہیں۔

ان کے ذریعہ ملک اور بیرون ملک طب یونانی کا از سر نو تعارف ہوا ہے۔ بالخصوص بین الاقوامی سطح پر طب یونانی کو متعارف کرانے کا سہرا ان کے سر ہے، طب کی ترقی اور فروغ کے لیے انہوں نے جو اہتمامات کئے ہیں وہ ان کے فہم و تدبیر اثر فرنگاہی و دانشوری کے ساتھ خلوص فن کا آئینہ دار ہیں، انہوں نے ہمدرد دواخانہ کو کاروباری ادارہ سے زیادہ فن کی خدمت اور اس کے اچھا کا وسیلہ بنا یا، ہمدرد اور طب یونانی دونوں کو لازم ملزوم کی حیثیت حاصل ہے۔ دوا سازی کے معیار کو بلندی عطا کی اور یونانی مرکبات کی بڑے پیمانہ پر فراہمی کا نظم کیا۔ صنعت دوا سازی کے فروغ میں ان کی خدمات ہمیشہ یاد کی جائیں گی۔ انہوں نے ۱۹۳۱ء میں ہمدرد صحت نکالا اور اس کے ذریعہ جس کی تعداد اشاعت ایک لاکھ تک پہنچ گئی تھی، دور دور تک یونانی طب کی آواز پہنچائی۔

۱۹۴۷ء کے بعد ملک میں جو حالات رونما ہوئے اور یونانی نظام طب جس طرح

متاثر ہوا، اس کا شاید آج کے بدلے ہوتے حالات میں اندازہ نہ کیا جاسکے۔ یونانی طب کے اس ناسازگار زمانہ میں وہ اس کے ترجمان کی حیثیت سے آگے آتے، انہوں نے دوسرے رفقاء فن کے ساتھ آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس کو نئے سرے سے زندہ کیا۔ ۱۹۵۲ء میں وہ اس کل ہند طبی تنظیم کے صدر منتخب ہوئے اور تاحال اس منصب پر فائز ہیں۔ ملک کے مختلف حصوں میں اس کی مجلس عاملہ کی نشستوں اور اجلاس عام کے انعقاد سے اظہار میں اعزاز اور حفاظت فن کا جذبہ بیدار ہوا، انہیں سر جوڑ کر بیٹھنے اور فنی مسائل پر غور و فکر کے مواقع حاصل ہوتے، ان کے اجتماعی ذہن اور اجتماعی کوشش سے طب کو درپیش مسائل کے حل میں مدد ملی۔ ۱۹۶۳ء میں جامعہ طبیبہ کے بانی حکیم ایباس خاں کے انتقال کے بعد دہلی کی یہ دوسری طبی درسگاہ براہ راست حکیم عبدالحجید کی نگرانی میں آئی، ۱۹۷۳ء میں اسے ہمدرد طبی کالج کا نام دیا گیا۔ اور اب یہ جامعہ ہمدرد کی ایک فیکلٹی ہے۔

۱۹۸۹ء میں ان کے ذریعہ ایک دوسری مسلم یونیورسٹی دہلی میں وجود میں آئی، سر سید نے ایم اے او کالج قائم کیا تھا، جو آگے چل کر ان کی وفات کے بائیس برس بعد یونیورسٹی بنا، اس کی حیثیت قومی یونیورسٹی کی تھی جس کی تعمیر میں مسلمانوں کے خواہش و عوام سب شریک تھے، جامعہ ہمدرد ایک شخص واحد کی مساعی کے نتیجہ میں قائم ہوا ہے۔ اس کے پیچھے حکیم عبدالحجید کی فکری عظمتیں اور عملی رفعتیں کار فرما ہیں، انہوں نے برسوں پہلے اس کے قیام کا منصوبہ بنایا اور نہایت خاموشی سے اس میں رنگ بھرتے رہے۔

حکیم عبدالحجید اس وقت دہلی کی شناخت، اس کی ثقافتی زندگی کا نشان اور اعلیٰ انسانی قدروں کی علامت ہیں، ان کے ہاں ذہن و فکر کی بلندی اور بالغ نظری ملتی ہے، جالفشانی اور مصمم عزم کی وہ زندہ مثال ہیں، ان کی پوری زندگی جہد و عمل سے عبارت ہے، وہ بانیں کم اور کام زیادہ کی عملی تفسیر ہیں، ان کا ایک وصف ان کی شخصیت کی دلنوازی ہے، ہر ایک سے تپاک اور خندہ پیشانی سے ملتے ہیں، کاروباری مہروفیاض

کے باوجود علم و ادب اور مطالعہ و تحقیق سے انہوں نے اپنا رشتہ ابتدائی عمر سے قائم رکھا۔ وہ بہت کثیر المطالعہ ہیں، ہر قسم کی چیزیں پڑھتے ہیں، طب کی سائنس کی، ادب و اسلامیات کی، تاریخ و تذکرہ کی، جدید تہذیب سائنس موضوعات پر نازہ تعابف اور تحقیقی رسائل کے اہم مواد سے ان کی واقفیت بعض وقت حیرت میں ڈال دیتی ہے علمی و فنی مسائل پر ان کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان سے متعلق معتبر کتابیں اور ماخذ ان کے ذہن میں ہیں۔

حکیم صاحب کی تخریر مختصر اور جامع ہوتی ہے، وہ کم الفاظ سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے جملے جن میں پوری بات آجاتی ہے، یورپ اور ایشیا کے ملکوں کی متعدد بار سیاحت سے انہیں دنیا کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے، مشاہیر علم و ادب سے ان سے ملاقاتیں ہوئی ہیں، انہوں نے ان سب سے فائدہ اٹھایا ہے اور بہترین خوبیاں اپنی شخصیت میں جذب کر لی ہیں، وہ صحیح معنی میں جامع الصفات اور اپنی ذات سے ایک انجمن اور ادارہ ہیں، وہ بڑی کڑھی ہوئی اور طرح دار شخصیت کے مالک ہیں، ساری مصروفیتوں کے باوجود دلی کی علمی و ثقافتی تقاریب میں پابندی سے شرکت کرتے ہیں اور ان کی رونق میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں، وہ بیک وقت کم گفتگو، کم خوردن، کم خفتن پر عامل ہیں، وقار اور سنجیدگی کا پیکر۔ لیکن خشونت نام کو نہیں، حس مزاج، لطیف چھیڑ چھاڑ اور سخن دلنواز۔

حکیم عبدالمجید نے پانچویں دہائی کے آخر میں تاریخ طب کی اہمیت کو پوری طرح محسوس کیا، ان کا قیام کردہ شعبہ تاریخ طب ہندوستان میں تاریخ طب کا پہلا شعبہ تھا، ادارہ تاریخ و تحقیق طب نغلق آباد اسی کی ترقی یافتہ شکل تھی، اس کی عمارت کا ۱۵ نومبر ۱۹۶۲ کو بھارت جو اہر لال نہرو نے سنگ بنیاد رکھا تھا اور محترمہ اندرا گاندھی نے ۱۹۶۰ء میں افتتاح کیا تھا، اسٹڈیز ان ہسٹری آف میڈیسیں اینڈ سائنس کے نام سے ان کی زیر ادارت نکلنے والا مجلہ بین الاقوامی معیار کا حامل اور ملک میں اپنی نوعیت کا واحد رسالہ ہے، حکیم عبدالمجید کے مفاتر میں قانون ابن سینا کے

کے تنقیدی ادیب ہائی تیار کی بھی ہے۔ ان کے زیر اہتمام جلد اول محرم ۱۴۰۲/۱۹۸۱ء میں جلد دوم ۱۹۸۷ء میں اور جلد سوم کا پہلا حصہ ۱۹۹۲ء میں طبع ہوا ہے، باقی حصوں کی تنقیدی اشاعتوں کے علاوہ انگریزی ترجمہ کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ جلد اول کا انگریزی ترجمہ ۱۹۹۳ء میں جوب چک ہے حکیم صاحب نے ابن سینا کی دوسری مشہور کتاب الادویہ القلیئہ کا انگریزی ترجمہ بھی شایع کیا ہے۔

حکیم صاحب سنایش کی نمنا اور صلہ سے بے پروا ہو کر ہمیشہ اپنے کاموں میں مصروف رہے، لیکن انہیں جہاں پدم نثری اور پدم بھوشن کے قومی اعزاز عطا کئے گئے وہاں ان کے علم و فنی کارناموں کے اعتراف میں سوویت یونین نے انہیں ابن سینا ایوارڈ سے سرفراز کیا۔

جامعہ ہمدرد، الب اکاڈمی، رابعہ گرس اسکول، ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن، ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی، آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس اور کتنے ہی اداروں کو قائم کرنے کے علاوہ ان کا ایک بڑا کارنامہ تعلیم آباد اور ہمدرد پبلک اسکول ہے، جس میں بچوں کی بہترین تعلیم و تربیت کا انتظام کیا گیا ہے اور جس کا اپنے قیام کے فوراً بعد ہلی کے معیاری اسکولوں کا شمار کیا جاتا ہے، جامعہ ہمدرد کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم کے فروغ اور اعلیٰ تعلیم کے موافق فراہم کرنے کے علاوہ ہندوستانی مسلمانوں کی خوش حالی، شاندار مستقبل اور اعوام ملازمتوں کے حصول کے لیے انہوں نے تعلیم آباد میں سول سروسز کے امتحان کی تیاری کا سلسلہ شروع کیا ہے، اس کے بہتر نتائج سامنے آرہے ہیں۔

حکیم صاحب کو تہذیب و ثقافت کا بھی خاص ذوق ہے، عمارتوں کے نقشوں کو آخری منظوری وہ خود دیتے ہیں اور اس میں ان کے حسن ذوق کو خاص دخل ہوتا ہے۔ دلی کو انہوں نے مختلف شکلوں میں جو بہت کچھ عطا کیا ہے اس میں وہ عظیم الشان عمارتیں بھی ہیں جن سے دلی کا حسن دوبالا ہوا ہے، ان میں آصف علی روڈ پر ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کی عمارت، تعلیم آباد میں ہمدرد پبلک اسکول کی عمارتیں، ہمدرد نگر میں ۱۹۰ ایکڑ زمین پر پھیلی ہوئی جامعہ ہمدرد کی عمارتیں، بالخصوص شعبہ اسلامیات کی پانچ منزلہ پر شکوہ

عمارت اور ہمدرد کنونشن سینٹر دلی کی اعلیٰ تعمیرات میں شمار کیے جانے کے لائق ہیں۔
ڈاکٹر آف انڈیا کے اسٹریٹجیٹک ویکی نے ایک جائزہ کے ذریعہ پورے ملک
سے مختلف شعبہ ہائے زندگی کی جن پچاس ممتاز ترین شخصیتوں کا انتخاب کیا تھا، ان
مقتدر شخصیتوں میں حکیم صاحب بھی شامل تھے۔ ویکی کے خصوصی شمارہ میں ان حضرات
کے کارناموں کا تعارف کرایا گیا ہے۔

۱۹۸۱ء میں حکیم صاحب کی ۵۰ ویں سالگرہ کے موقع پر ان کی ثقافتی، تعلیمی اور
فنی خدمات کا اعتراف ایک تبریک و تہنیت کی کتاب کی شکل میں کیا گیا، اردو کے
مشہور محقق مالک رام نے اس کی تزیین کے فرائض انجام دیے ہیں۔ "مجلس نذر جمید"
کے صدر سعید الملک نواب احمد سعید خاں چغتاری اور اس کے اراکین میں ملک
کی نامور شخصیتیں کرنل بشیر حسین زیدی، نواب سعید الرحمن خاں شیروانی، نواب میر اکبر
علی خاں، پرنس یوسف نجم الدین، سید حامد پرویز، سر وپ سنگھ، احتشونت سنگھ، کنور
مہندر سنگھ بیدی سحر وغیرہ شریک تھیں۔

آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے ۱۹۵۲ء سے ۱۹۹۲ء تک حکیم صاحب
نے جو مدارتی خطبات عطا کئے تھے، انہیں ڈاکٹر خاور، نئی نے خطبات جمید کے نام
سے مرتب کیا ہے، یہ خطبات اس پورے عہد کے طبی سائنس کے زجماں ہیں اور ان کے
ذریعہ حکیم صاحب کی سرپرستی میں کانفرنس نے فروغ اور ترقی طب کے لیے جو کوششیں
کی ہیں ان کا تعارف سامنے آتا ہے۔

معالج کی حیثیت سے ان کا مرتبہ بہت بلند ہے، انہوں نے جس کثیر تعداد میں
مریضوں کا معائنہ کیا ہے، یونانی طب کی تاریخ میں اس کی ٹیسرہ نہیں ملتی ہے، ان کے
مریضوں کی تعداد کسی طرح بھی پچاس ساڑھ لاکھ سے کم نہیں ہوگی۔ دکھی انسانیت کی
یہ بہت بڑی خدمت ہے، جو ان سے انجام پارہی ہے۔ مرض اور علاج میں بے شمار
تجربوں نے ان میں بصیرت و ادراک کا ایسا مادہ اور انسان کو سمجھنے کا ایسا ملکہ پیدا
کر دیا ہے کہ بعض وقت ان کے انکشافات اور پیش پیشی پر حیرت ہوتی ہے

وہ اگر بزرگ کی حیثیت سے سامنے آئیں تو بہت سے لوگ اسے کھلی کرامت سمجھ بیٹھیں، اکثر وہ زیر معائنہ شخصوں کے بچوں کی صحیح تعداد بتا دیتے ہیں، بعض وقت وہ اس کی عادات، اطوار اور دوسری خصوصیات بیان کرتے ہیں جو مطابق اصل ہوتی ہے۔

حکیم صاحب کا ایک بڑا جوہران کی سادگی اور درویشی ہے، وہ الفخر فخری کا صحیح مصداق ہیں کٹروٹوں روپیہ اور بے شمار آمدنی والے کاروبار اور قومی، ملی اور تعلیمی امور پر بے دریغ خرچ کرنے کے باوجود ان کا ذاتی خرچ سو روپیہ ماہانہ سے زیادہ کا نہیں ہے، ۱۹۶۴ میں ان کے ذاتی اخراجات ۸، روپیہ ماہانہ تھے، وہ ایک وقت کھانا کھاتے ہیں، چار انہوں نے زندگی میں کبھی نہیں پی۔ ان کے کپڑوں میں بیوند لگے ہوتے ہیں۔ یہ بیوند وہ خود لگانے ہیں، سوئی دھاگہ ان کے ضروری سامان میں شامل ہیں، اپنا رومال، بنیان اور چھوٹی چھوٹی چیزیں وہ خود دھو لیتے ہیں، وقت کا ان کے ہاں بڑا حساب ہے، ایک ایک لمحہ کی قدر کرتے ہیں اور اسے ضایع نہیں ہونے دیتے تفریح اور محفل آرائی سے دور، ۸ برس کی عمر میں بھی بے نکان کام کرتے ہیں۔ دن میں آرام کے عادی نہیں، مستقل اور مسلسل کام، منصوبہ بندی، قوت عمل اور عزم و حوصلہ کا پیکر، ایک ہمہ جہت اور اعلیٰ انسانی اوصاف کی حامل شخصیت، تاریخ ساز اور عہد آفریں۔

ملاوا حدی جب ۱۹۵۹ء میں کراچی سے دہلی آئے تو ان کی ملاقاتیں دہلی کی اس دور کی ساری ہی قابل ذکر شخصیتوں سے ہوئیں، اپنے سفر نامہ "دہلی کا بھیرا" میں انہوں نے اس کی تفصیل پیش کی ہے۔ اطباق میں جن کا تذکرہ تعلق خاطر کے ساتھ کیا ہے ان میں حکیم عبدالسلام زئی، حکیم مطلوب احمد، حکیم عبدالحمید، حکیم ذکی احمد، حکیم کاسل خاں، حکیم احمد جمیل شاہ قادری، حکیم عبدالحی انصاری، حکیم خلیل الرحمن ناز، حکیم اقبال احمد دہمد، شامل ہیں۔ یہ حضرات دہلی کی سماجی اور شہری زندگی میں امتیاز رکھتے تھے، اور ان کے دم سے اس وقت دہلی پر رونق اور آبادی۔

دہلی کے مشاہیر علم کا طب سے تعلق

طب کا شمار ان علوم میں تھا جن کی تعلیم تکمیل درس کے لیے ضروری سمجھی جاتی تھی۔ علماء و صلیٰ اور مشاہیر علم و ادب کا طب سے تعلق رہا ہے۔ درس نظامی جن فنون کی کتابوں پر مشتمل ہے ان میں بطور ایک مضمون طب بھی شامل ہے، ان فارغین کی بہت بڑی تعداد نے اسے کسب معاش کا ذریعہ بنایا اور عملاً اس سے اپنی وابستگی رکھی لیکن ایسے علماء کی تعداد بھی کم نہیں ہے جن کا اگرچہ طب و معالجہ سے تعلق نہیں رہا، لیکن دوسرے علوم کی کتابوں کی طرح وہ نہ صرف طبی کتابوں کے درس میں منفرد سمجھے گئے بلکہ انہوں نے قدیم متون پر شرح و حواشی بھی تحریر کئے اور ان کی کتابوں کو سند و اعتبار کا درجہ حاصل ہوا۔

بیسویں صدی کے نصف اول مولانا اشرف علی تھانوی کے عہد تک علماء کے طب سے گہرے تعلق کا ثبوت ملتا ہے، دہلی میں بھی ہر بڑھے لکھے اور صاحب علم سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ طبی معلومات سے ضرور بہرہ ور ہوگا۔ چنانچہ بزرگان دین کی طرح جو حصول شفا کے لیے مریضوں کو باقاعدہ نسخے لکھتے تھے، علماء شاعر اور ادبا بھی اس فن کی خاطر خواہ معلومات رکھتے تھے۔

شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی بن نور اللہ بن محمد صالح ہندس صدیقی (محمد صالح بڑے اچھے معمار تھے، جامع مسجد دہلی کی تعمیر میں وہ شریک رہے ہیں) سلسلہ چشتیہ کے مشائخ کبار ہیں، جمادی الثانی ۱۰۶۰ھ / ۱۶۵۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ دہلی کے اساتذہ سے درسیات کی تکمیل کی، حجاز کا سفر کیا حج و زیارت سے مشرف ہوئے، شیخ بیگی بن محمود گجراتی نزیل مدینہ منورہ سے ایک عرصہ تک ان کی خدمت میں رہ کر سلسلہ چشتیہ حاصل کیا پھر دہلی واپس آئے اور درس و افادہ میں مشغول ہوئے۔ طریقت کے ساتھ ہی اپنے وقت کے زبردست عالم اور

طیب تھے

انہوں نے شرف الدین ایبلاقی (وفات ۲۵۸ھ/۱۰۶۵ء) کی کتاب الفصول الابلاقیہ کی شرح کی ہے، ایبلاقی ابن سینا کا شاگرد تھا اور اس کی یہ کتاب کلیات قانون کا اختصار ہے، شرح کا ایک نسخہ راجپور میں محفوظ ہے۔

شرح ایبلاقی کے علاوہ ان کی دوسری کتابوں میں تفسیر قرآن مجید، عشرہ کاملہ، کتاب الرد علی الشیعہ، تکیس سوار السبیل، کشکول، المرقع فی الرقی، مجموع المکاتیب وغیرہ ہیں بیچ الاوا ۱۱۴۱ھ/۱۷۲۸ء کو دہلی میں سفر آخرت اختیار کیا، ان کا مزار جامع مسجد اور لال قلعہ کے درمیان زبارت گاہ عالم ہے۔

شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبد الرحیم ایک دفعہ ایک گاؤں میں تشریف لے گئے۔ وہاں کے لوگوں نے ایک قریب المرگ مریض کا قارورہ دکھایا، آپ نے فوراً نسخہ لکھ کر حوالہ کیا، اس مجلس میں ایک غیر مسلم طبیب بھی حاضر تھا، شیخ کی یہ کیفیت دیکھ کر اس نے کہا کہ آپ نے بیماری کی تشخیص کی ہے کہ نہیں، شیخ نے مسکرا کر فرمایا یہ ایک عودت کا قارورہ تھا اور یہ فلاں مرض میں مبتلا ہے اور اس کے یہ احوال ہیں، طبیب بولا یہ مسئلہ طب میں کہاں لکھا ہے۔ فرمایا طب کی کتابوں میں نہیں اس کا نام فراست ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اپنے والد گرامی شاہ عبد الرحیم سے مختلف علوم کی جو کتابیں سنبھالیں تھیں اور جن کی فہرست کا ذکر شاہ صاحب نے اپنی ایک قیمتی تصنیف میں کیا ہے ان میں علم طب کی کتاب موجز القانون بھی ہے، جسے انہوں نے نصاب کے ایک مضمون کے طور پر پڑھا تھا،

۱۔ نذہنتا لخواطر جلد ۶ ص ۲۲۲

۲۔ قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین ص ۱۵۷

۳۔ حیات ولی ص ۱۵۶

۴۔ حیات ولی ص ۲۲۷

خود شاہ ولی اللہ نے اپنے والد شاہ عبد الرحیم (۱۱۳۱-۱۲۵۳ھ/۱۷۱۸-۱۸۴۳ء) کے مدرسہ کے لیے جو نصاب تجویز کیا تھا اور جس کا ذکر انجیر اللطیف میں کیا ہے اس کے مضامین میں طب شامل تھی یا اس نصاب میں ہرفن کی ایک اہم کتاب داخل کی گئی تھی۔ طب میں موجز القانوں کا درس دیا جاتا تھا۔

شاہ رفیع الدین قانون کے درس میں یکتا سمجھے جاتے تھے۔ دور دور سے طلبہ ان کی خدمت میں پہنچتے تھے، حکیم بدر الدین سہسوانی جیسے فاضل اور حاذق طبیب نے ان سے قانون پڑھا تھا بلکہ مولوی بشیر محمد نے جو شاہ اسماعیل شہید کے ہم سبق تھے، تعلیم سے فراغت کے بعد وہلی میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور حکیم غلام حسین خاں کے مکان پر مقیم ہوئے۔ ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء میں وفات پائی۔

مولوی سید احمد حسن دہلی کے معزز سادات سے تھے۔ حدیث اور فقہ شمس العلماء مولوی سید نذیر حسین محدث سے پڑھا، علم طب بھی بلا استیجاب حاصل کیا تھا۔ شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد کے بڑے داماد تھے۔ قرآن مجید پر ایک بیضا حاشیہ بنام احسن القواعد کے علاوہ اردو میں احسن التفاسیر سات جلدوں میں لکھی، حدیث میں دو کتابیں نفع اللغات فی تخریج احادیث مشکوٰۃ اور ایسا حجر کی بلوغ المرام کا حاشیہ موسوم بہ بلوغ المرام میں ادلتہ الاحکام عربی میں تصنیف کیں۔

میر پنچ کش کے استاد مولانا غلام محمد ہفت قلمی دہلوی تھے انہوں نے قلمی عربی اور انشا پر دازی کی تعلیم حکیم قدرت اللہ قاسم سے پائی تھی۔ راقم تخلص تھا، لکھنؤ میں حکیم مرزا محمد عتیق سے علم ادب حاصل کیا، طب میں بھی دخل تھا، ۱۸۲۳ء یا ۱۸۲۴ء لکھنؤ

۱۔ دہلی کے قدیم مدارس و مدرسوں میں ۱۱۸۔ بحوالہ ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ص ۱۴۲

۲۔ نزہتہ الخواطر جلد ۱ ص ۹۶

۳۔ دہلی کے قدیم مدارس و مدرسوں ص ۱۳۶

۴۔ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۲۲۱

میں لکھا ہے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہندوستان میں خوش نویسیوں کا تذکرہ فارسی میں لکھا ہے۔ مولوی ہدایت حسین مدرس پریسیڈنسی کالج کے حاشیہ کے ساتھ ۱۹۱۰ء میں طبع ہوئے۔

شیخ ابراہیم ذوق نے بھی طب کی تحصیل کی تھی، کچھ عرصہ طب بھی کیا، بشیر الدین احمد نے بھی طب سے ان کے تعلق پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے علم طب خوب حاصل کیا تھا، طب میں حکیم میر فیض علی ان کے استاد تھے، اور وہ اپنی کا علاج بھی کرتے تھے۔ آزاد نے لکھا ہے کہ ایک دن میں موجود تھا، نوکر نے آکر کہا کہ آج میر فیض علی کا انتقال ہوا بار بار پوچھا اور ایسا اضطراب ہوا کہ اٹھ کر ٹہلنے لگے، کچھ سوچ کر دفعہ بولے کہ "ہاتے میر فیض علی، مجھ سے کہا کہ لویکو تو یہی تاریخ ہے، حساب کیا تو عدد برابر تھے" امام بخش مہبانی جو درسیات کے زبردست فاضل تھے اور فارسی کتب کی تدریس میں بے مثل سمجھے جاتے تھے، شاہ جہاں آباد میں ان کی فارسی دانی کا بڑا غلط تھا۔ ان کے دامی فیض سے سیکڑوں طلبہ نے استفادہ کیا، فارسی شاعر کی حیثیت سے بھی ان کا بڑا مرتبہ ہے، بجز فارسی کے اردو میں شعر نہیں کہتے تھے، انہوں نے جہاں عربی و فارسی کی تحصیل کی وہاں طبی کتابیں بھی پڑھی تھیں، کریم الدین کی شہادت ہے کہ وہ طب میں دست قدرت رکھتے تھے۔

صاحب طبقات شعرائے ہند پر دہلی کے علمی و طبی ماحول کا بڑا اثر تھا کہ انہوں نے دہلی میں قیام کر کے باقاعدہ طب کی تعلیم حاصل کی تھی، لہذا اسپتھر برنسپل مدرسہ دہلی اور

۱۔ دہلی کی یادگار ہستیاں ص ۱۷۳

۲۔ آب حیات ص ۲۲۶

۳۔ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۵۲۸

۴۔ دیوان ذوق ص ۲۲

۵۔ طبقات شعرائے ہند ص ۲۱۲ لہذا ایضاً ص ۲۶۱

سکر بیری سوسائٹی اردو کے حکم سے انہوں نے جہاں متعدد کتابیں اردو میں ترجمہ کیں ان میں ایک ڈاکٹری کتاب کا ترجمہ بھی تھا، یہ ترجمہ انہوں نے عربی سے اردو میں کیا تھا اصل میں وہ عربی ترجمہ والی معر محمد علی شاہ کے حکم سے فرانسیسی زبان سے کیا گیا تھا، اور ۱۲۵۰ھ میں چھپا تھا۔ انہوں نے اسے ۱۸۳۲ء میں عربی سے اردو میں منتقل کیا یہ

دہلی کے مشہور بزرگ مولانا عبد السلام نیازی کو طب پر بہت مہارت تھی، اور وہ اس فن میں حاذق الملک حکیم عبد المجید خاں کے شاگرد تھے بلکہ

دہلی میں مشاعروں کی طرح داستان گوئی کا سلسلہ بھی رہتا تھا اور مشہور داستان گو قصے اور کہانیاں سناتے تھے۔ میر کاظم علی جنہوں نے قصہ کو داستان بنایا، بادشاہ کو روزانہ داستان سنایا کرتے تھے، انہی کاظم علی کے بھانجہ اور شاگرد میر باقر علی تھے باقر علی دہلی کے رئیسوں اور امیروں کے دیوان خانوں کی زینت تھے۔ بیٹھ چنا مل، حکیم اجمل خاں، نواب فیض احمد خاں اور نواب نئے خاں کے دیوان خانوں میں داستان سناتے تھے۔ جدر آباد، بھوپال، پٹیالہ اور دوسری ریاستوں میں داستان سنانے بلاتے جاتے تھے بلکہ

میر باقر علی نے ہر طرح کی وسیع معلومات بڑی محنت سے حاصل کی تھیں، ہر علم کا انہوں نے باقاعدہ مطالعہ کیا تھا، اسنادوں سے باقاعدہ سیکھا تھا، آخری عمر میں طب پڑھنے کا شوق ہوا، باقاعدہ طبیہ کالج میں جا کر لیچر سننے تھے۔ طبیہ بننے کے لیے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ داستان میں علمی رنگ پیدا ہو جائے، کیونکہ طب اسلامی کے نصاب میں فلسفہ، ریاضی، ادب، نفسیات، منطق، فلکیات وغیرہ تقریباً سارے علوم کم و بیش

۱۔ طبقات شعرائے ہند ص ۲۷۳

۲۔ دلی والے جلد ۱ ص ۲۷۵

۳۔ ایضاً جلد ۲ ص ۳۶۸

داخل ہیں۔

حکیم اعجاز احمد دہلوی کا کہنا ہے، ”جب دلی میں طبیبہ کالج کھلا تو ہم نے بھی وہاں داخلہ لیا۔ میر باقر علی کی عمر اس وقت ساٹھ پینسٹھ سال کی ہوگی وہ بھی باقاعدگی سے کالج آنے اور ہم لڑکوں کے ساتھ بیٹھ کر طب پڑھتے تھے۔ یہی نہیں انہوں نے امتحان دیا اور فارغ التحصیل ہونے کی سند بھی حاصل کی۔ انہوں نے اپنی اکلوتی بیٹی باقری بیگم کو بھی طبیبہ بنا دیا وہ طبیبہ کالج کی سند یافتہ تھیں۔“

میر باقر علی گنجینہ علم تھے۔ ایک ذرا اچھیڑے گھنٹوں بے نکان بولیں گے۔ اسی وصف پر خواجہ حسن نظامی نے انہیں مقرر کائنات کا خطاب دیا تھا، محمد فیروز دہلوی کا کہنا ہے، ”ایک مرتبہ شریف منزل میں حکیم اجل خاں کے دیوان خانے میں حکیم صاحب کے اجاب جمع تھے۔ میرے نانا صاحب کا بیان ہے کہ میر باقر علی اپنے مخصوص انداز میں ہر لفظ کے معنی اور استعمال بتا رہے تھے۔ اچانک حکیم صاحب نے کہا میر صاحب یہ سن برسنا کیا محاورہ ہے، روز مرہ نہ جانے کتنی بار ہم کہتے ہوں گے لیکن یہ کبھی نہیں سوچا کہ ہن کیا ہے۔ میر صاحب نے نہایت نشائستگی سے جواب دیا ”یسع الملک آپ کے صدقہ جاؤں میں تو آپ کی خاک پا بھی نہیں، عرض کرتا ہوں ہن ایک سو۔ نے کا سکھ ہے جو قطب نشاہی بادشاہوں کے زمانہ میں چلتا تھا اور سونے کے سکوں میں سب سے چھوٹا ہوتا تھا۔ عالمگیر نے جب دکن کا قصد کیا تو دلی کے ایلیوں نے جانے انکار کیا، مگر چونکہ یہ افواہ مشہور ہو گئی تھی کہ دکن میں ہن برسا ہے۔ اس لالچ سے سب بادشاہ کے ساتھ ہوئے، پھر کسی نے پوچھا میر صاحب یہ خط طغرا کیا بلا ہے، میر صاحب مسکرائے اور بولے طغرا ایک جانور تھا پرندہ کا نام ہے، جس کی ہم شکل طغرا لکھا جاتا ہے اور یہ پروں کی مثال ہوتا ہے۔ لفظ طغرا کی ط کو زیر سے پر میں تو یہ ملے ہوئے کے معنی دیتا ہے یہ خط ایک پیچیدہ خط ہے جس کو بادشاہ اکثر اپنے فرمانوں میں استعمال کرتے تھے۔“

لہ دلی کی عجیب بہتیاں ص ۵۷

لہ دلی والے جلد ۲ ص ۳۷۳

میر یاقر کا ۱۹۲۸ء میں انتقال ہوا۔

دہلی کے محل کے شاعر اسناد رسا جو دہلی اسکول کے کلاسیکی شعرا کی آخری صف سے تعلق رکھتے تھے، طب کے تعلیم یافتہ تھے۔ ان کا پورا نام حکیم سید رفیق احمد رسا تھا۔ اکتوبر ۱۹۶۶ء کو فوت ہوئے۔

دہلی میں اس وقت ڈاکٹر تنویر احمد علوی اس روایت کے حامل اور اس سلسلۃ الذہب کی اہم کردی ہیں، انہوں نے جہاں دارالعلوم دیوبند سے عربی درسی کتابیں پڑھیں وہاں بھوپا اندرا جیہہ کالج پیالہ سے سند فراغت حاصل کی۔ ان کا شمار اردو کے مشہور محققین اور ناقدین میں ہے اور متعدد علمی و تحقیقی کتابوں کی تصنیف کا انہیں اعزاز حاصل ہے۔

اردو شاعری میں طب کی سرایت کا یہ عالم ہے اور اس میں طبی اثرات اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ وہ شعرا جن کی طب سے کتابی واقفیت نہیں تھی اور جن کا بظاہر اس فن سے کوئی تعلق نہیں رہا، ان کے کلام میں بھی بکثرت طبی اصطلاحیں روایتی طور پر ملتی ہیں، اگر شعرائے اردو کے ان اشعار کو جمع کیا جاتے تو ان کے ذریعے بڑی حد تک طب کی مشہور اصطلاحات سامنے آسکتی ہیں، داغ نے امیر مینائی کی وفات پر جو قطعہ کہا تھا اس کے شعر ہیں۔

کیا لکھوں تفصیل امراض کثیر
مورد آزار اسہال وز جبر

کیا کہوں کیا کیا ہوئیں بیماریاں
بنتلا تے حدت صغرا و تپ

ذوق نے کہا ہے۔

غور نہیں و فکر بحر ان، فکر الوان و قوام

تا ابطائے زماں کو ہووے علم طب کے ساتھ

۱۔ دہلی والے جلد ۱ ص ۱۶۲

۲۔ دہلی کی یادگار شخصیتیں ص ۲۲۲

۳۔ مخزن جاوید جلد ۱ ص ۲۲۷

جب تلک امراض مہلک کا اطباق ہو نام

ناخس و حکاک الاذع رخوہ و ناقب نقبیل

بیشش کی جانوش حنظل دیوے اقیون کامرا

کیا عجب جدوار کی تاثیر گر رکھے زقوم

کہتا ہے بیمار بس کر مجھ کو ہے بالکل شفا

نسخہ پر کتنے نہیں پاتا ہوا الشافی طیب

غالب اور طب

غالب ان شعرا میں ہیں جن کا طب اور طبیبوں سے گہرا تعلق رہا ہے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا گیا، اسلامی نظام تعلیم کے تحت علم طب کی واقفیت پر تعلیم یافتہ انسان کے لیے ضروری تھی، غالب کی تصانیف اور دوسرے ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ طب کی مشہور کتابوں سے بخوبی واقف تھے، یہ مالک رام نے لکھا ہے "و مرزا غالب کی تعلیم سے متعلق ہماری معلومات بہت کم ہیں، ان کی تخریروں میں ہیئت نجوم، منطق، فلسفہ، طب، موسیقی اور تصوف کی اصطلاحیں کثرت سے استعمال ہوئی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان علوم میں سے بعض پر گہری نظر رکھتے تھے، یہ

عبد الرزاق راشد مددگار معتمد فیانس دولت آصفیہ جیدر آباد نے ۱۶ فروری ۱۹۳۶ء کو غالب کے حالات کے متعلق جو تقریر لاسلکی کے ذریعہ سے نشر کی تھی اس میں انہوں نے انکشاف کیا تھا کہ ڈاکٹر سید قاسم دپتھر گھٹی جیدر آباد کے کتب خانہ کی کتابیں دیکھتے وقت طب کی ایک کتاب میری نظر سے گزری، جس کا نام ذخیرہ دولت شاہی ہے۔ اس کتاب کی تخریرات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۲ جمادی الاول ۱۲۳۰ھ ۱۸۲۱ء کو مصنف نے احمد شاہ بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کی تھی۔ ۴ رمضان کو اسے شاہی کتب خانہ میں داخل کرنے کا حکم ہوا۔ کتاب سے معلوم ہوتا ہے

۱۔ غالب نامہ ص ۱۵

۲۔ ذکر غالب ص ۳۱

کہ یہ غالب کے مطالعہ میں بھی رہی ہے۔ کتاب پر بادشاہ کی مہر کے علاوہ غالب کی بھی مہر ہے، جس میں غالب کے نام کے علاوہ یہ شعر درج ہے سے

رضینا قسمت الجبار فیتنا لنا علم وللجعال مال

یہ پتہ نہیں چل سکا کہ یہ کتاب غالب کے پاس کیونکر پہنچی۔ لیکن اکثر صفحات کے حاشیوں پر غالب کی تحریریں موجود ہیں۔ بعض میں مصنف سے اختلاف کیا ہے، بعض میں اس کی معلومات پر اضافہ کیا ہے۔ کہیں کسی مرض کا حال لکھا ہے، کہیں دوا کے استعمال کے ساتھ برہیز کے لیے اغذیہ کے نام لکھے ہیں۔ اگر حاشیوں کی تمام تحریروں کو یکجا کر دیا جائے تو فن طب کا ایک رسالہ ہو جائے گا۔ فن طب سے غالب کی واقفیت کے بعض شواہد ان کے خطوں میں بھی ملتے ہیں، لیکن عبدالرزاق کی تقریر میں احمد شاہ بادشاہ کا نام یا ۱۲۳۴ھ ۱۸۲۱ء کی تاریخ میں سے کسی ایک کو غلط ماننا ضروری ہوگا۔ ۱۲۳۴ھ میں اکبر شاہ ثانی بادشاہ تھے۔ احمد شاہ محمد شاہ کی وفات پر ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۸ء میں تخت نشین ہوا تھا۔

غالب کے اشعار میں طب کی اصطلاحیں جس کثرت سے استعمال ہوئی ہیں۔ ان کی مثالیں پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، صرف ایک قطعہ لکھنا چاہوں گا۔

سہل نغمہ سہل ولے یہ سخت مشکل آپری مجھ پہ کیا گزرے گی اتنے روز حاضرین ہوئے

تین دن سہل سے پہلے تین دن سہل کے بعد تین سہل تین تبریدیں یہ سب کے دن ہوتے

دوسرے شعر میں سہل کے ان تمام دنوں کی تفصیل بیان کی ہے جو میں اٹھا چلنے پھرنے کو منع کرتے ہیں۔ یہ قطعہ دربار کی غیر حاضری کے عند میں لکھا ہے۔

غالب نے اپنے خطوط میں اپنے مرضی احوال کی تفصیل جس انداز میں پیش کی ہے، اس سے بھی ان کی طبی واقفیت کا اظہار ہوتا ہے۔ منشی نبی بخش حقیر کو ماریج

لے روزنامہ صحیفہ مؤرخہ ۲۰ فروری ۱۹۳۶

۲۸ و ۲۷

۱۸۵۱ء میں لکھتے ہیں ”مجھ کو بھی بہ سبب فصل بہار کے سبجان خون ہے۔ احتراق کے شدید بہ نسبت اور دنوں کے زیادہ ہیں، لازم یوں تھا کہ شاہنرہ پینا اور مسہل لینا مگر کچھ نہیں لے سکا، صرف قصہ باسلیق پر قناعت کی اور آدھ سیر خون لے لیا۔“

۹ مارچ ۱۸۵۲ء کو لکھتے ہیں ”آگے ایک قونج کا دورہ تھا با وجع الصدر شروع ہو گیا ہے۔“ مرزا تفتہ کو ۲۴ مئی ۱۸۵۸ء کو لکھتے ہیں ”قونج اور پھر کبسا قونج شاید کہ پانچ پہر نیم بسلی کی طرح تڑپا کیا آخر عصارہ ریوند اور ارندی کا نیل پیا۔۔۔“

گلاب اور اعلیٰ کا پینا اور آٹو بخارہ کا افشردہ اس پر مدار رہا، انوار الدولہ شفیق کو ۱۵ فروری ۱۸۶۲ء کو لکھتے ہیں ”و نہ پستانہ کھانسی، نہ اسپہال، نہ فالج، نہ لقوہ ان سب سے بدتر ایک صورت پڑ کدورت یعنی احتراق کا مرض، میر غلام بابا خاں کو لکھتے ہیں ”پاؤں سے اپاہج، کانوں سے سہرہ، ضعف بھاری، ضعف دماغ، ضعف دل، ضعف معدہ“ ایک اور خط میں لکھتے ہیں ”پاؤں کا ورم حد سے زیادہ گزر گیا ہے مادہ تحلیل کے قابل نہ نکلا، کھولیں شروع ہو گئی ہے۔“

غالب کو طب سے اس حد تک شغف تھا کہ انہوں نے خود مختلف بیماریوں کے لیے نسخے تجویز کئے ہیں۔ تفتہ کے نام ایک خط میں منشی بنی بخش کو نسخہ تجویز کرتے ہوئے لکھا ہے ”ہمارے شفیق منشی بنی بخش صاحب کو کیا عارضہ ہے کہ جس کو تم لکھتے ہو مارا لجن سے بھی نہ گیا، ایک نسخہ، طب محمد حسین خانی، میں لکھا ہے اور وہ بہت بے ضرر اور بہت سود مند ہے مگر اثر اس کا دیر میں ظاہر ہوتا ہے وہ نسخہ یہ ہے کہ پان سات سیر پانی لیویں۔ اور اس میں سیر بیچھے تولہ بھر جو ب چینی کوٹا کر ملا دیں اور اس کو جوشش کریں اس قدر کہ چہارم پانی جل جاوے اس کو پیئیں۔ تبرید کی حاجت پڑے، وہ بھی اسی پانی میں پیئیں۔ روز جوشش کروا کر چھنوا کر رکھ چھوڑیں، برس دن میں اس کا فائدہ معلوم ہو گا۔ نواب علار الدین خاں علانی کو لکھتے ہیں ”میاں ایسے

موقع میں رائے اظہار میں خلاف کم واقع ہونا ہے، مرض شخص، دوا معین، سور مزاج
 ساذج نہیں، مادی ہے اور مادہ بار دہے، کوئی طیب سوائے تنقیہ کے کچھ تدبیر نہ
 سوچنے کا۔ تنقیہ میں سوائے مخرجات بلغم اور کچھ تجویز نہ کرے گا۔ تجویز ہے کہ دو دن کے
 بعد تنقیہ خالص ہو اور ایلاج کا مسہل دیا جائے۔ نی، نخت حنجر کو لکھنے ہیں دستا میں
 نے کہ پھر اس کو دست آنے لگے، صاحب اندیشہ نہ کرو، جوں جوں یہ بڑھتا جائے گا
 اور حرارت اس کے مزاج میں آتی جائے گی، ووں ووں یہ حالت رفع ہوتی جائے
 گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ، اصل بخری، جوار سفید، جوار شمس، جوار کھو، نہ ہر روز ہلکے
 گاہ گاہ اس کو چٹا دیا کرو اور خود شہائے ناگوار منہ دیا کرو، لے

ایک خط میں لکھتے ہیں، گرمی کا موسم ہے میں جانتا ہوں ان دونوں کو زہر مہرہ کا
 استعمال مفید ہوگا۔ کبھی کبھی شربت نیلوفر میں گھس کر پلا دیا کریں اور چاٹ لیا کریں بھائی
 لڑکوں کا گھر ہے۔ شربت نیلوفر، شربت منقہ، عرق نعناع کی سکلیں، عرق کاسنی، عرق
 بادیان، اسی طرح کی چیزیں گھر میں تیار کر لیں، انہیں ایک اور خط میں لکھا ہے دو نیم کی
 پتیاں تم پینے ہو خوب کرتے ہو، یہ کہ اس کو کھا کر ایک بیس کی ٹیکیا ٹی قال کر کھاتے
 ہو، یہ ترکیب عایمانہ ہے۔ ہاں یہ مسلم کہ چنے کی روٹی ان امراض میں اگر غذا خیر اسی ہر
 کی جائے اور ایک مدت تک یہ طریق بنو جائے تو بہت نافع ہے، میں ایک
 بات تمہیں اور بتاتا ہوں، تم نیم کی مستی پیا کرو، یعنی بعضا نیم رتنا ہے اور اس میں سے
 ایک رطوبت نکل کر جم جاتی ہے، اسے نیم کی مستی کہتے ہیں، سبیل اس کی ہی ہے
 کہ دو پیسے بھر سے شروع کرو اور پانچ ماشہ بڑھاتے جاؤ، جب پانچ تولہ پر
 آ جاؤ تو نظم جاؤ، بھلا زیادہ نہیں تو بیس دن تو پانچ پانچ پیسے بھر پیو، پھر ہینر بدستور

۱۔ غالب کے خطوط جلد ۱ ص ۳۸۲

۲۔ ایضاً جلد ۳ ص ۱۰۹۳

۳۔ ایضاً ص ۱۰۹۷ و ۱۰۹۸

پیشتر چنے کی روٹی کھایا کرو، دوپہنی کر ٹکیا کھانی زیادہ ہے، چنے کی روٹی کے ساتھ
وقت غذا کے ٹھی بھر برداشت طبع کھاؤ۔ گیہا، توری، خرفہ، کاساگ، بختوے، کاساگ
کھیرا، کڑی جس کا قلبہ مرغوب ہو کھاؤ، دیکھو تو یہ لڑکیب موافق آتی ہے یا نہیں ہے
گوپال نفثہ کو نبی بخش کے بارے میں لکھا ہے۔

”منشی نبی بخش صاحب کو کیا عارضہ ہے کہ جس کو تم لکھتے ہو مارا الجھن سے بھی نہ گیا
ایک نسخہ طب محمد حسین خانی میں لکھا ہے اور وہ بہت بے ضرر اور بہت سود مند
ہے، مگس کا اثر دیر میں ظاہر ہوتا ہے، وہ نسخہ یہ ہے کہ پان سات سیر پانی لیویں
اور اس میں بیڑیچھے تولہ بھر چوبیسینی کوٹ کر ملا دیں اور اس کو جوشش کریں، اس قدر
کہ چہارم پانی جل جاوے۔ پھر اس پانی کو چھان کر، کوری ٹھیلیاں میں بھر رکھیں اور جب
باسی ہو جاوے اس کو پیئیں، جو غذا کھایا کرتے ہیں، کھایا کریں، پانی دن رات، جب
پیاس لگے یہی پیئیں، تیرید کی حاجت پڑے اسی پانی میں پیئیں۔ روز جوش کروا کر چھنوا کر
رکھ چھوڑیں، برس دن میں اس کا فائدہ معلوم ہو گا۔“

نواب کلب علی خاں والی راجپور کو لکھتے ہیں، ”خدا جانے اور طبیب کیا سمجھے ہوں گے
کہ کیا نظائیرے نزدیک بہ اشتراک معدہ و قلب یہ مرض طاری ہوا تھا۔ اب آپ کو
حفظ صحت کے واسطے گاہ گاہ نارجیل و ریائی و جدوار کا استعمال ضرور ہے اور مجھوں
طلائی عنبری تقویت قلب میں مجوزہ حکیم بر علی خاں مغفور ہے، ورق طلاء عنبرا شہب،
عرق کیوڑہ، قند کثرت، اجزا اس لڑکیب خاص میں ناپسند، کثیرا اجزا اور معجونیں میں سفرح
بوعل سینا، خیمہ مروارید، خیمہ گاؤزباں عنبری، مارا اللحم غیر منشی جس میں طیور کے گوشت
اور ادویہ مفرح و متومی حرارت و پروت میں معتدل، گاہ گاہ سکنجیں و کلا پی پی لیا
کہتے، غذا میں گوشت طیور اکثر، بیضہ نیم برشتہ اکثر، لیکن یہ خیال رہے کہ بیضہ مرغ و لحم طیور

ایک جلسہ میں تناول نہ فرمائیے۔ بکری کے گوشت کے ساتھ بیفہ مرغ جائز اور لذیذ اور مرغوب۔ پودینہ کا عرق، چھوٹی الائچی کا عرق ہمیشہ دو خانہ میں موجود رہے۔ عطریات کے استعمال میں مبالغہ، بعد غذا مباشرت سے پیرا میز، شور بائے پاچہ، گوسفند ماندہ خاص پر موجود رہے، اپنے زمانہ کے طبیوں سے غالب کے گہرے مراسم تھے حکیم احسن اللہ خاں، حکیم محمود خاں، حکیم غلام اللہ خاں، حکیم غلام رضا خاں، حکیم غلام مرتضیٰ خاں، حکیم محمد حسن خاں، حکیم غلام نجف خاں، حکیم رضی الدین خاں، حکیم سلیم خاں، حکیم آغا جان عیش، حکیم مومن خاں، حکیم امام الدین خاں، حکیم منجھلے (حکیم حسام الدین) وغیرہ سے ان کے خصوصی تعلق کا ان خطوط ہی سے اظہار نہیں ہوتا جو ان میں سے بعض کے نام ہیں۔ بلکہ دوسروں کے خطوط میں بھی جگہ جگہ ان کا ذکر پھیلا ہوا ہے، غالب نے نواب علاء الدین خاں علاقائی کے نام ایک خط میں دہلی کے ان طبیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے، "نظری میں یکتا حکیم امام الدین خاں وہ ٹونک، عملی میں چالاک حکیم احسن اللہ خاں وہ کرولی (قرولی) رہے حکیم محمود خاں وہ ہمسایہ دیوار بہ دیوار، حکیم غلام نجف خاں وہ دوست قدیم، صادق الولاء، حکیم بقا کے خاندان میں دو صاحب موجود تیسرے حکیم منجھلے"۔

منشی بہاری لال مشتاق کا حکیم محمود خاں اور حکیم غلام رضا خاں دونوں کی خدمت میں آنا جانا تھا، اسی واسطے وہ غالب کے پاس پیچھے اور شاگرد ہوتے، حکیم محمود خاں کے ہفتہ وار اکل الاخبار میں مشتاق نے کاتب اور اڈیٹر کے فرائض انجام دیے تھے۔ غالب حکیم محمد حسن خاں کی حویلی میں تقریباً دس برس رہے، حکیم محمد حسن خاں حکیم غلام مرتضیٰ خاں کے عزیزوں میں تھے، غالب نے مجروح اور علاء الدین خاں کے

نہم خطوط میں وہاں رہتے کا ذکر کیا ہے۔

غدر کا زمانہ دہلی والوں کے لیے بڑی مصیبت اور آزمائش کا تھا، شریف خانی
 طبیبوں کی وجہ سے دہلی کے بہت سے لوگوں کی طرح غالب کو بھی اس سخت دور ابتلا میں
 بہت فائدہ پہنچا، حکیم غلام مرتضیٰ خاں برادر حقیقی حکیم محمود خاں ہمارا اہل پیالیہ کے ہاں
 طبیب خاص تھے، ہمارا اہل پیالیہ نے فتح دہلی میں انگریزوں کی مدد کی تھی اور شریف
 منزل کی وجہ سے بلی مارا ان کے لیے طے کیا تھا کہ اس کی حفاظت کی جائے۔ چنانچہ
 ۱۸ دسمبر کو ہمارا اہل کے سپاہی اس کی حفاظت کے لیے پہنچ گئے تھے، غالب
 نعت کو لکھتے ہیں "حکیم محمد حسن خاں کے مکان میں رہتا ہوں۔ دیوار بہ دیوار حکیموں کے
 گھر ہیں جو راجہ نرندر سنگھ والی پیالیہ کے ملازم ہیں، راجہ نے صاحبان عالی شان سے
 عہد کیا تھا کہ بوقت غارت دہلی یہ لوگ محفوظ رہیں گے، چنانچہ بعد فتح راجہ کے
 سپاہی آئیے اور یہ کوچہ محفوظ رہا۔ ورنہ میں کہاں اور یہ شہر کہاں"۔

”جب دو دن اس طرح بے آب و نان گزر گئے تو تیسرے روز خوش قسمتی سے
 ہمارا اہل پیالیہ نے حکیم محمود خاں کے خاندانی مکانوں کی حفاظت کے لیے جو سپاہی بھیجے
 تھے اور کچھ پیچھے لوگوں کو جان کا ڈر تھا، وہ کم ہوا تو انہوں نے پانی کے لیے اسٹند ا دیکھا۔
 چنانچہ اہل باہر بازار کے سرے تک جانے کی اجازت ملی اور گھر سے ایک ایک دو
 دو آدمی خم و سبواٹھاتے پانی کی تلاش میں نکلے، لیکن پیٹھے پانی کے کنویں دور
 تھے اور وہاں تک جانا موت کو دعوت دینا تھا، ناچار ایک نیکلین کنویں سے پانی
 بھرا لے اور اس سے پیاس کی آگ بجھائی ہے۔“

ہمارا اہل پیالیہ کے سپاہیوں کی وجہ سے مرزا کا گھر تو لوٹ سے محفوظ رہا، لیکن جو

۱۔ غالب غلام رسول مہر ص ۹۵

۲۔ ایضاً ص ۲۷۱

۳۔ ایضاً ص ۱۲۱

زیورات اور قیمتی چیزیں ان کے گھر سے کالے شاہ صاحب کے نہ خانہ میں بھجوا دی گئی تھیں وہ فتح مند فوج نے کھود نکالیں۔

۱۹ اکتوبر ۱۸۵۷ کو غالب کے بھائی مرزا یوسف نے بڑی کس پیرسی کے عالم میں انتقال کیا۔ مرزا کی حالت اس وقت قابل رحم تھی۔ ایک تو بھائی کی موت کا صدمہ، پھر میت کا انتظام بہت مشکل تھا، نہ کفن کے لیے کپڑا ملتا تھا، نہ مردہ نہلانے کے لیے مردہ شو اور نہ قبر کھودنے کے لیے گورکن۔ اس کے علاوہ اگرچہ فتح دہلی کو ایک مہینہ سے زیادہ عرصہ گزر گیا تھا، شہر میں دو تین آدمیوں کا دوکس بدوش چلنا ہی ناممکن تھا۔ شہر سے باہر میت لے جانے کی ہمت کیسے پڑتی۔ لیکن مرزا کے ہمسایوں نے مرزا کی بے کسی پر رحم کیا اور تجیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں جگی حکیم محمود خاں کے مکانوں کی حفاظت کے لیے آئے سپاہی مرزا کے کام آئے۔ پٹیالہ کے سپاہیوں میں سے ایک آدمی آگے آگے چلا اور اس طرح قریب کی مسجد میں دفن کیا۔

شریف خانی خاندان کے تین افراد حکیم محمود خاں، حکیم غلام مرتضیٰ خاں اور حکیم غلام اللہ خاں کو مہاراجہ زندر سنگھ والی پٹیالہ سے ملازمت کا تعلق تھا، حکیم محمود خاں نو دہلی میں رہتے تھے لیکن دوسرے دونوں بھائی پٹیالہ میں مقیم تھے۔ مرزا دس برس تک اس خاندان کے پڑوس میں رہے تھے اور ان کے آپس میں گہرے تعلقات تھے، ان حضرات نے کوشش کہ مرزا اگر پٹیالہ چلے جائیں تو وہاں اطمینان سے رہیں گے۔ مرزا جانے پر رضامند ہو گئے یہ کلیات فلسی میں مہاراجہ زندر سنگھ کی مدح میں جو قصیدہ ہے وہ غالبؔ اسی زمانہ میں لکھا گیا تھا، ان کے خط بنام حکیم غلام نجف خاں سے معلوم ہوتا ہے کہ تنہائی اور سبکی کے خیال سے وہ پٹیالہ نہیں گئے۔

۱۔ غالب ص ۱۲۴ و ۱۲۵

۲۔ ذکر غالب ص ۱۰۱

۳۔ کلیات غالب فلسی، قصیدہ ۵۹۵ ص ۳۳۷

حکیم غلام نجف خاں دو جہان چلے گئے تھے۔ غالب کو بھی بلایا کہ یہاں آجائے، غالب نے جواب دیا کہ ٹکٹ کے بغیر باہر نکلنا غیر ممکن ہے، پھر میں کیونکر آؤں، دہلی آنے جانے پر پابندی تھی اور انگریزوں نے ٹکٹ چھپواتے تھے جو قیمت سے ملتے تھے اور جن کے بغیر کوئی آجا نہیں سکتا تھا۔

منشی شیونزائن آرام مالک مطبع مفید خلائق آگرہ نے اخبار آفتاب عالمتاب نکالا تھا اور غالب سے خریدار مہیا کرنے کی استدعا کی تھی۔ یہ ستمبر ۱۸۵۸ء کا زمانہ تھا مرزا نے تفتہ کو لکھا، "ان دنوں میں میرے محسن حکیم احسن اللہ خاں آفتاب عالمتاب کے خریدار ہوتے ہیں، منشی شیونزائن کو بھی لکھا تھا، "مسلمان امیروں میں یمن آدمی حسن علی خاں نواب حامد خاں، حکیم احسن اللہ خاں، سوان کا یہ حال کہ روٹی ہے تو کپڑا نہیں، معہذا یہاں کی اقامت میں تذبذب، خدا جانے کہاں جائیں کہاں رہیں، حکیم احسن اللہ خاں نے آفتاب عالمتاب کی خریداری کر لی ہے"۔

اس پریشانی کے عالم میں بھی حکیم صاحب نے اخبار کی خریداری قبول کی یہ غالب سے تعلق کے ساتھ ان کے شغف علم اور ذوق کی بات تھی۔

انتقال سے پہلے جیسے ہی غالب بے ہوش ہوئے فوراً حکیم محمود خاں اور حکیم احسن اللہ خاں کو اطلاع دی گئی۔ انہوں نے تشخص کی کہ دماغ پر فالج گر رہا ہے، تمام کوششیں اور علاج کئے گئے مگر بے سود۔ انہیں ہوش نہیں آیا، اگلے دن ۱۵ فروری ۱۸۵۹ء کو انتقال ہوا، انتقال کے وقت حکیم محمود خاں، حکیم غلام مرتضیٰ اور حکیم احسن اللہ خاں موجود تھے، بعض لوگوں نے شیعہ مسلک کے مطابق بھیز و تکفین کرنی چاہی، مگر نواب

۱۔ غالب ص ۲۸۳

۲۔ تفتہ اور غالب ص ۱۰۴

۳۔ غالب ص ۲۸۱

۴۔ احوال غالب ص ۸۷

ضیاء الدین احمد خاں اور حکیم محمود خاں نہیں چاہتے تھے، دونوں صاحبوں کا دہلی میں بہت اثر و رسوخ تھا۔ خصوصاً حکیم محمود خاں کا، مرزا کی شیعیت اور تفریقیت کسی سے مخفی نہ تھی لیکن ان دونوں کے سامنے کوئی دم نہ مار سکا اور تمام رسوم اہل تسنن کے طریقہ پر ادا ہوئیں۔

غالب نے اگرچہ تاریخ گوئی سے اپنی عدم دلچسپی کا اظہار کیا ہے لیکن ان کے کلام میں متعدد قطعاً تاریخ موجود ہیں، ان تاریخوں میں حکیم احسن اللہ خاں کی حویلی کے دروازہ اور حلام کی فارسی تاریخوں کے علاوہ حکیم سلیم خاں دہلوی کی فارسی کتاب تکشیف الحکمت (تالیف ۱۲۷۸/۱۸۶۱ء) پر اردو میں ان کا ایک قطعہ تاریخ ہے۔

حکیم حاذق و دانا ہے وہ لطیف کلام
کسی کو یاد بھی لقمان کا نہیں ہے نام
ہوتی ہے مبداء عالم سے اس قدر انعام
ہزار بار فلاطون کو دے چکے الزام
کہ جس میں حکمت و طب ہی کے مسئلے ہیں تمام
نہیں کتاب ہے اک معدن جو اہر کام
کمال فکر میں دیکھا خورد نے بے آرام
لکھا ہے "نسخہ تختہ" یہی ہے سال تمام

۶۱۲۷۹

غالب کی تصانیف سے طبیوں کا جو تعلق رہا اور ان کے سلسلہ میں جس دلچسپی کا انہوں نے اظہار کیا، غالب اور اطبا کے رشتہ کے مطالعہ میں وہ بھی کچھ کم اہمیت کی حامل نہیں ہے۔

۱۔ ذکر غالب ص ۱۳۳ و ۱۳۴

۲۔ تکشیف الحکمت ص ۱۸۸

مہر نیم روز : مرزا ۲ جولائی ۱۸۵۰ء کو خاندان تیموریہ کی تاریخ لکھنے پر مقرر ہوئے تھے انہوں نے امیر تیمور سے ہمایوں تک کے حالات قلمبند کرنے تھے کہ بہادر شاہ نے حکم دیا کہ تاریخ دنیا کے آغاز سے لکھی جائے اور آئندہ کے لیے احترام الدولہ حکیم احسن اللہ خاں کو ان کی مدد اور مشورہ کے لیے مقرر کر دیا۔ اب تک مرزا خود ہی کتب تاریخ سے واقعات کا انتخاب کرتے اور انہیں فارسی میں لکھنے رہے تھے۔ اس نئے حکم کے بعد انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ واقعات کا اقتباس و انتخاب کا کام حکیم صاحب موصوف اپنے ذمہ لے لیں اور اردو مسودہ تیار کر کے میرے پاس بھیج دیا کریں میں اسے فارسی میں منتقل کر دوں گا۔ اس پر حکیم احسن اللہ خاں نے ابتداءً آفرینش عالم و ظہور آدم سے لے کر چنگیز خاں تک کے حالات پر مشتمل مضمون تیار کر دیا۔ اب کتاب دو حصوں میں تقسیم کی گئی۔ پوری کتاب کا نام پر تو سنان اور پہلے حصہ کا نام مہر نیم روز ہوا، اس میں آغاز روزگار سے ہمایوں تک کے حالات لکھے گئے، دوسرے حصہ میں اکبر سے بہادر شاہ تک کے حالات نسبتاً تفصیل سے قلمبند ہوں، اس حصہ کا نام ماہ نیم ماہ تجویز کیا، لیکن کام ہمایوں کے حالات تک پہنچ کر رک گیا۔ کیونکہ نہ حکیم احسن اللہ خاں نے اردو مسودہ بھیجا نہ مرزا اسے فارسی میں منتقل کر کے۔ تیمور سے ہمایوں تک کا مضمون مارچ ۱۸۵۲ء میں ختم ہو چکا تھا۔ جب مضمون حکیم احسن اللہ خاں نے بھیجا تو مرزا نے اس کے شروع میں ایک نئے دیباچہ کا اضافہ کیا اور اس کو فارسی جامہ پہنایا۔ یہ کام بھی جون ۱۸۵۲ء میں ختم ہو چکا تھا، اس کے بعد حکیم صاحب کو عدم فرصت کی وجہ سے تاخیر ہوئی، اس لیے اتنی تھی کہ چنگیز خاں سے امیر تیمور تک کے حالات لکھے جائیں تاکہ تاریخ کا پہلا حصہ مکمل ہو جائے۔ بارے خدا خدا کر کے مہر نیم روز اگست ۱۸۵۲ء میں ختم ہوئی، اور ۱۸۵۵ء میں فخر المطابع دہلی سے چھپی۔

پنج آہنگ : پنج آہنگ کے دیباچہ میں مرزا علی بخش نے لکھا ہے کہ حکیم رضی الدین حسن خاں بہادر نے تحریک کی کہ مرزا کی فارسی تحریروں کو ضرور جمع کیا جائے یہ حکیم رضی الدین کی اس تحریک کے علاوہ پنج آہنگ کی تصحیح و ترتیب اور طباعت ایک دوسرے طبیب کی مرہون منت ہے یہ پہلی مرتبہ مطبع سلطانی دہلی سے ۴ اگست ۱۸۴۹ء رمضان ۱۲۶۵ میں حکیم غلام نجف خاں بہادر کی تصحیح و ترتیب اور اہتمام سے چھپی تھی بلکہ

اردوئے معلیٰ : ۶ مارچ ۱۸۶۹ء کو مرزا کے خطوط کا مجموعہ اردوئے معلیٰ مرزا کے دوست حکیم غلام رضا خاں کے مطبع اکل المطابع سے چھپ کر شایع ہوا اس سے ۲۱ روز قبل ۱۵ فروری کو مرزا کا انتقال ہو چکا تھا۔

عود ہندی : مرزا کے خطوط کا دوسرا مجموعہ عود ہندی پہلی مرتبہ مطبع مجتہبائی میرٹھ سے مرزا کی وفات سے ۴ ماہ قبل ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ ۲۶ اکتوبر ۱۸۶۸ء کو حکیم غلام مولیٰ قلی میرٹھی کی تقریب کے ساتھ شایع ہوا بلکہ

مثنوی ابرگہر بار : ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء میں مرزا نے حکیم غلام رضا خاں کے اصرار پر انہیں مثنوی ابرگہر بار سے چھاپنے کی اجازت دی۔ حالانکہ یہ کلیات میں شامل تھی یہ نسخہ اکل المطابع دہلی سے شایع ہوا، مثنوی کے اس ادیشن میں ۲۲ صفحے ہیں، بعد میں یہ دوسرے کلام کے ساتھ سب چین کے عنوان سے اگست ۱۸۶۷ء بیچ الثانی ۱۲۸۴ھ میں مطبع محمدی سے شایع ہوئی تھی

ماثر غالب : شفا الملک حکیم جیب الرحمن اخوندزادہ احسن ڈھاکہ کے پاس غالب

۱۔ ذکر غالب ص ۱۲۵

۲۔ ایضاً ص ۱۳۷

۳۔ ایضاً ص ۱۶۸

۴۔ ایضاً ص ۱۵۸ و ۱۵۹

کے چند فارسی خطوط تھے جو انہوں نے کلکتہ اور ڈھاکہ کے بعض دوستوں کے نام لکھے تھے۔ قاضی عبدالودود نے یہ خط حکیم صاحب کے کتب خانہ سے حاصل کئے اور بعض اور تخریروں اور مفید حواشی کے ساتھ ماٹرنال کے نام سے انہیں شایع کیا۔ غالب پر طبیبوں کے کاموں میں لطایف غالب (۱۹۰۲ء) حکیم محمد حسن حاذق، جہان غالب (۱۹۴۶ء) حکیم کوثر چاند پوری، سیر غالب (۱۹۴۹ء) حکیم ابوالحسن بیدل فاروقی غالبیات کے سلسلہ کی قابل ذکر کتابیں ہیں۔ غالب کے طبیب شاگردوں کا تذکرہ بھی یہاں دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔

- ۱۔ احسن۔ حکیم مظہر احسن خاں رامپوری
- ۲۔ انگر۔ حکیم فتحیاب خاں رامپوری
- ۳۔ بیمار۔ حکیم محمد مراد علی
- ۴۔ جوہر۔ حکیم محمد معشوق علی خاں شاہجہاں پوری
- ۵۔ ذکی۔ حکیم اشفاق حسین مارہروی
- ۶۔ رنج و طبیب۔ حکیم محمد فصیح الدین میرٹھی
- ۷۔ شوکت۔ نواب یار محمد خاں بھوپالی
- ۸۔ شہاب۔ حکیم شہاب الدین خاں رامپوری
- ۹۔ صوفی۔ حکیم محمد علی نجیب آبادی
- ۱۰۔ طرزی۔ حکیم سید قطب الدین دلاور علی جعفری ہابوڑ
- ۱۱۔ فنا و جمالی۔ حکیم سید احمد حسن سہسوانی
- ۱۲۔ فوق۔ ڈاکٹر مرزا محمد جان اکبر آبادی
- ۱۳۔ محمود۔ حکیم محمد محمود الحق دہلوی
- ۱۴۔ نیر۔ حکیم محب علی کاکوری

غالب اکاڈمی : حکیم عبدالحمید، خواجہ حسن نظامی اور بعض دوسرے ارباب علم و ادب نے غالب سوسائٹی کی بنیاد رکھی، جو مزار غالب کے مزار کی دستی کے علاوہ ایک غالب ہال بھی بنانا چاہتی تھی۔ غالب کے احاطہ مزار کے پاس ایک قطعہ زمین تھا، جسے حکیم حاجی عبدالحمید (خازن غالب سوسائٹی) نے اپنے پاس سے معقول قیمت دے کر خرید اور غالب سوسائٹی کے حوالہ کر دیا، ایک اور قطعہ زمین بیگم حکیم محمد واصل خاں (برادر کلاں مسیح الملک حکیم اجل خاں) نے حکیم محمد احمد خاں کی سفارش سے عطا فرمایا۔

حکیم عبدالحمید بعد میں غالب سوسائٹی کے صدر بنے اور ان کے زیر اہتمام غالب کے مزار سے متصل غالب اکاڈمی قائم کی گئی، اس کی عالی شان عمارت حکیم صاحب نے تعمیر کرائی۔ ۲۱ فروری ۱۹۶۹ء کو غالب صدی کے موقع پر اس کا افتتاح عمل میں آیا۔

غالب اکاڈمی کا غالب پر اعلیٰ تحقیقی کاموں کی وجہ سے ملک کے موقر اداروں میں شمار ہے۔ غالب پر بعض اہم تصانیف کی اشاعت یہاں سے عمل میں آئی ہے۔ ہر سال یوم غالب کی تقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے، یہ دہلی کی ثقافتی سرگرمیوں کا بھی مرکز ہے، آٹے دن اس میں علمی، ادبی اور شعری نشستیں منعقد ہوتی ہیں اور اہل علم جمع رہتے ہیں، غالب کی طب اور طبیبوں سے دلچسپی اور غالب سے طبیبوں کے تعلق کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا، یہ اکاڈمی اس شاندار اور دلکش روایت کا ایک حصہ اور ایک طبیب کے ذوق علم و ادب اور غالب نوازی کی آئینہ دار ہے۔

دہلی میں عطاری کی روایت

طبابت کی طرح دہلی میں عطاری کی بھی ایک روایت رہی ہے، عام طور پر

لبیب صرف نئے لکھنے پر اکتفا کرتے تھے۔ مفرد یا مرکب دوائیں ان کے مطبوں میں نہیں ملتی تھیں، اس کی وجہ سے عطاری نے فروغ پایا۔ جس کثرت سے دہلی میں طبیبوں کے مطب تھے اسی کثرت سے عطاری خانے بھی قائم تھے۔ عموماً عطاری کا سلسلہ ایک خاندانی پیشہ کے طور پر رائج تھا۔ یہ پیشہ کچھ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ ہندو اور مسلمان دونوں اس سے وابستہ تھے۔ یہ عطاری عموماً پارہے لکھے، شایستہ اور نستعلیق ہوتے تھے، حاذق اور نامور طبیبوں سے وابستگی کے سبب ان کی صحبتیں انہیں میسر آتی تھیں۔ شعروادب سے ان کے لگاؤ کی بہت سی مثالیں ہیں، بعض شاعر عطاریوں کا تذکرہ یہاں شوق سے بڑھا جاتے گا۔

شاکر

دہلی میں عطاری کے پیشہ سے وابستہ تھے، دہلی کے مشہور شاعر عبدالرحمن خاں احسان سے نلمذ تھا، کریم الدین کا بیان ہے کہ ”میں نے ان کو مشاعرہ میں جو میرے مکان میں ہونا تھا، دیکھا ہے، عمران کی بالفعل قریب پینتیس برس کی ہو گی، بلکہ ۱۲ رجب ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء کو کریم الدین کے ہاں مشاعرہ میں انہوں نے جو شعر پڑھے تھے وہ کریم الدین نے نقل کئے ہیں، اس بیان کی رو سے ان کی پیدائش ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء کے آس پاس قرار پاتی ہے۔

کریم الدین کے ہاں ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء کے اس مشاعرہ میں جو دوسرے شعرا شریک تھے ان میں امام بخش صہبائی (طبقات شعرا ص ۲۱۵)، مرزا قادر بخش موزوں (ایضاً ص ۲۰۲)، مرزا نصیر الدین قناعت (ایضاً ص ۲۰۲)، جیدر علی وفا (ایضاً ص ۲۰۳)، راحت دہلوی (ایضاً ص ۲۰۶)، یوسف نمکین (ایضاً ص ۲۱۱)، جیدر دہلوی (ایضاً ص ۲۱۱)، نثار دہلوی (ایضاً ص ۲۱۲)۔

لہ طبقات شعرا تہ ہند ص ۲۰۱

یکتادہلوی (ایضاً ص ۲۱۳) صابر دہلوی (ایضاً ص ۲۱۷) مرزا کریم الدین سسا (ایضاً ص ۲۲۲) نیاز احمد جوشس (ایضاً ص ۲۳۰) قاضی محمد سعید بدایونی (ایضاً ص ۲۴۰) قابل ذکر ہیں۔ صاحب نمنخانہ جاوید نے بھی عبدالرحمن خاں احسان کے اس عطا شدہ کلام کا ذکر کیا ہے۔

امین الدین امین

قاضی (خواجہ) محمد امین الدین خاں امین نجیب الدولہ کے زمانہ میں دہلی کے قاضی القضاة تھے اور مرزا جہاندار شاہ کی سرکار میں دو خانہ کے داروغہ تھے، اپنے زمانہ کے اچھے شاعروں میں شمار ہوتے تھے، مصحفی کے ہم عصر تھے اور اس کے اکثر شعاعوں میں شریک ہو کر نئے نئے کلام لکھنے لگے، امین الدین نے اسے مصحفی کا پیروسی بنایا ہے اور لکھا ہے کہ ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء میں دارالشفاباد شاہی کے داروغہ تھے اور خوش کلام اور نامور شاعر تھے۔ کون اتا ہے یہ کس کے پاؤں کی آواز ہے ہر صدائے پایا میں جس کی سوطرح کا ناز ہے

میر صادق علی صادق

میر صادق علی خاں صادق پٹنہ کے باشندہ تھے، اور شاہ دہلی کے دو خانہ میں مامور تھے۔ اسپرنگ نے قائم کے حوالہ سے ان کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۔ نمنخانہ جاوید جلد ۲ ص ۲۲۹

۲۔ ایضاً جلد ۱ ص ۲۲۸

۳۔ طبقات شعرائے ہند ص ۳۲۵

۴۔ یادگار شاعرانہ ص ۱۶

جعفر علی حسرت

مرزا جعفر علی حسرت ولد ابوالخیر اپنے زمانہ کے مشاہیر شعرا میں تھے، شاہ جہاں آباد کے رہنے والے تھے یہ شیفٹ اور باطن کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ عطاری حسرت کا آبائی پیشہ تھا بلکہ یہ کچھ عرصہ تک مرزا جہاندار شاہ کی ملازمت میں رہے۔ دیوانہ کے شاعر تھے۔

حسرت دہلی سے لکھنؤ منتقل ہوئے انہوں نے والد کے انتقال کے بعد عطاری کی دوکان پر بیٹھنا شروع کیا اور کچھ عرصہ اپنے والد کا پیشہ جاری رکھا، نحاس بازار میں ان کی عطاری کی دوکان تھی، لیکن بعد میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ اور ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء میں انتقال کیا، کچھ قصیدے اور اردو غزلوں کا ایک دیوان چھوڑ گئے ہیں۔

حسرت نے ایک طویل مدت تک مشق سخن کی۔ شاعر دوں کی تعداد کثیر ہے، ان کے شاعر دوں میں نواب محبت خاں خلف نواب حافظ الملک رحمت خاں اس لحاظ سے بہت اہم ہیں کہ انہوں نے شعرا کی اپنے زمانہ میں جس طرح سرپرستی کی ہے وہ اس دور کے کسی امیر کے ہاں نہیں ملتی ہے، نواب محبت خاں کے بارے میں مصحفی نے لکھا ہے کہ وہ زیور فضل و کمال و حلم و جفا سے آراستہ اور علم آداب و طریق سلوک و تہذیب اخلاق میں یکتا تھے یہ شاعر دوں کا بھی سلسلہ تھا میر ضیاء الدین عبرت نے ان سے

۱۔ میر بقول شورش۔

۲۔ گلشن ہند ص ۸۲

۳۔ گلشن بے خار ص ۵۶ گلستان بے خزاں ص ۶۸

۴۔ متصل اکبری دروازہ، تذکرہ ہندی ص ۸۲

۵۔ یادگار شعرا ص ۶۱ (بحوالہ سرور و عشقی) ۶۔ تذکرہ ہندی ص ۲۲۱

کب سخن کیا تھا بلکہ

حسرت کے شاگردوں کی فہرست طویل ہے۔ ان میں خواجہ حسن (تذکرہ ہندی ص ۱۸۴) گلشن بے خار ص ۵۹، مرزا احمد علی قیس گلشن بے خار ص ۱۶۰، تذکرہ ہندی ص ۱۸۴، نواب شمس الدولہ قسمت (تذکرہ ہندی ص ۱۹۶) وحشت (گلشن بے خار ص ۲۳۳) تذکرہ ہندی ص ۲۳۳، بینوا (یادگار شعرا ص ۲۱) شجاعت اللہ خاں ثنابت (یادگار شعرا ص ۲۹) تذکرہ شعرائے اردو ص ۲۶، قلندرخش جرات (یادگار شعرا ص ۵۱) تذکرہ شعرائے اردو ص ۵۲، میر قدرت اللہ نصرت (یادگار شعرا ص ۸۲) قوس لکھنوی (گلشن بے خار ص ۱۶۰) محمد بیگ قناعت لاہوری (یادگار شعرا ص ۱۴۰) گداز (یادگار شعرا ص ۱۴۲) مدحت لکھنوی (گلشن بے خار ص ۱۴۲) قابل ذکر ہیں۔

میر حسن نے حسرت کو فہمائے زماں اور جو اہر معانی سے آراستہ لکھا ہے بہ وسیلہ فن شاعری حسن علی خاں بہادر کی سرکار میں سرفراز رہے بلکہ حسرت کے بیٹے ارمان بھی شاعر تھے جہ صاحب گلشن بے خزاں نے ارمان کو دیباچہ شرفی کے مشابہت میں شمار کیا ہے۔

حکیم عبدالرحیم

ہندوستانی دو خانہ سے وابستہ رہ کر جنہوں نے اپنی تمام زندگی اور قوت عمل اس کے لیے وقف کی ان میں ایک حکیم عبدالرحیم تھے۔ یہ مدرسہ لیبہ کے متقدم تھے۔

۱۔ گلشن بے خار ص ۱۳۳

۲۔ تذکرہ شعرائے اردو ص ۶۰

۳۔ گلشن بے خار ص ۲۶

۴۔ گلستان بے خزاں ص ۱۴

فن دواسازی کے ماہر اور بیغہ مفردات و مرکبات پر زبردست عبور رکھنے والے تھے۔
ابتدائی عمر سے آخر تک دواخانہ کی خدمات میں سرگرم کار رہے اور مشاہدہ کی طرف
سے بے پروا رہے۔

میرضیاء الحسن

میرضیاء الحسن سرسید احمد خاں کے قریبی رشتہ دار تھے، ابتدا سے ہندوستانی
دواخانہ کے دواساز رہے ان کی عطاری کی ذاتی دوکان تھی، اسے بند کر کے دواخانہ کی
ملازمت اختیار کی تھی۔ نواب اکبر علی خاں نے انہیں دواخانہ میں رکھوایا تھا، ۳۰-۳۲ برس
دواخانہ میں ملازم رہے۔

بشیر الدین احمد نے بلی ماران کے دو مشہور عطاریوں جمال الدین اور فیض الحسن کا
ذکر کیا ہے جو بلی ماران میں رہتے تھے۔ مرزا سنگین بیگانے کو چہرہ حنّ میں پنساریوں
اور عطاریوں کی دوکانوں کی موجودگی کا لکھا ہے۔ یہ محلہ بلی ماران سے جہاں طبیبوں کی
کثرت تھی، قریب ہی واقع ہے۔

حکیم میر انوار احمد

دہلی میں دواسازی کو بطور فن نرینی دینے میں بہت نمایاں شخصیت میر انوار احمد

۱۔ جات اجل (درشید احمد) ص ۱۰۸

۲۔ ایضاً ص ۱۱۱

۳۔ سیر المنازل ص ۴۱

کی ہے۔ ان کے والد میر فخر الدین ادویہ کی نیاری میں خصوصی مہارت رکھتے تھے، حکیم محمود خاں، حکیم اجمل خاں اور خاندان شریفی کے دیگر اہلباک کی خاص دوائیں ان کے ہاں تیار ہوتی تھیں، میر فخر الدین کے بعد یہ خدمت ان کے صاحبزادہ میر انوار کی طرف منتقل ہوئی۔

میر انوار احمد کون دواسازی خصوصاً فن اکسیر اور کشتہ سازی کے دشوار کام میں ماہر خصوصی ہونے کا درجہ حاصل تھا۔ طب یونانی کی دواؤں کو نئے لباس سے آراستہ کرنے میں ان کا بڑا حصہ ہے، ہندوستانی دواخانہ نے یونانی دواسازی کی اصلاح و ترقی کے سلسلہ میں جو خدمت انجام دی ہے وہ بڑی حد تک ان کی کاوشوں کی رہنمائی ہے۔ سفار الملک حکیم رشید احمد خاں نے لکھا ہے، ”طب قدیم کے شعبہ ادویات میں سب سے نمایاں کام حکیم اجمل خاں کے معتمد اور تربیت یافتہ میر انوار احمد کے معمل میں ہوا، جہاں خاص دوائیں ہندوستانی دواخانہ کی تیار ہوا کرتی تھیں، میر صاحب نے ایک طبع استعداد اس فن کی مبداء فیاض سے پائی ہے، اور حاذق الملک کے شرف صحبت اور سالہا سال کی مشق و مہارت نے ان کو اس درجہ پر پہنچایا کہ ان کے معمل کی بنی ہوئی دوائیں یورپ کی ترقی یافتہ دواسازی کا نمونہ ہندوستان میں پیش کرنے لگیں۔“

میر انوار احمد حکیم اجمل خاں کے بڑے معتمد اور خاص آدمی تھے، حکیم صاحب کے خاص بحربات اور ہندوستانی دواخانہ کی وہ تمام خاندانی دوائیں جو راز میں رکھنے کی ہوتی تھیں انہی کے ہاں تیار ہوتی تھیں، حکیم اجمل خاں کے مطب میں ان کی دواؤں کا صندوقچہ بہت اہمیت رکھتا تھا، اس کے ہنرم بھی میر انوار احمد تھے، وہی صندوقچہ پر بیٹھتے تھے اور ہزاروں روپیہ مہینہ کی دوائیں مفت لوگوں کو تقسیم کرتے تھے۔

میر صاحب ذاتی طور پر بہت فیاض، سیر چشم اور داد و بخش کے آدمی تھے، وہ اپنے

پاس سے بھی دواؤں کی بڑی مقدار بلا قیمت تقسیم کرتے تھے۔ اجمل خاں کے مطب میں بلا قیمت تقسیم ہونے والی دواؤں میں ان کا حصہ ہونا تھا۔ جواہر مہرہ، حب جواہر کشتہ طلا اور دوسری قیمتی دوائیں ملنے والوں کو خوشی سے دیا کرتے تھے، حکیم اجمل خاں کا انتہائی ادب و احترام کرتے تھے بڑے نستعلیق ثالیسنہ اور مہذب آدمی تھے۔ دیانت و اخلاق کی عام شہرت تھی۔

۱۹۳۶ء میں آصف جاہ سابع میر عثمان علی خاں اس زمانہ کے ویسراے لارڈ ولنگڈن کو الوداع کہنے دہلی آتے تو حکیم میر انوار احمد کے دواخانہ میں بھی قدم رنجہ فرمایا اور ان کے مرکبات دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ حیدرآباد میں اس دواخانہ کی شناخ کے قیام کی تجویز کو انہوں نے پسند کیا، اور قیام دہلی ہی کے زمانہ میں اپنے دست مبارک سے حکیم میر انوار احمد کو ایک مکتوب کے ذریعہ دواخانہ کے قیام کی صورت میں ہر ممکن مدد کا یقین دلایا۔ نظام کا یہ مکتوب میں نے خود ان کے صاحبزادہ حکیم میر بصیر احمد کے پاس دیکھا ہے۔ وہ بعینہ نقل ہے۔ دہلی ۱۲ مارچ ۱۹۳۶ء دواخانہ کی ادویہ (بہ شکل مرکبات و مفویات) جو پیش کی ہیں اور جس عقیدت کے ساتھ ان کو تیار کیا تھا اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھنا ہوں۔

۷۔ یہ سن کر مجھے مسرت حاصل ہوئی کہ نم ارادہ رکھتے ہو کہ تمہارے دواخانہ کی ایک شناخ حیدرآباد میں بھی قائم ہو جائے، لہذا جب یہ وجود میں آجائے گی تو مجھے یقین ہے کہ میری گورنمنٹ اس کی حوصلہ افزائی کرے گی۔ بایں خیال کہ یہ بہت عمدگی اور احتیاط سے تیار کی جاتی ہیں جو خود ادویہ کے رنگ و روغن سے ظاہر ہے، اور دوسری طرف پبلک کو اس سے بہت فائدہ پہنچے گا کہ خود ریاست حیدرآباد میں ایک عظیم الشان یونانی دواخانہ قائم ہو رہا ہے اور جس کی اسکیم پر غور کرنے کے لیے مشاہیر حکما کی کمیٹی حال میں ہوئی تھی، بہر حال ”سالیکہ نیکوست از بہار شنس پیدا“ دکھائی دے رہا ہے، اور میں یونانی ادویہ کا دلدادہ ہوں، فقط آصف سابع۔

چنانچہ ۱۹۳۶ء میں حکیم میر انوار احمد حیدرآباد منتقل ہو گئے اور وہاں اپنا دواخانہ

قائم کیا، یکم صفر ۱۳۵۵ (۲۳ اپریل ۱۹۳۶ء) کو ریاست کے چیف سکریٹری نواب کاظم یار جنگ نے نظام کی جانب سے ذریعہ فرمان دواخانہ کا نام "مخزن ادویہ مجیدیہ" رکھا۔ اور ۲ اکتوبر ۱۹۳۶ء نظام نے بنفس نفیس اس کا افتتاح کیا، میں یہاں چیف سکریٹری کا خط بھی نظام کی طب یونانی سے دلچسپی کے پیش نظر نقل کرنا ہوں، "بخدمت شریف جناب حکیم انوار صاحب دہلوی۔ آپ کو تخریر کرنے کے لیے سرکار کا جو حکم ہوا ہے وہ حسب ذیل ہے۔

"مجھے یہ معلوم ہونے پر مسرت ہوئی کہ تم اپنے ارادہ کے مطابق اپنے دواخانہ کی شناخت جیدرآباد میں بھی قائم کرنے کی غرض سے یہاں آتے ہو تاکہ یہاں کی مخلوق خدا کو عمدہ ادویہ میسر ہوں، کیونکہ پبلک کو تمہاری تیار کردہ ادویہ پر کامل بھروسہ ہے اس لیے کہ تم نے حکیم اجمل خاں صاحب سے تجربہ حاصل کیا ہے اور ایک زمانہ میں ان کے دست راست سمجھے جاتے تھے، جس کی تصدیق حکیم مقصود علی نے کی ہے اور یہی وجوہ کی بنا پر میں تمہارے کارخانہ کی افتتاح یکم آذر سنہ فصلی آئندہ کو کروں گا جو میرے پوتے مکرم جاہ کی پیدائش کی تاریخ ہے اور دواخانہ کا نام مخزن ادویہ مجیدیہ رکھوں گا کیونکہ میرے پوتے کا عرفی نام مجیدی پادشاہ ہے جو کہ خلیفہ کے نام سے لیا گیا ہے جو کہ رشتہ میں حقیقی نانا ہوتے ہیں۔ اور تمہارے دواخانہ کے لیے کائی گرانٹ مقرر کرنے کے متعلق کارروائی کی جائے گی، جس وقت یہاں کے شفاخانہ جات کی تنظیم کا مسئلہ طے پائے گا اور سرکاری صدر یونانی شفاخانہ کی افتتاح میں آئندہ ماہ رجب میں کرنے والا ہوں جو کہ میری پیدائش کا مہینہ ہے۔"

ریاست جیدرآباد کے خاتمہ کے بعد حکیم میر انوار احمد دہلی واپس آئے کرنل بشیر حسین زبیدی طبیبہ کالج اور ہندوستانی دواخانہ کے دہلی ایڈمنسٹریشن کے زیر انتظام آنے کے بعد چیرمین مقرر ہوتے تو انہوں نے ہندوستانی دواخانہ کو جو تقسیم ملک کے بعد تباہی کا شکار ہو گیا تھا از سر نو ترقی دینے کا کام شروع کیا اور اس کے لیے میر انوار احمد کی خدمات حاصل کیں، اور کام کے پہلے مرحلہ میں ان سے

کئی ہزار روپیہ کی مصنوعات تیار کر کے دو خانہ کے لیے خریدیں ان مصنوعات کے معائنہ کے لیے زیدی صاحب نے علی گڑھ سے شہنشاہ الملک حکیم عبداللطیف صاحب کو بلا پایا۔ وہ حکیم محمد اسلم صدیقی کے ہمراہ دہلی گئے اور میر صاحب کے تیار کردہ مرکبات کے بارے میں پسندیدگی کا اظہار کیا۔

۱۹۵۷ء میں میر انوار احمد نے وفات پائی۔ ان کے بیٹے میر بصیر احمد بھی کامیاب دو ساز ہیں، اور انہیں بہتر خاندان سے ورثہ میں ملا ہے، عمر کی آخری منزلوں میں ہیں اور صاحب فراش ہیں۔

عطار برادری

طبیبوں کے متعدد خانوادوں کی طرح دہلی میں آج بھی ایک عطار برادری موجود ہے اس کے جد اعلیٰ حکیم محمد عطار تھے۔ جن کا سلسلہ نسب عبدالرحمن بن ابوبکر صدیق سے ملتا ہے حکیم محمد عطار نے دہلی میں دو ساز کی حیثیت سے بڑا نام پیدا کیا، ان کے صاحبزادہ حکیم عبدالقادر عطار نظام جبر آباد کے ہاں دو سازی کی خدمت پر مامور رہے، ادویہ کی تیاری میں انہیں بڑا ملکہ حاصل تھا، ان کے بیٹے حکیم قابل عطار تھے۔ فن دو سازی میں ان کا ثانی نہیں تھا، جید لہ و نکلیس کے ماہر بنیں۔ میں ان کا شمار ہے، دہلی کا مشہور کوچہ قابل عطار ان کے نام کی یاد دلاتا ہے، ان کی اولاد میں اکثر لوگ فن دو سازی میں مہارت پیدا کر کے اس پیشہ سے وابستہ ہوئے، اور عطار برادری کا وجود میں آئی۔ بشیر الدین احمد نے لکھا ہے کہ کوچہ رحمن کے قریب کوچہ قابل عطار ہے۔ جو کسی صاحب فن عطار کی یاد دلاتا ہے۔ یہاں انہوں نے قابل عطار کو اسم کے بجائے توصیفی معنی میں سمجھا ہے۔

۱۔ شہنشاہ الملک نقوش و تاثرات ص ۳۱

۲۔ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۲۳۸

اس برادری میں حکیم رضی الدین کے صاحبزادوں حکیم عزیز الدین اور حکیم حبیب الدین نے بڑی شہرت حاصل کی، حکیم عزیز الدین کے بیٹے حکیم محمد مظہر نے قدیم دواخانہ کے نام سے بی ملان میں دواخانہ قائم کیا، کافی بڑی عمر میں انہوں نے جامعہ طبیبہ میں داخل ہو کر وہاں سے بی آئی ایم ایس کیا تھا، راقم سطور کے شاگرد تھے۔ اب ان کے بیٹے حکیم محمد عدیل یہ دواخانہ چلا رہے ہیں۔

حکیم رضی الدین کے برادر نسبتی حکیم حاجی ممتاز الدین نے فراش خانہ میں مشہور دواخانہ برٹے اہتمام سے قائم کیا، ان کے بعد ان کے صاحبزادہ حکیم مصباح الدین نے اسے سنبھالا، حکیم مصباح الدین برٹے شایستہ نستعلیق اور پابند صوم و صلوة تھے۔ مطب کا سلسلہ بھی رہتا تھا، آج کل ان کے بیٹے حکیم فیروز الدین دواخانہ کے نگران ہیں۔ حکیم مصباح الدین کے بھائی حکیم محمد تقی کا کراچی میں مشہور پریس ہے۔

حکیم ممتاز الدین کی بیوی کے چار بھائیوں حکیم اعجاز الدین، حکیم نعیم الدین، حکیم حفیظ الدین اور حکیم قیام الدین نے علاحدہ علاحدہ دواخانے قائم کئے، حکیم حفیظ الدین کے بیٹے حکیم محمد انیس اور حکیم انور انیس کا بی ماران میں شمسی دواخانہ ہے۔

حکیم رحیم الدین بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے صاحبزادہ حکیم فضل الدین ممتاز طبیب تھے، انہوں نے ۱۹۵۱ء میں کٹرہ ہدو میں صدر دواخانہ قائم کیا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے حکیم فیاض الدین نے اسے ترقی دی آج کل حکیم فیاض الدین کے دوسرے بھائی حکیم شباب الدین اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔

حکیم فیاض الدین کے تیسرے بھائی حکیم ارباب الدین نے ۱۹۸۳ء میں صدر لیبارٹریز کے نام سے کٹرہ ہدو میں ایک یونانی فارمیسی قائم کی ہے، حکیم فیاض الدین کے بیٹے افتخار الدین بھی اس لیبارٹری سے وابستہ ہیں، حکیم رحیم الدین کے دوسرے بھائی حکیم غفور الدین اور حکیم محمد حفیظ الدین کے بھی الگ دواخانہ تھے۔

اسی برادری کے ایک رکن حکیم حمید الدین نے بی ماران میں یونانی دواخانہ قائم کیا تھا جو اب ان کے بیٹے حکیم ممتاز الدین کی نگرانی میں چل رہا ہے۔

چند مشہور جراح

عطاری کے علاوہ دہلی میں جراحی کا بھی ماہرانہ سلسلہ رہا ہے، حاذق معالجین کی طرح ماہر جراح بھی وہاں ہمیشہ موجود رہے، ان کی مہارت اور مشافی کے بہت سے واقعات ہیں۔ ان کے پاس مرہم، ضماد، روغن، شیاف، پٹی وغیرہ کے کامیاب نسخے ہوتے تھے۔ اعمال جراحی، نشتر، فصد، پچھنا، سینگی، داغ دینے اور جونک لگانے میں انہیں ملکہ حاصل تھا۔ جوڑوں کو بٹھانے، لوٹی ہڈی جوڑنے اور خراب سے خراب منعفن زخموں کو صاف کرنے اور ٹھیک کرنے کے بڑے گراہیں معلوم تھے۔ ان کا پیشہ بھی خاندانی تھا۔ عطاریوں کی طرح ان میں بھی صاحب حیثیت اور صاحب ذوق ہوتے ہیں۔

بندر ابن جراح

عہد اکبری میں جہاں درگ مل، چندر سین، بھسروں اور بہار جیو جیسے ماہر جراح تھے، وہاں شاہ جہاں کے زمانہ سلطنت میں بندر ابن جراح بہت ماہر اور نامور خیال کیا جاتا تھا، بادشاہ تک اس کی رسائی تھی۔ ۱۱۰۷ھ / ۱۶۹۵ء کو شاہ جہاں کو حرارت کے ساتھ پیش اور جس بول کی تکلیف ہوئی تو بندر ابن کے علاج سے اسے فائدہ ہوا اور پیشاب کھل کر آنے لگا لیکن کمزوری بہت تھی، بالآخر یہی علالت شاہ جہاں کی موت کا باعث ہوئی۔

۱۔ البائے عہد مغلیہ ص ۶۳ بحوالہ تاریخ ہندوستان جلد ۷، ص ۵۲۲ و عمل صالح

جلد ۳ ص ۳۲۹

بندہ علی جراح

حکیم المملک علی نقی خاں کا پیشا تھا۔ دہلی میں پیدا ہوا۔ مگر مرشد آباد چلا گیا تھا، اور وہاں بہت ماہر جراح خیال کیا جاتا تھا۔ امر اکامعالج رہتا تھا، صولت جنگ (وفات ۱۱۶۹ھ / ۱۷۵۵ء) کا بھی اس نے علاج کیا تھا۔

مترسین ناگر

نیکوسیر ولد محمد اکبر ولد اورنگ زیب کے منوسلین میں تھا، ۱۰۸۹ھ / ۱۶۷۸ء میں محمد اکبر نے بغاوت کی تو عالمگیر نے نیکوسیر کو جو شیر خوار تھا اکبر آباد کے قلعہ میں قید کر دیا تھا۔ اسے مترسین کی امداد ہی سے رہائی نصیب ہوئی تھی، اس نے امیر الامرا حسین علی کے زخم کا بھی علاج کیا تھا، نیکوسیر کی طرف داری ہی کی بنا پر ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۸ء میں مارا گیا، زخموں اور بعض بیماریوں کے علاج میں شہرت حاصل تھی لہ

سید فضل علی

سید فضل علی بن میر شاہ علی بن میر کریم علی شاہ جہاں آبادی نے ڈاکٹر پائن سے گیارہ برس طب اور جراحی سیکھی تھی۔ بیہ دہلی سے لکھنؤ منتقل ہو گئے تھے، وہاں نصیر الدین حیدر کے زمانہ میں جراحات میں بڑی شہرت پائی۔ مفید الاجسام کے نام سے ان کی ایک کتاب

۱۔ اطبائے عہد مغلیہ ص ۴۳ بحوالہ سیر المناخرین ص ۸۲۳

۲۔ ایضاً ص ۱۶۹ بحوالہ منتخب اللباب جلد ۳ ص ۸۳۷

ہے۔ لب یونانی میں جراحت کے لیے مستعمل دواؤں کا یہ اچھا مجموعہ ہے۔

غلام ناصر جراح

ان کے بزرگ کثیر کے رہنے والے تھے، لیکن ایک زمانہ سے دہلی میں آباد تھے۔ غلام ناصر دہلی میں پیدا ہوئے، جراحی آبائی پیشہ تھا، یہ حافظہ رمضان جراح کے بیٹے تھے اور خود ذی بیاقت اور اچھے جراح تھے، یہ اس فن میں انہیں بڑی مہارت تھی۔ بہادر شاہ ظفر کے ہاں طبقہ جراحان میں داخل تھے، قدرے تحصیل طب بھی کی تھی، مؤدب اور ظریف تھے۔ گلشن بے خار کی تعینف کے وقت ان کے انتقال کو کچھ ہی عرصہ ہوا تھا، اردو میں شعر کہتے تھے یہ

ایک دم نہیں ہے اس بت خورشید رو کو چین
جراح نانگ دینے میں متا کر درنگ تو

پھرنے میں جیسے کوکب سبار گرم ہے
اس واسطے کہ زخم مرے یار گرم ہے

ولی محمد طبیب

دہلی میں جراحی کا کام کرتے تھے۔ ذوق کے شاگرد تھے، طبیب نخلص تھا یہ

پورن سنگھ پورن

طبیبوں کی علمی محنت، ارتباط اور مذاق شعر و ادب سے عطاروں اور جراحوں کی طرح

۱۔ یادگار شعرا ص ۵۱ بحوالہ تذکرہ قایم

۲۔ گلستان سخن ص ۱۸۶

۳۔ عمدہ منتخبہ ص ۱۵۰ ۱۵۱ یادگار شعرا ص ۱۱۱ د بحوالہ ذکا

طب ہندی کے ماہر بن بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے، سنسکرت اور کتب ہنود میں مہارت کے ساتھ فارسی اور اردو ادب و شاعری سے ان کا تعلق رہا۔ ایسے ہی صاحب ذوق لوگوں میں پورن سنگھ پورن تھے دہلی کے قدیم کاہنہ خاندان سے تعلق تھا۔ سعادت بار خاں رنگین کے شاگرد تھے، علم سنسکرت میں استعداد کامل اور طبابت ہندی میں مہارت تمام رکھتے تھے۔ فارسی میں بھی بقدر ضرورت روکش سواد تھے۔ اردو میں اشعار ہیں یہ سخن شعر کی تصنیف یعنی ۱۸۶۲ء/۱۸۶۵ء کے آس پاس انتقال کیا ہے

تلسی دام صمیم دہلوی

طب ہندی میں ماہر اور مجربات و پیدک کے وسیلہ سے اکثر امراض مزمنہ کے ازالہ پر قادر تھا، خصوصاً کشتہ ہائے فلزات کے استعمال میں بڑی مہارت اور علاج جذام اور وجع مفاصل وغیرہ کی تدبیر میں خاص ملکہ رکھتا تھا۔ فارسی سے بقدر ضرورت آگاہ اور کتب ہنود خصوصاً فن موسیقی کی پوختیوں سے بڑا واقف کار اور صاحب اتبہا تھا۔ سنار بجانے میں جواب نہیں تھا اردو میں شعر کہتا تھا یہ

دلی کی طبی عمارتیں اور آثار

دار الشفا: عہد سلطنت کے دلی کے شفا خانوں اور طب اور لیبیوں سے متعلق

۱۔ گلستان سخن ص ۱۴۲

۲۔ سخن شعرا ص ۷۹

۳۔ گلستان سخن ص ۳۲۳ ۲۔ سخن شعرا ص ۲۸۴

عمارتوں کے مقام و آثار کا پتہ نہیں ہے، لیکن شاہ جہاں آباد کی پہلی طبعی عمارت دارالشفاء ہے جس کی تاریخ شاہ جہاں آباد کی تاریخ کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔

شاہ جہاں آباد کے قیام کے وقت جہاں ۱۶ اکتوبر ۱۶۵۰/۶۲۶۰ھ میں جامع مسجد کی بنیاد رکھی گئی، وہیں تختینا ۱۶۰۶-۱۶۵۰ء ہی میں جامع مسجد کے مغربی دونوں کونوں میں شمال کی طرف دارالشفاء اور جنوب کی طرف دارالبتقا کی دو عمارتیں بھی تعمیر ہوئیں، دارالبتقا مدرسہ تھا جس میں معقول و منقول کی تعلیم ہوتی تھی، اور دارالشفاء میں مریضوں کا علاج کیا جاتا تھا بادشاہ کی طرف سے طبیب مقرر تھے، اور بیماروں کو بلا قیمت دوائیں ملتی تھیں۔ سرسید نے اپنے زمانہ میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ اب وہ کارخانہ نہیں رہا، بادشاہ زادوں نے اس پر مکان بنالیے، ہیں اور رہتے ہیں بلکہ ان میں شیش محل بعد تک موجود رہا ہے۔

۱۸۵۷ء سے پہلے ان عمارتوں کی حالت خراب و خستہ ہو چکی تھی، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی پاداش میں انگریزوں نے یہ دونوں عمارتیں منہدم کر دیں اور میدان بنادیا۔ اس طرح یہ دارالشفاء جو شاہ جہاں آباد کے ساتھ شروع ہوا تھا، شاہ جہاں آباد کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔

دارالشفاء یونانی

دہلی میں انگریزی عمل و عمل کے بعد شروع سے بدیسی حکومت کی پالیسی مندرجہ

۱۔ سیرالمنازل ص ۱۸

۲۔ آثارالصنادید ص ۲۸۳

۳۔ انتخاب ذکار اللہ ص ۹۵

۴۔ وافعات دارالحکومت جلد ۲ ص ۱۳۳

و حرفت کی طرح ویسی علوم کی موافقت میں نہیں تھی، ویسی طبوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا۔ مغربی علوم اور مغربی طب کی طرف ہندوستانیوں کو راغب کرنے کے لیے ہر سطح پر کوششوں کے باوجود زبردست مزاحمت کا سامنا تھا، طب مغرب کی اشاعت میں سب سے بڑی مشکل طب یونانی تھی، جو ایک بہت جاندار نظام طب کے طور پر صدیوں سے ہندوستان میں رائج تھی، اور یہاں کے لوگوں کا اس پر گہرا اعتماد تھا چنانچہ یہ اسی کا اثر تھا کہ دہلی میں انگریزی عملداری کی ابتدا میں ایک یونانی شفا خانہ کھولنا ضروری سمجھا گیا، یہ شفا خانہ دہلی کی جس تاریخی عمارت میں قائم کیا گیا تھا اس کی تفصیلی تفصیل اس لیے بھی ضروری ہے کہ دہلی کی تعلیمی اور ثقافتی زندگی سے اس کا گہرا رشتہ جڑا ہوا ہے۔

اجیری دروازہ کے باہر اینگلو عربک اسکول اصل میں مدرسہ غازی الدین خاں تھا جسے غازی الدین خاں فیروز جنگ نے ۱۱۲۲ھ/۱۷۱۰ء میں بنوایا تھا، اسی مدرسہ میں ۱۸۲۵ء میں حکومت نے ایک علوم مشرقی کا کالج قائم کیا بلکہ یہ دلی کالج کے نام سے موسوم ہوا اس کے مدرس اول مولوی رشید الدین خاں تھے جن کے شاگرد مولانا مملوک علی نانوتوی کے فیضان درس سے بیکروں نے استفادہ کیا، سرسید احمد خاں، ذکار اللہ ڈپٹی نذیر احمد جیسی نامور شخصیتیں یہاں سے نکلیں، یہ کالج اس عمارت میں ۱۸۴۲ء تک رہا۔ ۱۸۴۲ء میں دہلی کالج نئے اصول پر قائم کیا گیا اور کشمیری دروازہ میں رزیدنسی کی اس عمارت میں منتقل ہوا جس میں پہلے سرکاری کالج تھا، یکم اپریل ۱۸۷۷ء میں

۱۔ غازی الدین خاں فیروز جنگ ثانی خلف نظام الملک آصف شاہ مورث اعلیٰ نظام دکن، ۱۷۴۸ء میں وفات پائی۔

۲۔ مولوی عبدالحن کی تحقیق کے مطابق اورینٹل کالج کی ابتدا ۱۸۲۵ء میں نہیں ۱۷۹۲ء میں ہوئی تھی۔ درجوم دلی کالج ص ۱۲

دلی کالج ختم ہوا، لیکن مدرسہ غازی الدین کی عمارت علوم مشرقی کے کالج کی تفویض میں رہی جو طلبہ بورڈنگ ہاؤس کے کام آتی تھی، اور ایک علوم مشرقی کا کالج بطور بڑے کالج کی شناخت کے یہاں چندہ سے کھولا گیا، اس کے بعد یہ عمارت پرنسپل سے لے کر اس میں ضلع کلکٹر نے ۱۸۵۷ء سے پہلے ایک یونانی دواخانہ کھولا، جس کا نام دارالشفائے یونانی رکھا۔ مغلیہ عہد کے پہلے شفاخانہ دارالشفاء کی طرح یہ شفاخانہ، نہ صرف دہلی میں بلکہ ہندوستان کے کسی بھی حصہ میں پہلا یونانی شفاخانہ تھا جو انگریزی حکومت کے ہاتھوں قائم ہوا، اس شفاخانہ میں ایک طبیب مقرر تھا، دوائیں بلا قیمت دی جاتی تھیں اور طلبہ کے کمروں میں مریض رہا کرتے تھے، غدر ۱۸۵۷ء کے تین سال بعد تک بھی یونانی شفاخانہ یہاں رہا۔ ۱۸۶۰ء میں یہ عمارت پولس کو مل گئی۔ فروری ۱۸۹۰ء میں پولس سے خالی کر کے یہ عمارت پھر مدرسہ کو دی گئی۔ آگے چل کر اس مدرسہ کو کالج بنانے میں دہلی کے دوسرے لوگوں کے ساتھ مسیح الملک حکیم اجل خاں کی کوششوں کا خاص حصہ ہے۔

یہاں دہلی میں پہلے ایلوپیتھی ہاسپٹل کا تذکرہ کرنے میں حرج نہیں ہے۔ جامع مسجد سے اسپلیٹ روڈ پر ۱۸۶۸ء میں سول ہاسپٹل (صدر شفاخانہ سرکاری) کی عالی شان اور بہت وسیع عمارت سنگ سرخ کی مغلیہ طرز پر بنائی گئی۔ اس کا صدر دروازہ پائے والوں کے بازار کی طرف تھا، دہلی میں یہ ایلوپیتھی کا پہلا سرکاری ہسپتال

۱۸۷۷ء میں دلی کالج ٹوٹنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور کی اہمیت بڑھ گئی اور دلی کالج کا عملہ بھی وہیں منتقل کیا گیا (یادگار غالب ص ۲۸) مگر دہلی کالج کے لیے کوششیں جاری رہیں، ۱۹۲۲ء میں یہ اینگلو عربک کالج کے نام سے قائم ہوا، ابتدا میں انٹرمیڈیٹ تک کی تعلیم تھی بعد میں گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ کلاسیں شروع ہوئیں، ۱۹۴۱ء تک اس کا نام اینگلو عربک کالج رہا، ۱۹۴۸ء سے پھر اس کا نام دلی کالج ہو گیا۔

۱۲۸ دہلی کے قدیم مدارس و مدرسوں ص ۱۲۸

۵۷۱ واقعات دارالحکومت جلد ۲ ص ۵۷۱

تھا۔ ۱۹۰۳ء میں اسی ہسپتال میں عورتوں کے لیے لیڈی ڈفرن ہسپتال قائم کیا گیا۔

دکتوریہ زمانہ ہسپتال ۱۹۰۶ء میں قائم ہوا۔

یکمبرج مشن جو ۱۸۵۰ء میں کونزروڈ کی ایک عالی شان عمارت میں قائم تھا، اس کے

زیر اہتمام ۱۸۶۲ء میں ایک زمانہ شفاخانہ کھولا گیا، ۱۸۸۲ء میں شفاخانہ کے لیے چاندنی

چوک میں ایک شاندار عمارت تیار کی گئی، جس میں بعد میں بینک آف بنگال کھلا، اور

شفاخانہ تیس ہزار می کے میدان میں مٹھائی کے پل کے پاس اپنی نئی عمارت میں منتقل ہوا۔

۱۹۱۲ء میں لیڈی ہارڈنگ ہسپتال کالج کے قیام کی تحریک شروع ہوئی تو اب

سلطان جہاں بیگم والیہ ریاست بھوپال نے تیس ہزار اور پچھربیس ہزار روپیہ کے

دو گراں قدر عطیے دیے، فروری ۱۹۱۶ء میں لارڈ ہارڈنگ نے کالج کا اور ۱۹۱۷ء میں

لیڈی چیمفورڈ نے ہسپتال کا افتتاح کیا، یکم ستمبر ۱۹۱۵ء سے اس کالج کا پنجاب

یونیورسٹی سے الحاق ہوا تھا۔

۱۹۱۹ء میں واقعات دار الحکومت کی تصنیف کے وقت تک دہلی میں انگریزی

علاج کی تمام سہولتوں کے باوجود یہ حال تھا کہ مصنف واقعات نے لکھا ہے، "دلی والے

زیادہ تر یونانی علاج کے معتقد ہیں اور میرے خیال میں انگریزی دواخانوں سے بھی

زیادہ مرجوعہ یونانی حکیم صاحبوں کا ہے۔"

انجمن اشاعت علوم

جدید مغربی علوم کی دیسی زبانوں میں تدریس و تعلیم میں سب سے اہم مسئلہ ان

۱۔ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۱۸۱

۲۔ ایضاً ص ۱۳۹

۳۔ ایضاً ص ۲۵۱

۴۔ ایضاً ص ۱۲، ۱۹، ۱۸۱

زبانوں میں ان علوم کی کتابوں کی عدم دستیابی کا تھا۔ چنانچہ اس امر کی شدید ضرورت محسوس کی گئی کہ ان علوم کی بنیاد می اور اچھی کتابیں دیسی زبانوں میں منتقل کی جائیں۔ اس کے لیے ایجوکیشنل کمیٹی کے نام سے ۱۸۳۵ء میں دہلی میں ایک سوسائٹی قائم کی گئی۔ اس سے قبل اسکول بک سوسائٹی کے زیر اہتمام بھی کافی کتابوں کے ترجمے کئے گئے تھے۔ لیکن وہ کتابیں صرف اسکول کے نصاب سے تعلق رکھتی تھیں،

دلی میں ۱۸۴۳ء میں ایک اور سوسائٹی، "ورنا کولر ٹرانسلیشن سوسائٹی" انجمن اشاعت علوم بذریعہ السنہ ملکی، قائم کی گئی اس کا مقصد ترجمہ با جدید کتب کی تالیف کے ذریعہ دیسی زبانوں کو ترقی دینا اور ان میں مفید علوم منتقل کرنا تھا، اردو کو علمی زبان بنانے کی یہ پہلی سعی تھی جو خاص اصول اور قاعدہ کے مطابق عمل میں آئی، سوسائٹی کے تراجم اور تالیفات میں درسی کتابوں اور سائنسی، سماجی، تاریخی، ادبی و مذہبی کتابوں کے علاوہ طب کی درج ذیل کتابیں شامل تھیں بلکہ

۱۔ علم و عمل طب (عربی سے ترجمہ)

۲۔ حفظان صحت

۳۔ عضویات (منافع الاعضا)

۴۔ تذکرہ حکما

۵۔ رسالہ طب

۶۔ رسالہ جراحی

۷۔ حکماء یونان

۸۔ رسالہ طب (دیگر)

اس سوسائٹی کا قیام اگرچہ مسٹر بروس کی مساعی سے عمل میں آیا تھا۔ لیکن ڈاکٹر اے اسپرنگر نے اسے بہت آگے بڑھایا، یہ پیشہ کے اعتبار سے ڈاکٹر تھے اور

اسٹنٹ سرجن بنگال سروکس تھے، اور مسٹر بروس کی جگہ دلی کالج کے پرنسپل کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا تھا۔ یہ عربی زبان و ادب کے عالم تھے، دلی کے مسلمان شرفا اور اہل علم میں انہوں نے جلد اثر پیدا کر لیا۔ شہر میں وہ بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، انہوں نے شاہان اودھ کے کتب خانہ کی فہرست بھی تیار کی تھی۔

اطہاکی یادگار عمارت

دہلی میں اطہاکی یادگار جو عمارتیں ہیں، ان کی تفصیل دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔

چھٹنہ حکیم آغا جان: کلاں محل سے آگے گلی راجان کے پاس واقع اس چھٹنہ میں حکیم صاحب اور ان کے اعزہ واقربا رہتے تھے۔ اب نہ وہ چھٹنہ رہا نہ وہ مکین، ایک محلہ کی حیثیت ہو گئی ہے۔ بشیر الدین احمد نے چھٹنہ کا ایک عبرت خیز واقعہ یہ لکھا ہے کہ ”اس چھٹنہ کا ایک لداوی دروازہ تھا، اس کی حالت بہت مخدوش ہو گئی تھی۔ ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں میونسپلٹی نے اس کو گروا یا، چھت اس قدر مضبوط تھی کہ ٹوٹتی نہ تھی اور کدالوں کے منہ پھرے جاتے تھے، عبدالعزیز نامی ایک صاحب ادھر سے گزرے ان کی جو شامت آئی، شیخی میں آکر مزدوروں سے کہنے لگے ”ارے یہاں تماشہ بنا رکھا ہے۔ لاؤ مجھے کدال دو میں آغا جان کا سرتوڑ دوں“ کدال لے اوپر چڑھ گئے، ایک دو کدال لگائی ہوں گی، چھٹنہ کا ایک حصہ آن پڑا، عبدالعزیز کا بیچے کا دھڑ اس میں ایسا بے طور پھنسا کہ کسی سے بن نہ پڑا کہ انہیں نکال سکیں۔ بلیاں سامان لانے میں دیر ہو گئی۔ کئی گھنٹہ وہ معلق رہا اور دم نکل گیا، گئے نئے حکیم آغا جان کا سرتوڑ نے اور خود دام اہل میں گرفتار ہو گئے بلکہ کمرہ حکیم بوعلی خاں: ۱۸۵۷ء میں لال قلعہ کے اطراف انگریزوں نے جو محلے اور بازار منہدم کرائے ان میں فیض بازار بھی تھا۔ یہ بازار شہر کے شمال کی جانب دہلی دروازہ سے لال قلعہ کے نیچے تک تھا۔ اس میں حکیم بوعلی خاں کا کمرہ بھی تھا جس کو نواب دیرالدولہ خواجہ زین العابدین احمد خان بہادر مصلح جنگ نے خرید لیا تھا۔

لہ واقعات دارالحکومت جلد ۲ ص ۱۷۲ دہلی کی یادگار شخصیتیں ص ۲۵ ۷ دہلی کی یادگار ہستیاں ص ۴۱

گلی حکیم بقا: چوڑی بازار میں ہے۔ اس کا دوسرا اسٹنہ حوض قاضی پر نکلتا ہے۔ یہ گلی حکیم بقا خاں سے منسوب ہے اور یہاں ان کے خاندان کے جو طبیب رہتے تھے وہ سب آنکھوں کے علاج کے لیے مشہور تھے، آج بھی اس میں اس خاندان کے لوگ آباد ہیں۔ شاہ جہاں کے زمانہ میں دلی میں چھتیس محلے تھے۔ اور نگاریب کے زمانہ میں جن محلوں کا اضافہ ہوا ان میں کوچہ روح اللہ خاں اور کٹرہ سپہ دار خاں کے علاوہ کوچہ بقار اللہ اور کوچہ قابل عطار بھی تھے۔

کوچہ قابل عطار: کوچہ رحمن کے قریب واقع ہے۔ ۱۸۵۷ میں یہ بناہی میں آیا تھا۔ گلی حکیم جی: چوڑی والان میں واقع ہے۔ ۱۹۱۹ء میں اس میں حکیم احمد علی خاں دو جانہ والے مطب کرتے تھے۔

مدرسہ طبیبہ و زنانہ شفاخانہ: اسی محلہ چوڑی والان میں حویلی ڈپٹی محمد سلطان خاں میں مدرسہ طبیبہ تھا، جسے حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں نے قائم کیا تھا، اور یہیں حویلی منشی کبیر علی تحصیلدار میں حکیم اجمل خاں کا قائم کردہ زنانہ شفاخانہ اور مدرسہ دایمان تھا۔ مکان حکیم قاسم علی: بازاسیتنارام میں مکان حکیم قاسم علی خاں بوریے والے کا صاحب واقعات دارالحکومت نے اس محلہ کی قابل ذکر عمارتوں میں شمار کرایا ہے۔

حکیم قاسم علی خاں حکیم محمود خاں کے نانا گرو تھے، اور دلی کے اچھے طبیبوں میں ان کا شمار تھا، ۱۹۱۹ء سے کچھ پہلے انتقال ہوا، ان کے بعد ان کے صاحبزادہ حکیم ہاشم علی خاں نے وہاں مطب شروع کیا، بوریے والے اس وجہ سے مشہور ہوتے کہ ان کے بزرگوں نے ایک محلہ

۱۔ واقعات دارالحکومت جلد ۲ ص ۱۸۷

۲۔ عالم میں انتخاب دلی ص ۱۴ سے غالب نے اس کی بربادی کا ذکر کیا ہے۔ خطوط جلد ۲ ص ۶۸۵

۳۔ دہلی کی یادگار ہستیاں ص ۷

۴۔ واقعات دارالحکومت جلد ۲ ص ۱۸۸

۵۔ ایضاً ص ۱۹۱

بسیا بااختصاص میں زیادہ تر بوریے والے رہتے تھے۔

کثرہ حکیم حسن خاں: دہلی دروازہ کے قریب کوچہ تارا چند میں یہ کثرہ تھا، حکیم بدرالدین خاں کے ذیل میں امتحان الالباب میں حکیم حسن خاں کا ذکر کیا گیا ہے۔

کوچہ حکیم حامد خاں: فراش خانہ میں گلی پچاہ شہزادوں یا کوچہ حکیم حامد خاں ہے۔ اسی کوچہ میں حکیم بدرالدین خاں کا مکان اور مطب تھا۔ ان کے بعد ان کے صاحبزادہ حکیم شجاع الدین خاں اس میں مطب کرتے تھے۔

گلی حکیم نعیم بیگ: کوچہ فولاد خاں میں واقع ہے۔

ہمدرد دواخانہ: لال کنواں میں اندر تک اس کی وسیع عالیشان عمارتوں کا سلسلہ ہے، اپنی عمارتوں میں ایک شفا الملک حکیم رضی الدین خاں کا دولت کدرہ شفا منزل تھا، اسی سے منسل حکیم غلام کبریا عرف حکیم بھورے خاں کا بڑا دواخانہ تھا، اس میں اب شمع دواخانہ واقع ہے، شمع دواخانہ کے قریب ہمدرد دواخانہ کی عمارت ہے، یہ دواخانہ حکیم عبدالحمید کے ماموں حکیم نور احمد نے قائم کیا تھا، اب یہ ان کے صاحبزادہ حکیم اقبال احمد کی سرپرستی میں ہے حکیم اقبال احمد دہلی کے موجودہ طبیوں میں صاحب امتیاز ہیں اور ایک عرصہ سے آل انڈیا یونانی طبی کانفرنس کی سکریٹری شپ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

شریف منزل: ملی ماران میں شریف خانی اطبا کا مسکن، متعدد عالی شان عمارت کا مجموعہ، اس کا تذکرہ علاحدہ سے کیا گیا ہے، اسی کے سامنے حکیم اجمل خاں کے ۱۹۰۲ء میں قائم کردہ ہندوستانی دواخانہ کی عمارت ہے جو ۱۹۱۰ء میں تعمیر کی گئی تھی۔

مرزا سنگھ بیگ نے دہلی کی تاریخی اور اہم عمارتوں کے بیان میں نامور طبیوں کی

۱۔ واقعات دارالحکومت جلد ۲ ص ۱۹۲

۲۔ امتحان الالباب کا فتنہ الالباب ص ۲۱۹

۳۔ واقعات دارالحکومت جلد ۲ ص ۱۹۶

۴۔ دلی کی یادگار ہستیاں ص ۱۲

تویلیوں اور مکانوں کا بھی ذکر کیا ہے، انراہم بیرم خاں سے ذرا آگے بڑھ کر دور آنے
 ہیں ایک فیض بازار کی طرف جاتا ہے، دوسرے راستے پر حکیم محسن خاں کی تویلی تھی چمنہ
 لعل میاں یعنی دہلی دروازہ کے قریب حکیم فضل علی خاں، حکیم فیض علی خاں کی تویلی تھی
 دربیہ کلاں کے قریب نواب شرف الدولہ کی مسجد کے نزدیک حکیم میر علی ابن حکیم حسن
 کامکان تھی دربیہ خرد میں حکیم رکن الدین خاں کی تویلی اور اسی سے متصل مالی وارہ میں حکیم
 اجیت سنگھ کامکان تھا، اسی طرح حکیم غلام علی خاں، حکیم میاں جان، حکیم ذکار اللہ، حکیم
 قدرت اللہ، حکیم عزت اللہ، حکیم نثار اللہ، حکیم بوعلی خاں، حکیم بقا خاں، حکیم نامدار خاں
 حکیم کامدار خاں کی تویلیوں کا اس میں ذکر کیا گیا ہے، بشیر الدین احمد کے ہاں دوسری
 طبی یادگاروں کے علاوہ چرخے والان میں حکیم نواب جان کے مکان کا بھی تذکرہ ہے۔

طیبیوں کی تعمیر کردہ مساجد و مندر

- ۱۔ مسجد پیر جی: بارہ درمی شیرانگن، قدیم مسجد ہے۔ اسے حکیم محمود خاں کے بزرگوں
 نے بنوایا تھا، تھ
- ۲۔ مسجد جامن والی: متصل کلاں محل، قدیم مسجد ہے، حکیم مینا نے بنوائی تھی، بعد میں
 اس کی از سر نو تعمیر ہوئی تھی

۱۔ سیر المنازل ص ۲۸

۲۔ ایضاً ص ۲۸

۳۔ ایضاً ص ۳۰

۴۔ ایضاً ص ۴۰

۵۔ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۲۴۰

۶۔ ایضاً ص ۳۱۰ ۷۔ ایضاً ص ۳۱۱

۳۔ مسجد حکیم جی: بیٹے کنویں کی گلی فراش خانہ۔ قدیم چھوٹی مسجد ہے۔

۴۔ مسجد حکیم آغا جان: چھتہ حکیم آغا جان، کوچہ فولاد خاں، پھول کی منڈی۔ قدیم مسجد ہے۔ اسے اہتمام علی خاں کوتوال برادر فولاد خاں نے بنوایا تھا۔ یہ شاہ جہاں کے دربار کا امیر تھا۔ ۱۰۵۶ء میں فوت ہوئے۔ بعد میں حکیم آغا جان نے اضافہ کیا ہو گا اسی لیے ان کے نام سے مشہور ہوئی،

۵۔ مسجد حکیم شریف خاں: بلی ماران۔ حکیم شریف خاں نے تعمیر کرائی تھی۔ یہ مسجد دو منزلہ ہے اس کے نیچے دو کابینے ہیں۔ حکیم صادق خاں کے زمانہ کا مسجد کے پیش طاق پر یہ کتبہ ہے۔

شکر خدا بسعی محمد شریف خاں
شد طرح مسجدے کہ بود کعبہ صفا

برخاست چوں ندائے مؤذن خطیب عقل
گفتا بجوے سال وے از خانہ خدا

۶۔ مسجد حکیم مہر علی شاہ: کچا باغ۔ حکیم مہر علی شاہ کی بنائی ہوئی قدیم مسجد ہے۔ صحن مسجد میں کئی قبریں حکیم صاحب کے خاندان کے لوگوں کی ہیں۔ ان میں ایک قبر حکیم صاحب کے مرشد شاہ عبد اللطیف کی ہے۔ قبر کا کتبہ ہے۔

چورفت از جہاں شاہ عبد اللطیف
ازیں واقعہ خستہ دل شد امیر

بتاریخ آن گفت ہانف ز آہ
علیم سلیم لیلیٰ خیر

۷۔ مسجد حکیم ناہدار خاں و حکیم کامدار خاں: کوچہ چیلان میں ہے۔

۸۔ مسجد حکیم بوعلی خاں: مسجد روشن الدولہ (قاضی زادوں کی مسجد) کے پیچھے سے

تراہا بیرم خاں کو جو راستہ جا رہا ہے اس پر حکیم بوعلی خاں کی مسجد اور حویلی واقع ہے

۱۔ واقعات دار الحکومت جلد ۲ ص ۳۱۳

۲۔ ایضاً ص ۳۱۳

۳۔ ایضاً ص ۳۱۳

۴۔ ایضاً ص ۳۱۳

۵۔ سیر المنازل ص ۲۷

مسجد کی پیشانی پر ۱۲۳۶ھ/۱۸۱۱ء کا کتبہ نصب ہے لے

مرتب کرد مسجد بولہلی خاں

پے طاعات اور باب معانی

طایک سال تاریخ بخش بگفتند

مناسبت مسجد اقصیٰ ثانی ۱۲۲۶

۹. مسجد حکیم سید قدرت اللہ خاں: بلی خانہ میں ہے، دروازہ کی پیشانی پر یہ کتبہ مرقوم ہے یہ

چونوگشت ابن معبد دلکشا

بتائید لطف امام الوری

خطیب خردگفت از سال او

زہے مسجدے پر نور خدا ۱۲۰۹

۱۰. مسجد متصل حوض قاضی: عہد مغلیہ کی چھوٹی سی مسجد ہے۔ حکیم بقار اللہ کی بنوائی ہوئی دو منزلہ اوپر مسجد نیچے دو کانیں ادس میٹر جیوں کا زینہ ہے تہ

۱۱. مسجد حکیم امجد علی: کش گنج میں حافظ غلام رسول خاں ویران نے زمین خرید کر بہ اعانت مسلمانان اسے تعمیر کرایا تھا۔ ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۶ء میں ان کے پوتے حکیم حاجی امجد علی آنریری مجسٹریٹ نے باضافہ زمین نہایت خوبصورت اور شاندار مسجد از سر نو بنوائی۔ غلام رسول ویران ذوق کے شاگرد اور پایہ کے شاعر تھے۔ موجودہ دیوان ذوق ویران کے قومی حافظہ کا نمونہ ہے جو انہوں نے اپنی یاد سے لکھوایا ہے، ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء میں فوت ہوئے، ان کی یادگار حکیم امجد علی کا شمار اپنی بینک نفسی اور خلق کی وجہ سے مشاہیر شہر میں تھا ہے

۱۲. مسجد ہمدرد نگر: حکیم عبدالحجید بانی جامعہ ہمدرد نے ہمدرد نگر میں بنوائی ہے۔ ۱۹۸۱ء میں اس کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا۔

۱. سیر المنازل ص ۳۳

۲. ایضاً ص ۲۶

۳. واقعات دارالحکومت جلد ۲ ص ۳۳۷

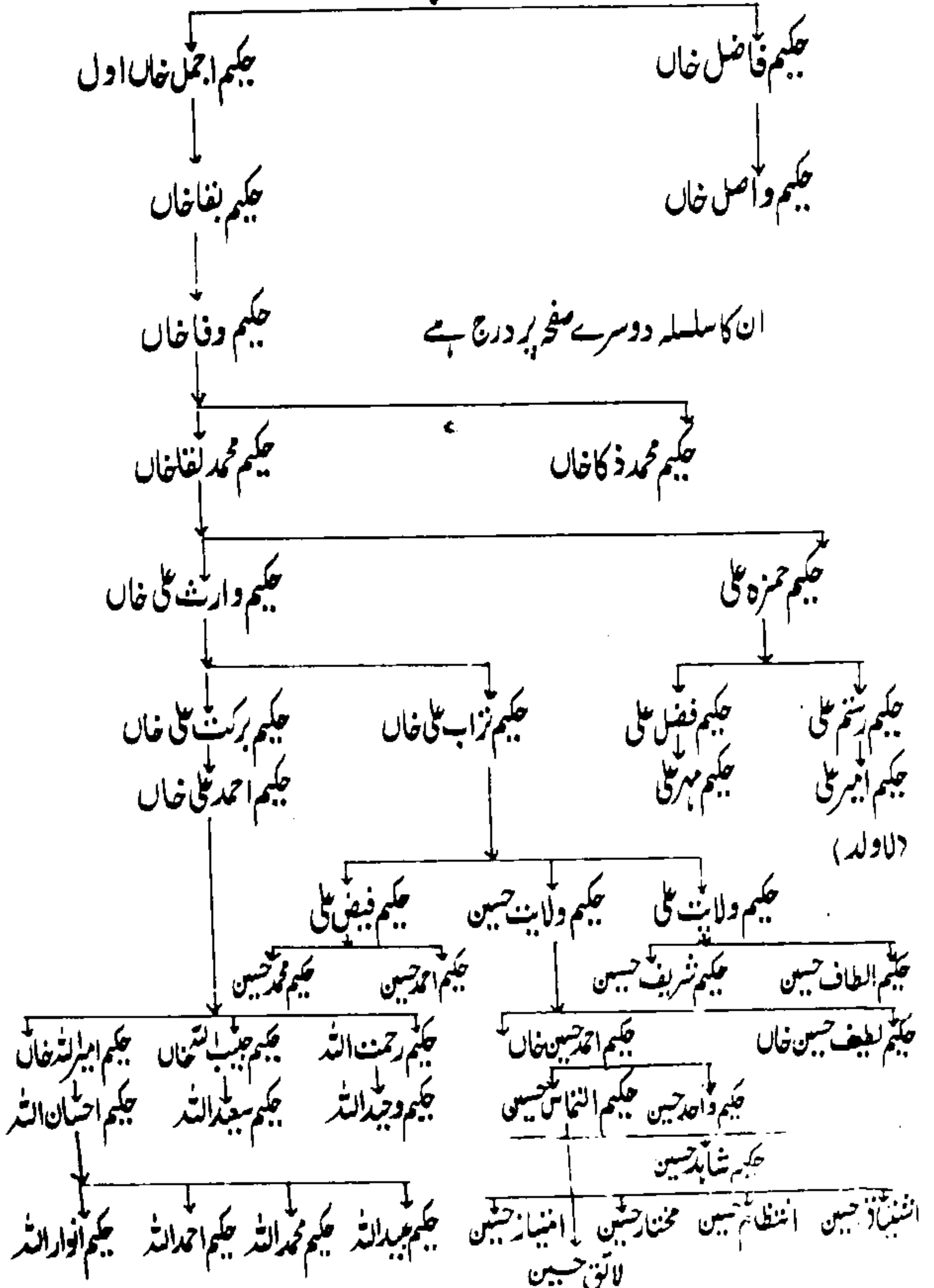
۴. ایضاً ص ۵۰۹

۱۳۔ مندر حکیم اجیت سنگھ اور جیون سنگھ: مالی واڑہ، چھتہ مدن گوپال میں تقریباً
 ۱۸۰۰ء کا تعمیر کردہ ہے۔ یہ حکیم اجیت سنگھ کی بیٹی ستانی کا بنایا ہوا ہے، جیون سنگھ
 حکیم صاحب کا داماد تھا، ۱۹۱۹ء کے قریب پچھوا سس کانگراں تھا جو ان کی چوتھی
 پشت میں تھا یہ

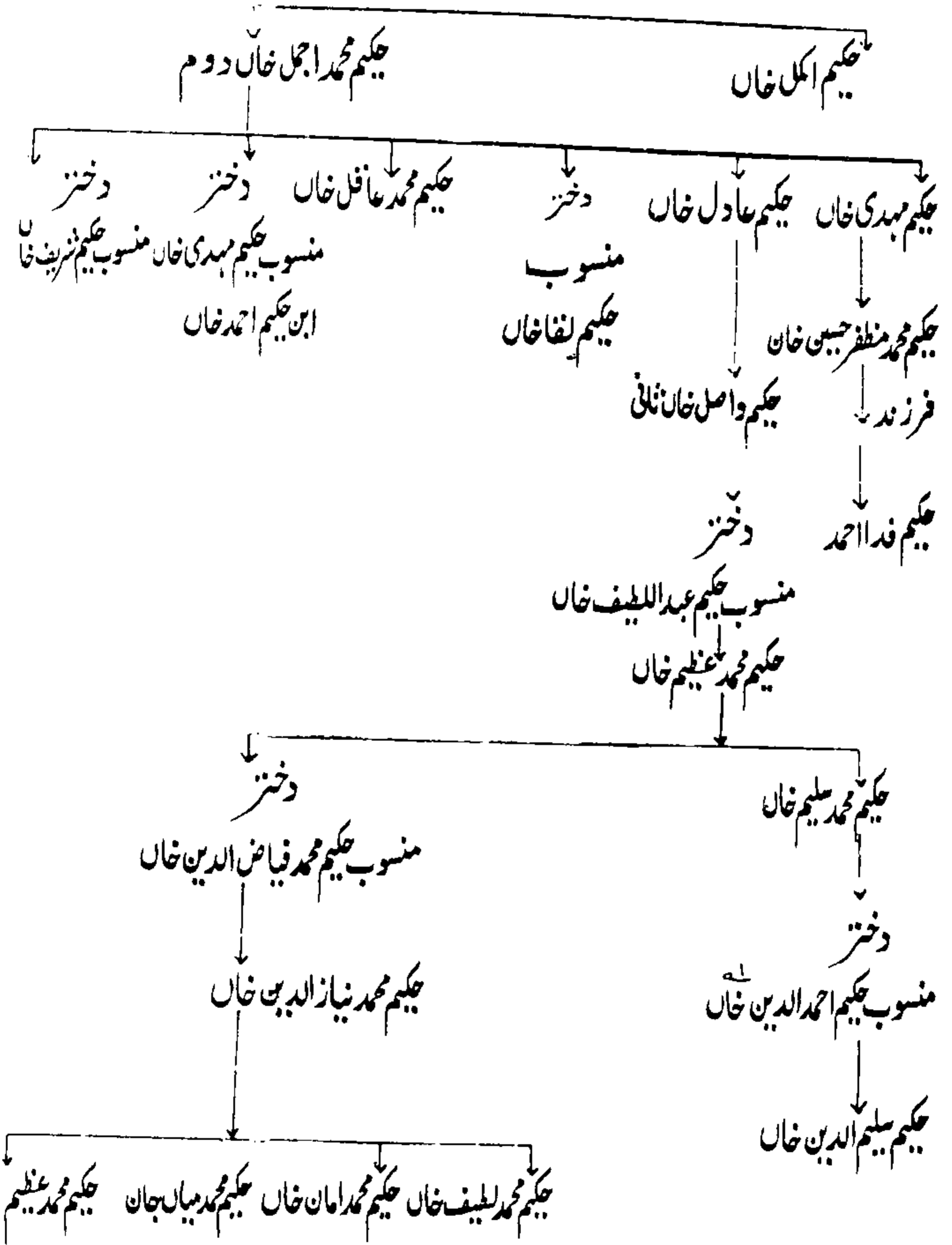
شجرہ خاندان شریفی

ملا علی قاری

ملا علی داؤد

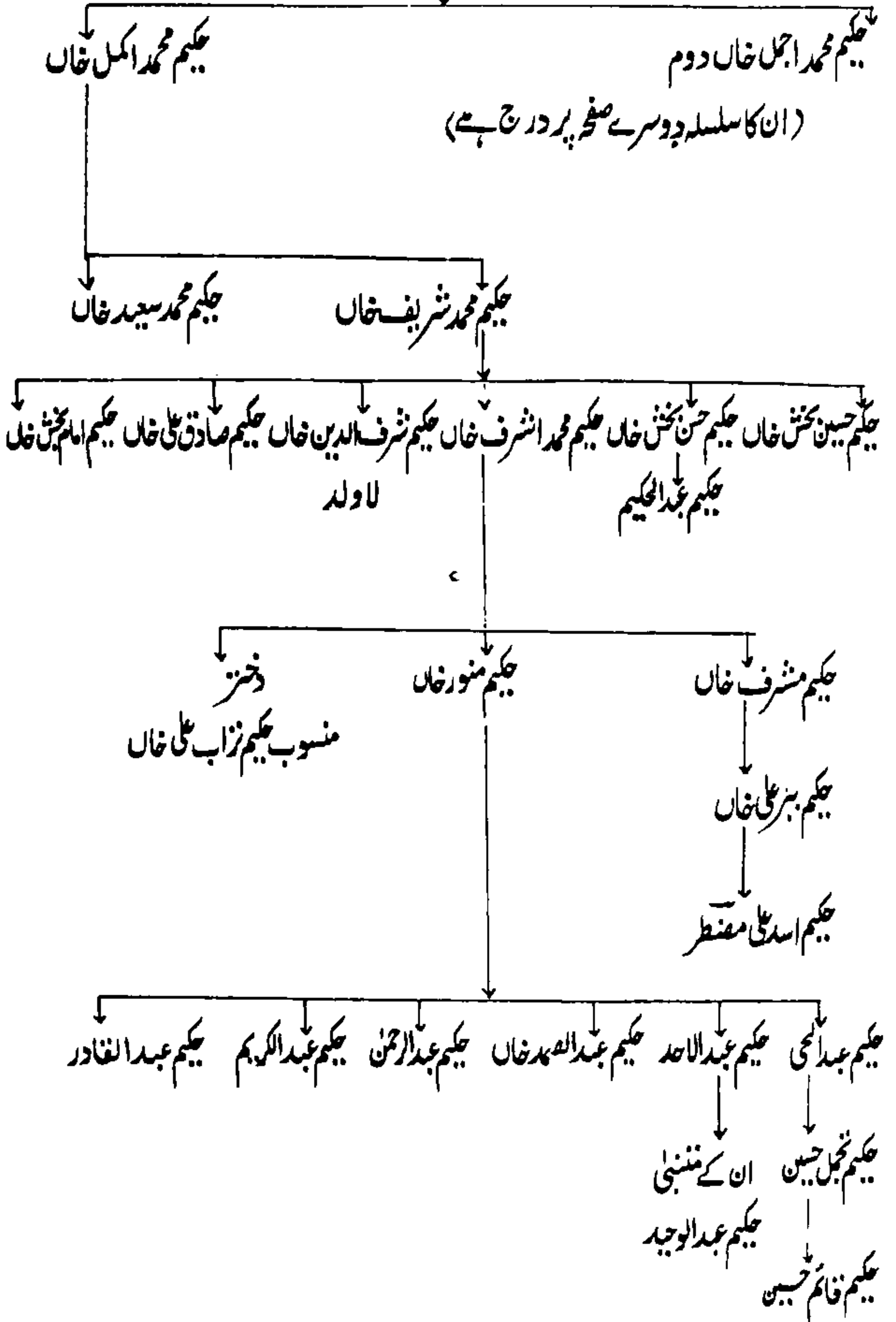


حکیم فاضل خاں
 حکیم واصل خاں



لے حکیم احمد الدین حکیم عزیز الدین خاں کے بیٹے اور حکیم محمد امان کے پوتے تھے، حکیم محمد امان حکیم واصل خاں کے داماد حکیم عبداللطیف خاں کے بڑے بھائی تھے۔

حکیم واصل خاں



حکیم محمد شریف خاں

حکیم صادق علی خاں

حکیم غلام مرتضیٰ

حکیم غلام محمد خاں

حکیم غلام محمود

حکیم غلام رسول

حکیم غلام اللہ

حکیم غلام نبی

حکیم عبدالعزیز

دختر

حکیم غلام کبیر

حکیم عبدالغنی

حکیم عبدالرشید خاں

حکیم عبدالنبی خاں

حکیم زکریا خاں

فرزند

حکیم احمد کبیر

حکیم یوسف کبیر

حکیم عبدالعلیم

حکیم عبدالرحیم

حکیم ابوالحسن

حکیم ابوالفیض

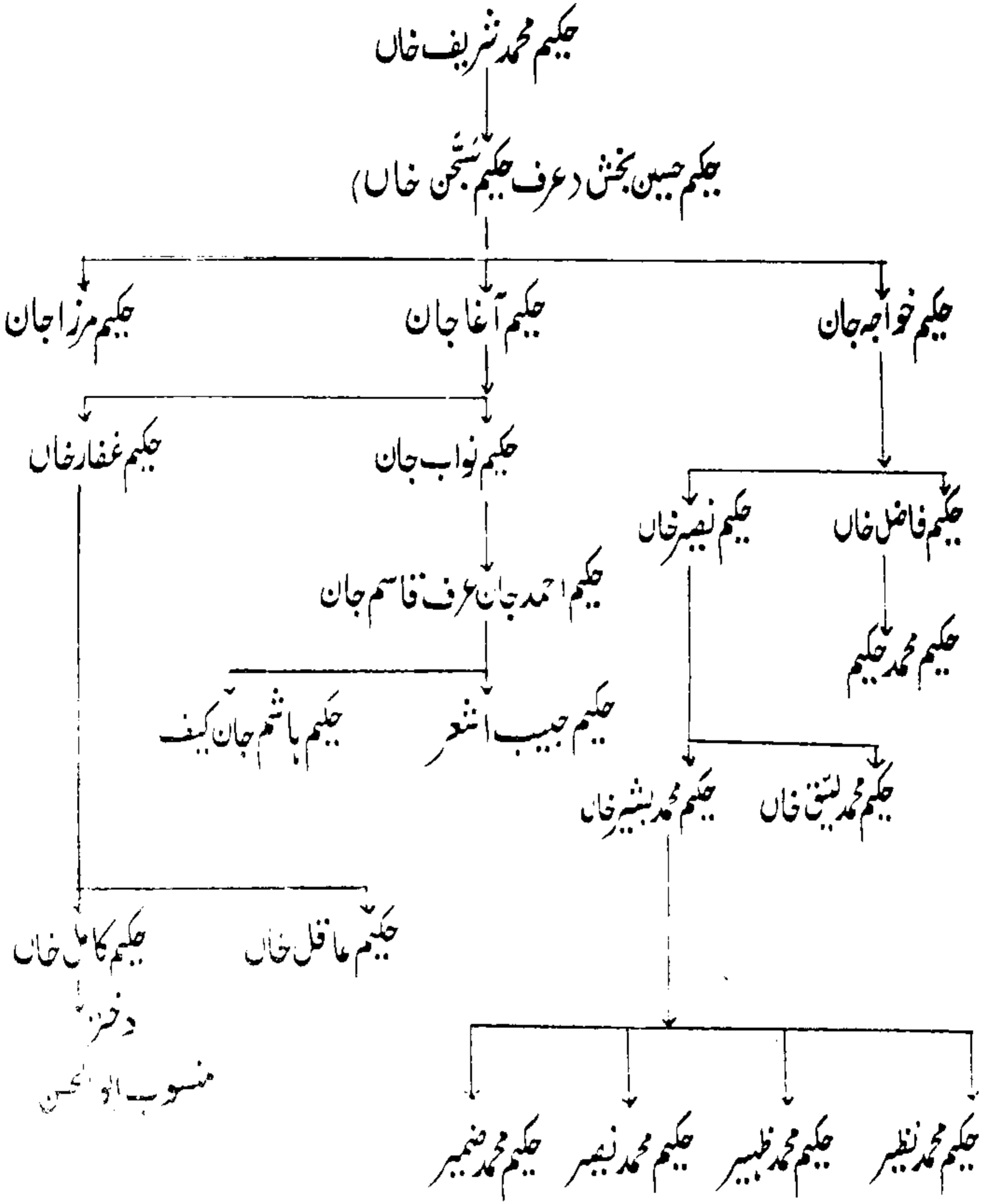
لا ولد

حکیم ابوالفضل

محمد محمود خاں

حکیم محمد اکمل

اولاد زینبہ بی بی



شجرہ خاندان بقتانی

حکیم مسیحا خاں

حکیم محمد ارشد

حکیم شاہ محمد خاں

حکیم دوست محمد خاں

حکیم نجیب اللہ

حکیم عبدالسلام خاں

حکیم بقتار اللہ خاں

حکیم بجلو بقتانی

حکیم سعید الدولہ

حکیم نجف خاں

حکیم محمد اسماعیل خاں

حکیم اسحق خاں

حکیم ذکار اللہ خاں

حکیم غلام رضا خاں

حکیم ظہیر الدین

حکیم جالینوس الزمان

حکیم اسد علی حکیم حسام الدین حکیم نور الدین

حکیم امام الدین

حکیم ریاض الدین

حکیم رضی الدین

حکیم قیام الدین حکیم لطیف حسین

حکیم فضل حسین حکیم غلام حیدر

کتابیات

- آب حیات. محمد حسین آزاد۔ عکسی اڈیشن۔ اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۴
- آثار الصنادید۔ سر سید احمد خاں۔ سنٹرل بک ڈپو دہلی ۱۹۴۵
- ۱۸۵۷ کا تاریخی روزنامہ۔ عبد اللطیف۔ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۸
- احوال غالب۔ مختار الدین احمد۔ دہلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۵۳
- اخبار الاخبار۔ شیخ عبدالحق، اردو ترجمہ مطبوعہ کراچی ۱۹۴۳
- اخبار الصنادید۔ حکیم نجم الغنی۔ جلد ۲ نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۸
- اسرار شریانیہ۔ حکیم عبد الوہاب انصاری۔ محبوب المطابع دہلی ۱۹۲۷
- اسٹڈیز ان عربک اینڈ پرسیان میڈیکل لٹریچر، زیر سرمد یقنی کلکتہ یونیورسٹی ۱۹۵۹
- اطبائے ہند مغلیہ۔ حکیم کوثر چاند پوری۔ ہمدرد کراچی ۱۹۴۰
- الواح الصنادید، عطار الرحمن قاسمی مطبوعہ دہلی ۱۹۸۹
- امتحان الالباب لکافتہ الاطباء اردو ترجمہ حکیم بدر الدین خاں۔ مطبع مصلح المطابع دہلی ۱۹۰۰
- انتخاب ذکار اللہ۔ از پرورش اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۳
- انتخاب یادگار۔ امیر مینائی۔ تاج المطابع ۱۲۹۷/۶ ۱۸۶۹
- انشائے مومن۔ حکیم مومن خاں۔ مطبع سلطانی دہلی ۱۲۷۱/۴ ۱۸۵۴
- اورینٹل بائیوگرافیکل ڈکشنری۔ ولیم بیل۔ لندن ۱۸۹۴
- بادشاہ نامہ۔ عبد الحمید لاہوری، اینٹیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۷۷
- باغ معانی، نقوش علی۔ مرتبہ عابد رضا بیدار۔ پٹنہ اشاعت دوم ۱۹۹۲
- بزم تیموریہ۔ سید صباح الدین عبد الرحمن۔ اعظم گڑھ ۱۹۴۸
- بزم خوش نفساں۔ شاہد احمد دہلوی۔ مرتبہ جمیل جالبی۔ مکتبہ اسلوب کراچی ۱۹۸۵

بزم سخن و طورِ کلیم۔ سید علی حسن و نور الحسن خاں۔ آرٹ پریس پٹنہ ۱۹۶۸
 بہادر شاہ ظفر کا روزنامہ، خواجہ حسن نظامی، جمال پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۶۲
 پروانہ چراغ مزار خود یکم ما۔ مرتبہ شعیب اعظمی، جمال پریس دہلی ۱۹۶۵
 تاریخ روابط پزشکی ایران و پاکستان۔ حکیم نیرو اسطی۔ راولپنڈی ۱۹۶۲
 تاریخ صحافت اردو، امداد صابری جلد ۱، ۱۹۵۳، جلد ۲، ۱۹۵۳، جلد ۳، ۱۹۶۵، جلد ۴
 یونین پریس دہلی ۱۹۶۲

تاریخ فیروز شاہی۔ ضیاء الدین برنی، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۶۶
 تاریخ محمدی۔ معتمد بنماں۔ مرتبہ امتیاز علی عرشی جلد ۲ حصہ ۱، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۶۰
 تالیف شریفی، حکیم شریف خاں، اکمل المطابع دہلی ۱۲۸۰/۳۱۸۶۳
 تحفۃ الانساب۔ مصباح احمد صدیقی امر وہ ۱۹۹۲
 تذکرہ اطباء عہد عثمانی۔ حکیم شفا جدر آبادی مطبوعہ جدر آباد ۱۹۵۲
 تذکرہ چمنستان شعرا، پھسی زاین شفیق۔ تلخیص عطا کا کوئی۔ آرٹ پریس پٹنہ ۱۹۶۸
 تذکرۃ الخواجگانہ، حکیم احسان اللہ خاں گوبارہ ۱۹۳۱
 تذکرہ ریختہ گویان۔ فتح علی گڑ دیزی۔ مرتبہ عبدالحق۔ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد ۱۹۳۳
 تذکرہ شعرائے اردو۔ میر حسن۔ اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۵
 تذکرہ علمائے ہند۔ رحمن علی، نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۲
 تذکرہ بیح الملک۔ حکیم محمد حسن قریشی۔ میسرالہ پال پور ۱۹۲۸
 تذکرہ ہندی غلام ہمدانی مصحفی، اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۵
 نضنہ اور غالب۔ محمد ضیاء الدین انصاری۔ غالب اکاڈمی نئی دہلی ۱۹۸۲
 تکشیف الحکمت۔ حکیم محمد سلیم خاں۔ نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۵
 تلامذہ غالب۔ مالک رام۔ مرکزی تصنیف و تالیف نکو درسنہ ندارد
 توزک جہانگیری۔ جہانگیر بادشاہ۔ مرتبہ سر سید احمد خاں غازی پور ۱۸۶۳
 الثورۃ الہندیہ باغی ہندوستان۔ فضل حق خیر آبادی ترجمہ عبد الشاہد خاں شروانی

مدینہ بکھنور ۱۹۴۷

چراغِ دہلی۔ مرزا اجرت۔ اردو اکادمی دہلی ۱۹۸۷

جامعہ کی کہانی۔ عبد الغفار۔ مکتبہ جامعہ نئی دہلی ۱۹۴۵

حکیم اجمل خاں۔ حکیم کوثر چاند پوری۔ نسیم بک ڈپو لکھنؤ ۱۹۷۳

حکیم آغا جان عیش اور ہریانہ کے مشاہیر۔ بلجیت سنگھ مطیر۔ کایا پبلی کیشنز بہادر گڑھ

ہریانہ ۱۹۸۱

حیات اجمل۔ حکیم رشید احمد خاں۔ جید پریس دہلی ۱۹۳۷

حیات اجمل۔ قاضی عبد الغفار، انجن ترقی اردو علی گڑھ ۱۹۵۰

حیات سکندری۔ دفتر تاریخ بھوپال۔ مطبع شمسی آگرہ ۱۹۱۸

حیات کرم حسین۔ حکیم سید ظل الرحمن، لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ ۱۹۸۳

حیات ولی۔ ابو محمد رحیم بخش۔ افضل المطابع دہلی سنہ ندارد

خاندان شریفی۔ حکیم عبد الرحیم خاں۔ مشاہیر الاطبا نمبر دہلی اپریل ۱۹۴۰

مخخانہ جاوید۔ لالہ سری رام جلد ۱ مطبع نول کشور لاہور ۱۹۰۸ جلد ۲ دہلی پرنٹنگ ورکس

۱۹۱۱ جلد ۳ دہلی پرنٹنگ ورکس ۱۹۱۷

داستان غدر۔ ظہیر دہلوی۔ مطبع کریم لاکھنؤ

دریائے لطافت، سید انشاء ترجمہ دتتا تریہ کیفی مرتبہ عبدالحق اورنگ آباد ۱۹۳۵

دستور الفصاحت۔ حکیم احمد علی بک تہا۔ ہندوستان پریس رامپور ۱۹۴۳

دلی کا پھیرا۔ ملا داد احمدی۔ انجمن کتاب گھر کراچی ۱۹۵۹

دلی کا سنبھالا، خواجہ محمد شفیع دہلوی، مکتبہ جامعہ نئی دہلی ۱۹۳۸

دلی کی آخری بہار، راشد الخیری، عصمت بک ڈپو دہلی ۱۹۴۳

دلی کی تہذیب۔ انتظار مہذا۔ اردو اکادمی دہلی ۱۹۸۷

دلی کی عجب، سنیان اشرف صبوحی، مکتبہ جامعہ نئی دہلی ۱۹۸۹

دلی والے۔ صلاح الدین دودھلہ، اردو اکادمی دہلی ۱۹۸۸

- دہلی کی آخری شمع۔ مرزا فرحت الشربگ، اسٹار بک ڈپو کلکتہ سنہ ندارد
- دہلی کے قدیم مدارس و مدرس۔ امداد صابری۔ کوہ نور پریس دہلی ۱۹۷۷
- دہلی کی یادگار شخصیتیں، امداد صابری، جمال پریس دہلی ۱۹۸۷
- دہلی کی یادگار ہستیاں، امداد صابری، جمال پریس دہلی ۱۹۷۲
- دیوان ذوق مرتبہ محمد حسین آزاد۔ علمی پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۳۳
- ذکر غالب۔ مالک رام۔ مکتبہ جامعہ نئی دہلی ۱۹۵۵
- رسالہ جو دیہ۔ ابن سینا مرتبہ حکیم سید ظل الرحمن۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ ۱۹۷۱
- رسائل مسیح الملک۔ ترجمہ محمد رضی الاسلام ندوی مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۹۱
- رقعات عالمگیری۔ مطبع مصطفائی لکھنؤ ۱۲۶۲/۱۹۴۵ء
- رموز حکمت حکیم عبد الرحیم جمیل۔ اقبال اسٹیم پریس گجرات پنجاب سنہ ندارد
- رموز الاطباء حکیم فیروز الدین لاہور جلد اول ۱۹۱۵ جلد دوم ۱۹۲۳
- روز روشن۔ منظر حسین صبا گوپاموی۔ مرتبہ عطا کاکوی۔ آرٹ پریس پٹنہ ۱۹۷۸
- روسائے باختیار و نامی خاندان پنجاب، کرنل چارلس فرانسس۔ اردو ترجمہ مطبع اسلامیہ

لاہور ۱۸۹۴

- ریاض الفصحا۔ غلام ہمدانی مصنف، اردو اکادمی لکھنؤ ۱۹۸۵
- سخن شعرا۔ عبد الغفور نساج، اردو اکادمی لکھنؤ ۱۹۸۲
- سرگذشت مجاہدین۔ غلام رسول ہر۔ کتاب منزل لاہور ۱۹۵۶
- سیرت اجل، حکیم جمیل خاں، ہندوستانی دواخانہ دہلی
- سیرت فیروز شاہی۔ مصنف نامعلوم، مخطوطہ مخزونہ خدائ بخش لاہور پٹنہ
- سیر المنازل، مرزا سنگین بیگ مرتبہ شریف حسین قاسمی، غالب انسٹیٹیوٹ نئی دہلی ۱۹۸۲
- شعار الملک، نقوش و نازات، حکیم محمد اسلم صدیقی، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ ۱۹۸۵
- سلاسی برصغیر میں، خدائ بخش لاہور پٹنہ ۱۹۸۸
- طب فیروز شاہی۔ مرتبہ حکیم سید ظل الرحمن، جامعہ ہمدونی دہلی ۱۹۸۷

طبقات شعرائے ہند۔ کریم الدین، اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۳

عالمگیر نامہ۔ محمد کاظم، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۶۸

عالم میں انتخاب دلی۔ مہیشور دیال۔ اردو اکاڈمی دہلی ۱۹۹۳

علی گڑھ کے طبی مخطوطات، حکیم سید ظل الرحمن، خدابخش پٹنہ ۱۹۸۲

عمرہ منتخبہ۔ میر محمد خاں سرور، ادبی پرنٹنگ پریس بمبئی ۱۹۶۱

عمل صالح۔ محمد صالح کنوہ، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۱۲/۶۱۲۲۷

غالب۔ غلام رسول مہرا خواجہ پریس دہلی ستمبر ۱۹۸۲

غالب کے خطوط (چار جلد) مرتبہ خلیق انجم۔ غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی ۱۹۹۲ تا ۱۹۸۲

غالب نامہ۔ شیخ محمد اکرام۔ سورت ۱۹۳۶

قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین حکیم سید ظل الرحمن۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۸۶

قربادین دکائی، حکیم ذکار اللہ خاں، مطبعہ رائے بھوانی پرشاد دہلی ۱۳۰۲/۶۱۸۸۴

کلیات غالب، نول کٹنور پریس لکھنؤ ۱۸۷۲

کیڈاگ آف پرنسپل مینکریٹ ان ایدی لائبریری آف انڈیا آفس ایٹھے ہیر میں، جلد ۱

آکسفورڈ ۱۹۰۳

کیڈاگ آف عربک اینڈ پرنسپل لٹریچر۔ رابیل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹین اینڈ

آئر لینڈ اسٹورے، سی۔ لندن ۱۹۷۱

گلستان بے خرم۔ قطب الدین باطن لاہور اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۲

گلستان سخن، مرزا قادر بخش صابر، اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۲

گلشن بے غار، مصطفیٰ شبیفتہ، اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۲

گلشن ہند، مرزا علی لطف، اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۲

گل عجبائب، اسد اللہ خاں نمنا اورنگ آبادی، اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۵

گنجینہ گوہر شاہد احمد دہلوی، مکتبہ اسلوب کراچی ۱۹۶۲

گنجینہ سلیمانی، مظفر حسین خاں سلیمانی، مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ ۱۹۲۷

لال قلعہ کی ایک جھلک، حکیم ناصر ندیر فراق، علمی پریس دہلی ۱۹۳۶

لباب الالباب، نور الدین محمد عوفی، بریل لائٹن ۱۹۰۶

لیکچروں کا مجموعہ، ڈپٹی نذیر احمد مرتبہ بشیر الدین احمد، جلد امضید عام ایشیم پریس

آگرہ ۱۹۱۸

ماثر عالمگیری، محمد ساقی مستعد خان، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۷۱

ماثر الکرام، غلام علی آزاد بلگرامی، دغانی پریس لاہور ۱۹۱۳

ماثر الامراء، شاہ نواز خان، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۹۵

ماثر المسیح، ابرار حسین فاروقی، نامی پریس لکھنؤ ۱۹۷۶

مجمع النفایس، سراج الدین علی خاں آرزو، مرتبہ عابد رضا پیدار پٹنہ اشاعت دوم ۱۹۹۲

مجموعہ لغز، حکیم میر قدرت اللہ خان قاسم، دو جلد، نذقی اردو بورڈ دہلی ۱۹۷۳

مختصر سیر ہندوستان، حکیم وحید اللہ، مطبع دہلی بہ جدر می آگرہ سنہ ندارد

مخزن الشعر، نور الدین فایق، اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۵

مخزن نکات، قیام الدین قایم چاند پوری، اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۵

مرات الاشباه، اردو ترجمہ محمد ارتضیٰ خاں مطبع مرتضوی دہلی ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸

مرقع دہلی، درگاہ قلی مرتبہ خلیق انجم، ٹمرا فیسٹ پرنٹرس نئی دہلی ۱۹۹۳

مرحوم دہلی کالج، عبدالحق، انجمن نذقی اردو اورنگ آباد ۱۹۳۳

مزارات اولیائے ہند، محمد عالم شاہ فریدی (دو جلد)، جان جہاں پریس دہلی ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱

المشاہیر فیض احمد، نامی پریس میرٹھ ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸

معارف جمیل، آزاد انصاری، شمس اناسلام پریس جیدر آباد ۱۹۳۸

منتخب التواریخ، عبدالنقاد بدایونی، نول کٹنور لکھنؤ ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶

مومن اور مطالعہ مومن، عبادت بریلوی، خواجہ پریس دہلی ۱۹۷۵

میں خانہ درد، حکیم ناصر ندیر فراق، جید برقی پریس دہلی ۱۳۲۲ھ/۱۹۲۵

نذر جمید، مالک رام، مکتبہ جامعہ نئی دہلی ۱۹۸۱



نزہۃ الخواطر حکیم سید عبدالحمی حسنی جلد ۵-۴-۳-۲-۱ دائرۃ المعارف جلد ۱۰ آباد ۱۹۵۵ تا ۱۹۷۰

نقش حیات حسین احمد مدنی (جلد ۲) الجمعیتہ پریس دہلی ۱۹۵۴

نکات الشعراء میر تقی میر اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۴

واقعات دار الحکومت بشیر الدین احمد (تین جلد) عکسی اڈیشن اردو اکاڈمی دہلی ۱۹۹۰

وقد حیات مسلم ایجوکیشنل کانفرنس مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ ۱۹۲۵

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت، مناظر احسن کیلانی، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۴۶

ہفت اقلیم، امین احمد رازی، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۹۶۷

یادگار شعراء اسپرنگر، ترجمہ طفیل احمد، اردو اکاڈمی لکھنؤ ۱۹۸۵

یادگار ضیغم، عبداللہ خاں ضیغم، مطبوعہ ۱۳۰۳/۶/۱۸۸۶

یادگار غالب، الطاف حسین حالی، غالب انسٹیٹیوٹ نئی دہلی ۱۹۸۶

یہ تھی دلی، طالب دہلوی، انجمن نذوقی اردو دہلی ۱۹۷۵

یہ دہلی ہے، سید یوسف بخاری، اشاعت اول مکتبہ جہاں نداد دہلی ۱۹۴۴ دوم ایجوکیشنل

پریس کراچی ۱۹۶۳

اجمل میگزین دہلی فروری ۱۹۳۶ (جلد ۳ نمبر ۲)

اردو سماہی غالب نمبر کراچی ۱۹۶۹

ایوان اردو نئی دہلی جون ۱۹۸۸

جامعہ طیبہ میگزین دہلی ۱۹۶۷

عمدۃ الاخبار بھوپال جلد ۱۵۵-۱۵۶ جون ۱۸۷۱

یادگاری مجلہ علم الادویہ پر پہلا قومی سیمینار اعظم گڑھ ۱۹۹۳